بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات
59	۲ سچی توبہ
61	...... فرمانِ الٰہی
62	...... توبہ کے معنی
62	...... توبہ اکابرینِ امت کی نظر میں
65	...... توبہ کی تین کیفیتیں
67	...... توبہ کے تین درجے
68	...... توبہ کی تین شرائط
68	...... توبہ کا تعلق تین زمانوں سے
69	...... توبہ میں نیت کی درستگی
69	...... عقیدے کی توبہ
70	...... اعمال کی توبہ
71	...... ایک ناحق کھجور سے درجہ ابدال میں رکاوٹ
72	...... اہلِ حق فوت ہو جائیں تو......!
73	...... اگر توبہ کرنا مشکل ہو
73	...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلے سے توبہ
74	...... توبہ کی برکت سے ظالم سے نجات
76	...... شیطان کی حسرت
77	...... عفوِ الٰہی بندے کے گناہوں سے زیادہ ہے
78	...... گناہ چھوڑا نہ توبہ
80	...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہر دن میں سو مرتبہ توبہ کرنا

عنوانات	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوانات

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر
④ سلوکِ نقشبندیہ	185

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات
257	❁...... تھوڑی سی عبادت پر بڑی توقع
258	❁...... ریا کی علامت
258	❁...... شیطان کا چوتھا حملہ......خود پسندی میں مبتلا کرنا
259	❁...... ایک عابد کی خود پسندی کا انجام
260	❁...... انسان اللہ کے حلم کا محتاج
260	❁...... تین انمول باتیں
261	❁...... اللہ کے ساتھ وقت گزاریں
263	۶ طلبا کو نصیحت
265	❁...... دنیا امتحان گاہ ہے
265	❁...... امتحان کے مختلف طریقے
265	❁...... تحریری امتحان
266	❁...... معروضی امتحان
266	❁...... خصوصی امتحان
266	❁...... اورل ٹیسٹ
267	❁...... پریکٹیکل امتحان
267	❁...... اللہ رب العزت کا امتحان
267	❁...... حضرت ایوب علیہ السلام کی امتحان میں کامیابی
268	❁...... حضرت سلیمان علیہ السلام کی کامیابی
268	❁...... زندگی کا امتحان اور اس کے نگران
269	❁...... نتیجہ کا دن

صفحہ نمبر	عنوانات
269	❁...... مومن کی زندگی ایک جہدِ مسلسل ہے
270	❁...... دنیا کام کے لیے، قبر آرام کیلیے، جنت عیش کے لیے ہے
271	زندگی کا ایک ایک دن قیمتی ہے
271	❁...... گھر میں طلبا کی ذمہ داری
272	❁...... مدرسہ کے ماحول اور گھر کے ماحول میں فرق
273	❁...... کیچڑ سے ذرا بچ کر......
274	❁...... نوجوانوں کے سر پر سینگ
274	❁...... دو قسم کے طالب علم
274	❁...... (۱) تعلیم مکمل کر کے جانے والے طالب علم
275	❁...... (۲) چھٹی پر جانے والے طالب علم
275	❁...... مسنون دعاؤں کا اہتمام
276	❁...... گناہ سے بچنے کا اہتمام
276	❁...... ترکِ گناہ سے دعاؤں کی قبولیت
277	❁...... ایک مستجاب الدعوات شخصیت
279	❁...... ایک اللہ والے کا عجیب طریقہ
279	❁...... اللہ والوں کے ساتھ اللہ کی مدد
280	❁...... دعائے رخصت

☆☆☆☆☆

عرض ناشر

محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم کے علوم ومعارف پر مبنی بیانات کو شائع کرنے کا یہ سلسلہ خطباتِ فقیر کے عنوان سے 1996ء بمطابق ۱۴۱۷ھ میں شروع کیا تھا اور اب یہ چھتیسویں (۳۶) جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ جس طرح شاہین کی پرواز ہر آن بلند سے بلند تر اور فزوں سے فزوں تر ہوتی چلی جاتی ہے، کچھ یہی حال حضرت دامت برکاتہم کے بیاناتِ حکمت ومعرفت کا ہے۔ ان کے جس بیان کو بھی سنتے ہیں، ایک نئی پروازِ فکر کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ یہ کوئی پیشہ ورانہ خطابت یا یاد کی ہوئی تقریریں نہیں ہیں بلکہ حضرت کے دل کا سوز اور روح کا گداز ہے جو الفاظ کے سانچے میں ڈھل کر آپ تک پہنچ رہا ہوتا ہے۔ بقولِ شاعر:

میری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرمِ رازِ درونِ خانہ

چونکہ یہ صاحبِ دل کی بات ہوتی ہے اس لیے دلوں میں اثر کرتی ہے۔ چنانچہ حضرت کے بیانات کو ایک قبولیتِ عامہ حاصل ہے۔ حضرت کے بیانات سے علما بھی مستفید ہوتے ہیں عوام بھی مستفید ہوتے ہیں۔ بڑے بھی رہنمائی حاصل کرتے ہیں، چھوٹے بھی سبق حاصل کرتے ہیں۔ مردوں کے دل کی دنیا بھی بدلتی ہے، خواتین کی

بھی اصلاح ہوتی ہے۔غرض کہ ہر طبقہ کے انسان کے لیے یہ خطبات مشعلِ راہ ہیں۔
''خطباتِ فقیر'' کی اشاعت کا یہ کام ہم نے اسی نیت سے شروع کیا کہ حضرتِ اقدس دامت برکاتہم کی فکر سے سب کو فکر مند کیا جائے اورانہوں نے اپنے مشائخ سے علم وحکمت کے جو موتی اکٹھے کر کے ہم تک پہنچائے ہیں، انہیں موتیوں کی مالا بنا کر عوام تک پہنچایا جائے۔ یہ ہمارے ادارے کا ایک مشن ہے جوان شاءاللہ سلسلہ وار جاری رہے گا۔قارئینِ کرام کی خدمت میں بھی گزارش ہے کہ اس مجموعہءخطبات کو ایک عام کتاب سمجھ کر نہ پڑھا جائے کیونکہ یہ بحرِ معرفت کے ایسے موتیوں کی مالا ہے، جن کی قدر و قیمت اہلِ دل ہی جانتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ یہ صاحب خطبات کی بے مثال فصاحت و بلاغت، ذہانت و فطانت اور حلاوت و ذکاوت کا فقید المثال اظہار ہے،جس سے اہلِ ذوق حضرات کو محظوظ ہونے کا بہترین موقع ملتا ہے۔
قارئینِ کرام سے گزارش ہے کہ اشاعت کے اس کام میں کہیں کوئی کمی یا کوتاہی محسوس ہو یا اس کی بہتری کے لیے تجاویز رکھتے ہوں تو مطلع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں تا زیست اپنی رضا کیلئے یہ خدمت سر انجام دینے کی توفیق عطا فرمائیں اوراسے آخرت کے لئے صدقۂ جاریہ بنائیں۔
آمین بحرمت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

فقیر سیف اللہ نقشبندی
مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فقیر کو جب عاجز کے شیخ مرشد عالم حضرت مولانا پیر غلام حبیب نقشبندی مجددی نور اللہ مرقدہ نے اشاعت سلسلہ کے کام کی ذمہ داری سونپی تو ابتدا میں چند دن اپنی بے بضاعتی کے احساس کے تحت اس کام کے کرنے میں متذبذب رہا، لیکن حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ نے بھانپ لیا، چنانچہ فرمایا کہ بھئی تم نے اپنی طرف سے اس کام کو نہیں کرنا بلکہ اپنے بڑوں کا حکم پورا کرنا ہے، کیوں نہیں کرتے؟ مزید فرمایا کہ جب کبھی مجلس میں بیان کے لیے بیٹھو تو اللہ کی طرف متوجہ ہو جایا کرو، بڑوں کی نسبت تمہاری پشت پناہی کرے گی۔ چنانچہ حضرت کے حکم اور نصیحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بندہ نے وعظ و نصیحت اور بیانات کا سلسلہ شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال ہوئی، حلقہ بڑھتا رہا اور الحمد للہ شرکاء کو کافی فائدہ بھی ہوتا کیونکہ ان کی زندگیوں میں تبدیلی عاجز خود بھی دیکھتا تھا۔ تھوڑے ہی عرصے بعد چہار اطراف سے بیانات کے لیے دعوتیں آنے شروع ہو گئیں۔ شیخ کا حکم تھا، سرتابی کی مجال کہاں؟ جب بھی دعوت ملی رختِ سفر باندھا اور عازمِ سفر ہوئے۔ اس کثرت سے اسفار ہوئے کہ بعض اوقات صبح ایک ملک، دوپہر دوسرے ملک اور رات تیسرے ملک میں ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ملکوں کو محلہ بنا دیا۔ اِس ناتواں میں یہ ہمت کہاں؟...... مگر وہ جس سے چاہیں کام لے لیتے ہیں۔ بقول شخصے ع

''قدم اٹھتے نہیں، اٹھوائے جاتے ہیں''

حقیقت یہ ہے کہ یہ میرے شیخ کی دعا ہے اور اکابر کا فیض ہے جو کام کر رہا ہے، وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۔

بیانات کی افادیت کو دیکھتے ہوئے کچھ عرصے بعد جماعت کے کچھ دوستوں نے ان کو کتابی شکل میں مرتب کرنے کا سلسلہ شروع کیا، مکتبۃ الفقیر نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری اٹھائی، یوں خطبات فقیر کے عنوان سے نمبروار یہ ایک سلسلہ چل پڑا۔ یہ عاجز کئی ایسی جگہوں پر بھی گیا جہاں یہ خطبات پہلے پہنچے ہوئے تھے اور وہاں علما طلبا نے کافی پسندیدگی کا اظہار کیا۔

ان خطبات کے مطالعے میں ایک بات یہ بھی پیش نظر رکھیں کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے بلکہ بیانات کا مجموعہ ہے، ان میں علمی غلطی یا بھول کا امکان موجود ہوتا ہے۔ اس لیے معزز علمائے کرام سے گزارش ہے کہ جہاں کہیں کوئی غلطی دیکھیں تو اصلاح فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ دعا ہے کہ جو حضرات بھی ان بیانات کی ترتیب و اشاعت میں کوشاں ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کی کوششوں کو شرف قبولیت عطا فرمائیں اور انہیں اپنی رضا، اپنی لقا اور اپنا مشاہدہ نصیب فرمائیں اور عاجز کو بھی مرتے دم تک اپنے دین کی خدمت کے لیے قبول فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

دعا گو و دعا جو

فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی

کان اللہ لہ عوضا عن کل شیء

عرض مرتب

یہ خطبات مجموعہ ہے باغِ علی رضی اللہ عنہ (حضرت مرشدِ عالم رحمۃ اللہ علیہ) کے ایک پھول، عشقِ صدیق رضی اللہ عنہ کو دل میں بسا کر مشرب نقشبندیہ سے سیراب ہونے والی اور فنا فی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی منزل سے گزر کر فنا فی اللہ کا راز پانے والی ایک ہستی کے بیانات کا۔ جو نسبت کا نور دل میں لیے قریہ بہ قریہ قلوبِ انسانی کو محبت الٰہی سے گرمانے اور انہیں شریعت وسنت کی راہ پر لانے میں اپنے شب و روز ایک کیے ہوئے ہے۔ بلاشبہ پوری دنیا میں لاکھوں لوگ اس چشمۂ فیض سے سیراب ہو رہے ہیں اور بعض سرشار ہو رہے ہیں کہ

؎ لطافتِ غمِ جاں سما گئی دل میں
نزاکتِ دلِ عاشق کو پالیا میں نے

حضرت اقدس محبوب العلما و الصلحا حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم کی ذاتِ گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کے دعوتِ رشد و ہدایت کے سفر کی ابتدا خانقاہِ عالیہ نقشبندیہ چکوال سے ہوتی ہے، جہاں انہیں مرشدِ عالم حضرت مولانا پیر غلام حبیب رحمۃ اللہ علیہ نے اجازت وخلافت کی نعمت سے شرف یاب فرمایا۔ عاجز کو حضرت اقدس مدظلہ سے بیعت ہونے کا شرف اس وقت حاصل ہوا

جب حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ ابھی حیات تھے۔ حضرت کا بیان اس وقت بھی اتنا پر تاثیر ہوتا تھا کہ خانقاہِ عالیہ نقشبندیہ چکوال کے سالانہ اجتماع میں مختلف شہروں سے آنے والے احباب کو حضرت کے بیان کا خاص طور پر انتظار رہتا تھا۔ بعد ازاں حضرت دامت برکاتہم نے جھنگ میں دعوت وارشاد کا سلسلہ شروع کیا جو بہت جلد دوسرے شہروں میں پھیل گیا۔ چنانچہ فیصل آباد، لاہور، کراچی اسلام آباد گوجرانوالہ، بنوں وغیرہ میں مستقل بیانات ہونے لگے اور یہ سلسلہ روز بروز پھیلتا چلا گیا

راستے کھلتے گئے عزمِ سفر کے سامنے
منزلیں ہی منزلیں ہیں اب نظر کے سامنے

بیرون ملک سے دعوتیں ملنا شروع ہوئیں۔ امریکہ کی بہت سی ریاستوں میں مستقل بیانات ہونے لگے۔ پھر روس کی آزاد ریاستوں کے دورے ہوئے۔ تعدد یورپی ممالک میں جانا ہوا، آسٹریلیا اور پھر افریقی ممالک کی باری آئی، جہاں اب بھی رمضان المبارک میں اعتکاف اور تربیتی اجتماعات کا سلسلہ چل رہا ہے۔ برصغیر میں بنگلہ دیش، نیپال اور انڈیا میں جانا ہوا۔ انڈیا کے اسفار میں کثیر تعداد میں لوگ فیض یاب ہوئے، اور علما کی بڑی تعداد نے آپ سے روحانی استفادہ کے لیے رجوع کیا۔ مشرق بعید کے ممالک ملائشیا اور سنگاپور وغیرہ بھی جانا ہوا۔ مشرق وسطی میں عرب امارات، شام، اردن اور مصر جیسے ممالک اور پھر ترکی اور لیبیا میں بھی جانا ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ حجازِ مقدس کی طرف حج وعمرے کے اسفار تواتر سے ہوتے رہے۔ ارضِ حرمین شریفین جہاں پر پورے عالمِ اسلام سے عشاق کھنچے چلے آتے ہیں، وہاں پر زائرین میں آپ کے بیانات کا ایک مستقل سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ یوں اس مرکزِ فیض سے آپ کا فیض اطراف واکناف میں پھیل رہا ہے۔ سالانہ تربیتی نقشبندی اجتماع

معہد الفقیر الاسلامی جھنگ میں ہوتا ہے۔ جہاں پر اندرون ملک اور بیرون ملک سے حضرت کے متوسلین کی کثیر تعداد جوق در جوق شریک ہوتی ہے۔ اس موقع پر حضرت کے خصوصی تربیتی بیانات ہوتے ہیں۔ جس کے حاضرین پر عجیب اثرات اور قابلِ دید کیفیات ہوتی ہیں۔ بقولِ شاعر

؎ خود بخود کھلتے چلے جاتے ہیں رازِ حسن و عشق
اہلِ دل ، اہلِ جنوں ، اہلِ نظر کے سامنے

اللہ تعالیٰ نے حضرتِ اقدس مدظلہ کو بیان کا ایک عجیب ملکہ عطا فرمایا ہے۔ حکمت کا گویا ایک دریا ہے جو بہہ رہا ہوتا ہے، جس سے ہر شعبہ ہائے زندگی کے لوگ بہرمند ہوتے ہیں۔ جہاں بھی جاتے ہیں محبتِ الٰہی، توبہ، انابت الی اللہ اور اصلاحی و تربیتی موضوعات پر بات ہوتی ہے۔ بقول

ع جہاں جاتے ہیں ہم تیرا فسانہ چھیڑ دیتے ہیں

عجیب بات تو یہ ہے کہ ابتدا میں حضرت بیانات کی ریکارڈنگ سے سختی سے منع فرما دیتے تھے کہ تشہیر کو ناپسند فرماتے تھے۔ لیکن کس کس کو کب تک روکتے؟ اہلِ شوق اتنے تھے کہ آخر ریکارڈنگ ہونا شروع ہوگئی اور لاتعداد کیسٹیں بننے لگیں۔ آڈیو سی ڈیز کا دور آیا تو سی ڈیز والیم بھی بننے لگے۔ تاہم جو مقبولیت خطباتِ فقیر کو ملی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ عوام الناس سے زیادہ یہ خطبات علمائے کرام میں مقبول ہو رہے ہیں کیونکہ انہیں ان میں سے علم و حکمت پر مبنی پر تاثیر مواد میسر آ جاتا ہے۔ اس طرح وہ بالواسطہ طور پر حضرت کے فیض کو آگے پہنچانے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جس قدر کام میرے حضرت سے لے رہے ہیں اور جس قدر عوام و خواص کا رجوع ان کی طرف ہو رہا ہے، اس کو دیکھ کر جہاں خوشی ہے وہاں یہ فکر بھی

لاحق ہو رہی ہے کہ کہیں یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کا ناقوس تو نہیں بج رہا۔ ہائے افسوس کہ ہم کس قدر وقت ضائع کرنے والے ہیں......!!!......اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت کی زندگی میں ان کی قدر کرنے کی اور ان سے خوب خوب استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرما دیں۔ آمین ثم آمین

مجھے بے فکر کر دے گردشِ ایام سے پہلے
پلا نظروں سے بھی کچھ، بادۂ گلفام سے پہلے

دعاؤں کا طالب

ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی غفرلہٗ

یکے از خدام

محبوب العلماء والصلحا حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اذۡکُرُوا اللّٰهَ ذِکۡرًا کَثِیۡرًا ﴾

(الاحزاب:۴۱)

ذکرِ الٰہی سے قربِ الٰہی

بیان: محبوب العلماوالصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 8 جولائی 2011ء بروز جمعہ ۷ شعبان، ۱۴۳۲ھ

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

موقع: بیان جمعۃ المبارک

اقتباس

کوئی مسافر اپنی منزل پر جانا چاہے تو اس کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں۔ ایک تو اس کو منزل کے راستے کا پتہ ہو، اور دوسری منزل تک جانے کے وسائل بھی ہوں۔ اگر گاڑی پہ سفر کر رہا ہے تو گاڑی ٹھیک ہو، جس کو منزل کا پتہ نہ ہو اس کی ٹھیک گاڑی بھی وہیں کھڑی رہتی ہے اور جس کی گاڑی ٹھیک نہ ہو اس کو منزل کا پتہ ہو پھر بھی راستے میں کھڑا رہتا ہے۔ راستے کا پتہ ہونا، اس کا نام علم ہے۔ اور گاڑی کا ٹھیک ہونا اس کا نام ذکر ہے۔ چنانچہ جو شخص علم بھی رکھتا ہو اور وہ اللہ کا ذکر بھی کثرت سے کرتا ہو تو بہت آسانی کے ساتھ اللہ کی رضا والی زندگی گزار سکتا ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

ذکرِ الٰہی سے قربِ الٰہی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا ﴾
سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

رضائے الٰہی کے لیے دو چیزوں کی ضرورت:

کوئی مسافر اپنی منزل پر جانا چاہے تو اس کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں۔ ایک تو اس کو منزل کے راستے کا پتہ ہو، اور دوسری منزل تک جانے کے وسائل بھی ہوں۔ اگر گاڑی پہ سفر کر رہا ہے تو گاڑی ٹھیک ہو، جس کو منزل کا پتہ نہ ہو اس کی ٹھیک گاڑی بھی وہیں کھڑی رہتی ہے اور جس کی گاڑی ٹھیک نہ ہو اس کو منزل کا پتہ ہو پھر بھی راستے میں کھڑا رہتا ہے۔ راستے کا پتہ ہونا، اس کا نام علم ہے۔ اور گاڑی کا ٹھیک ہونا اس کا نام ذکر ہے۔ چنانچہ جو شخص علم بھی رکھتا ہو اور وہ اللہ کا ذکر بھی کثرت سے کرتا ہو تو بہت آسانی کے ساتھ اللہ کی رضا والی زندگی گزار سکتا ہے۔

ہم نے ایک مرتبہ ایک بڑے ٹینکر کو دیکھا جو سڑک پہ کھڑا تھا، اس کے اندر پٹرول تھا مگر اس نے ٹریفک بلاک کی ہوئی تھی، تو پوچھا کہ بھئی! یہ کیوں کھڑا ہے؟ کہنے لگے کہ اس کی اپنی ٹینکی میں پٹرول ختم ہو گیا ہے۔ تو اس دن بات سمجھ آئی کہ بے

عمل عالم کی کیا مثال ہوتی ہے؟ کہ جس طرح اس ٹینکر کی پشت پہ ہزاروں لٹر کے حساب سے پٹرول موجود ہے، لیکن اپنی ٹینکی خالی ہونے کی وجہ سے وہ چل نہیں سکتا۔ اسی طرح ایک بے عمل عالم کے پاس علم کا ذخیرہ تو ہے کہ وہ لاکھوں کو منزل پہ پہنچا سکتا ہے مگر عمل نہ ہونے کی وجہ سے خود بھی راستے میں کھڑا ہوتا ہے، دوسروں کے لیے بھی ٹریفک بلاک ہونے کی وجہ بنتا ہے۔ جن جگہوں پہ علم حاصل کرتے ہیں ان کو مدرسہ کہتے ہیں، جہاں ذکر سیکھتے ہیں، ان کو آج کے دور میں خانقاہ کہتے ہیں۔

خوشا مسجد و مدرسہ خانقاہے
کہ در رہ بود قیل و قالِ محمد

ولی بننے کا مختصر راستہ:

شیخ ابنِ عباد فرماتے تھے:

اَلذِّکْرُ اَشْرَفُ الْعِبَادَاتِ وَ اَقْرَبُ الطُّرُقِ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی

''سب سے اچھی عبادت اور اللہ تعالیٰ تک جانے کے جو راستے ہیں ان میں سب سے چھوٹا راستہ ذکر کے ذریعے اللہ تک پہنچنا ہے''

وَ ھُوَ عَلَمٌ عَلٰی وُجُوْدِ الْوِلَایَۃِ

''اور یہ ولایت ایک نشان ہے''

جو بندہ بھی ولی بننا چاہے اس کو ذکر کا راستہ اپنانا پڑتا ہے۔

امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلذِّکْرُ عُنْوَانُ الْوِلَایَۃِ وَ عَلَامَۃُ صِحَۃِ الْبِدَایَۃِ وَ دَلَالَۃُ صَفَاءِ النِّھَایَۃِ

ذکر ولایت کا عنوان ہے اور بندے کے سفر کی ابتداء ٹھیک ہونے کی یہ علامت

ہے اور اس کے انجام کے اچھا ہونے کی یہ دلیل ہے۔

ذکر کے ذریعے شیطان سے حفاظت:

چنانچہ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر ذکر کی کثرت کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے فوائد بتائے گئے۔ مثال کے طور پر ایک آدمی کو اگر شیطان وسوسہ ڈالے اور وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان کرے، توجہ کرے تو شیطان کا وہ وسوسہ ختم ہو جاتا ہے اور بندہ گناہوں سے بچ جاتا ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُّبْصِرُونَ﴾

ہم نے دیکھا ہے کہ جب دشمن پہ کوئی قابو پاتا ہے تو اس کو کہتا ہے: ہینڈز اپ! اس کی وجہ کیا ہے؟ کہ ممکن ہے اس کے پاس بھی کوئی ہتھیار ہو تو ہاتھ اوپر کرنے سے پھر وہ ہتھیار استعمال کرنے کے قابل نہیں رہے گا۔ شیطان بھی اسی طرح کرتا ہے۔

﴿اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَأَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ﴾

جب یہ کسی بندے پہ غالب آتا ہے، پہلا کام یہ کرتا ہے کہ اللہ کی یاد اس کو بھلا دیتا ہے۔ نہ اس کے دل میں اللہ کی یاد ہوگی نہ یہ نیکی کرے گا، چنانچہ انسان گناہوں میں ملوث ہو جاتا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں نماز سے پہلے ذکر کا ذکر کیا گیا۔ فرمایا:

﴿وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ﴾

''یہ شیطان روکتا ہے اللہ کے ذکر سے اور نماز سے''

اس لیے کہ جب ذکر سے روکے گا، نماز میں خود بخود سستی ہوگی۔

اس لیے فرمایا:

﴿يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَآ أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ

مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ (منافقون:۹)

''اے ایمان والو! تمہارا مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کردے جو ایسا کرے گا وہ خسارہ پانے والا ہے''

سلف صالحین نے خانقاہوں میں رہ کر ذکر سیکھا

پہلے وقتوں میں لوگ مشائخ کے پاس جا کر کچھ وقت گزارتے تھے اور ذکر سیکھتے تھے۔

حضرت بہاؤالدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ:

چنانچہ ہم نے بخارا میں حضرت خواجہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ کو دیکھا، اس کو قصرِ عارفاں کہتے ہیں۔ ایک بڑی بلڈنگ ہے اور اس میں چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے ہیں۔ آپ سمجھیں کہ بس مصلے کی جگہ ہے۔ ہر سالک کو وہ مصلے کی جگہ دے دی جاتی تھی۔ گرمی کا مسئلہ نہیں تھا، کیونکہ موسم وہاں کا ہمیشہ ٹھنڈا ہوتا ہے۔ تو اس مصلے کی جگہ پر ہی وہ بیٹھتے تھے، رہتے تھے، وہیں لیٹ کے سو جاتے تھے اور ان کو کچھ عرصہ وہاں ٹھہرا کر ذکر کرنے کی مشق کروائی جاتی تھی۔

حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ:

حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ پر ڈیڑھ سے دو سو بندے روزانہ موجود ہوتے تھے، جو صرف ذکر سیکھنے کے لیے آتے تھے۔ وہاں پر مجاہدے کا وقت گزارنا پڑتا تھا، اس لیے کہ مطبخ میں کھانے پینے کا انتظام ہی نہیں ہوتا تھا۔ ایک وقت وہ تھا جبکہ بچھانے کے لیے دستر خوان بھی نہیں ہوتا تھا۔ تو حضرت بس سالکین کو دو لائنوں میں آمنے سامنے بٹھا دیتے تھے اور ان کے اوپر روٹی رکھ دی جاتی تھی اور کھانے کے

لیے ساتھ گڑ کی ڈلی دے دی جاتی۔ گڑ کی ڈلی سالن اور وہ روٹی، بس اسی کے اوپر گزارا ہوتا۔ کبھی اگر سالن بنتا تھا تو سالکین خوش ہو کر ایک دوسرے کو بتاتے تھے کہ آج تو مطبخ کے اندر سالن بنا ہوا ہے، یعنی سالن کا بننا ان کو عید کی خوشی دیتا تھا۔ رات کو جب سونے کا وقت آتا تھا تو بستر نہیں تھے، مسجد کے اندر چٹائیاں تھیں، ان چٹائیوں پر بغیر تکیے اور چادر کے لیٹ جاتے تھے، یہی ان کا بستر ہوتا تھا۔ اور یہ بھی عجیب تھا، جب سب لیٹے ہوتے تھے تو کسی کے اوپر حال طاری ہو جاتا تو وہ اونچی آواز سے اللہ...... اللہ...... اللہ، کہنا شروع کر دیتا تھا، سب کی آنکھ کھل جاتی۔ پھر دوبارہ سوتے تھے تو کسی اور پہ حال پڑ جاتا تھا۔ اور رات یونہی گزر جاتی، تو ان مجاہدوں کی بھٹی سے گزر کر وہ لوگ ولایت کا نور حاصل کرتے تھے۔

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ:

اللہ کرے آپ کبھی تھانہ بھون تشریف لے جائیں! تو اس وقت بھی وہاں جو خانقاہ ہے اس میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک چھوٹا سا کمرہ بنا ہوا ہے جہاں وہ الگ بیٹھ کر اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں وہاں پر علماء خلفاء کا آنا جانا بہت کثرت کے ساتھ تھا۔

چنانچہ دونوجوان طلبا تھے، ایک کا نام محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور ایک کا نام محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ اس وقت کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ نوجوان بڑے ہو کر کتنے بڑے درجے کے علماء صلحاء بنیں گے۔ جب انہوں نے دورۂ حدیث مکمل کر لیا تو وہ وہاں گئے اور ان دونوں کو ایک کمرے کے اندر ٹھہرا دیا گیا۔ جب رات کا وقت ہوا تو خانقاہ میں تو خاموشی تھی اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ گھر تشریف لے جاتے تھے، پیچھے سالکین ہی ہوتے تھے۔ اب یہ دونوں نوجوان آپس میں بیٹھے ہیں، کسی موضوع پہ بات شروع ہو گئی تو پھر چلتی

رہی۔ خانقاہ کا خادم آیا اور اس نے کہا کہ آپ لوگ نو وارد ہیں، آپ کو یہاں کی ترتیب کا پتہ نہیں ہے، یہاں عشا کی نماز کے بعد بات کرنا منع ہے، لہٰذا آپ باتیں مت کریں اور سو جائیں۔ اگلے دن پھر اسی طرح باتیں شروع ہو گئیں۔ پھر دوسرے دن خانقاہ کے خادم نے آ کر کہا کہ جی میں نے کل آپ لوگوں کو بتایا تھا اور آپ لوگوں نے اسکو سیریس نہیں لیا تو آج وارننگ دے رہا ہوں کہ اگر آپ کی آواز مجھے عشاء کے بعد آئی تو حضرت کا حکم ہے کہ بستر آپ کے سروں پر رکھ کر آپ کو یہاں سے روانہ کر دیا جائے۔ پھر ان دونوں بچوں کو اہمیت کا احساس ہوا کہ یہاں کا ماحول اور ہے۔ پھر انہوں نے خاموش رہنا شروع کر دیا اور یہ وہ بچے تھے کہ ان میں سے ایک بڑے ہو کر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ بنے اور دوسرے بڑے ہوئے تو حضرت مولانا محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان بنے۔

حضرت غلام حبیب رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ:

بڑے بڑے علما یوں خانقاہوں میں وقت گزارتے تھے جس سے ان کے اوپر رنگ چڑھتا تھا۔ کیونکہ بزرگوں کی نظر میں جو رہتے تھے۔ ہمارے حضرت غلام حبیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اللہ کرے کہ تم کسی کی نظر میں رہو، کوئی تمہیں دیکھے، تم کسی کو دیکھو۔ کوئی تمہیں دیکھے سے مراد کہ اللہ والوں کی نظر تم پر پڑے اس لیے کہ ان کی نظر میں شفا ہوتی ہے اور ان کی بات بے ریا ہوتی ہے۔ اور تم کسی کو دیکھو کا مطلب یہ کہ جب تم کسی کے چہرے کو دیکھو گے تو تمہیں اللہ یاد آئے گا۔ اللہ والوں کے چہروں پہ جو نورانیت ہوتی ہے، جو شگفتگی ہوتی ہے وہ انسان کو اللہ کی یاد دلا دیتی ہے۔

؎ آنکھوں میں بس گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
دو چار دن رہے تھے کسی کی نگاہ میں

اس لیے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجمع میں سائیڈوں پہ مت بیٹھو، سامنے بیٹھو۔ اکثر جو بڑے علماء ہوتے تھے ان کو تلقین کر کے سامنے بٹھاتے تھے۔ فرماتے تھے سامنے بیٹھو گے تو تم کسی کو دیکھو گے اور کوئی تمہیں دیکھے گا، معلوم نہیں کس وقت قبولیت کی گھڑی ہو اس کی نظر تمہارے دل کے اندر اثر کر جائے۔ اگر آپ دارالعلوم دیو بند جائیں تو اس وقت بھی وہاں پر دو کمرے ہیں۔ چھتہ والی مسجد میں، ایک کمرہ ہے۔ ایک کمرہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور دوسرا کمرہ ہے سید محمد عابد رحمۃ اللہ علیہ کا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان حضرات نے اپنے معمولات کے لیے مستقل جگہ بنائی ہوتی تھی۔

ذکر کی محنت کوئی نفلی کام نہیں ہے:

آج کے دور کا فتنہ یہ ہے کہ ہم اس کو ضروری ہی نہیں سمجھتے کہ ہمیں ذکر کرنا ہے، ہم اس کو نفلی کام سمجھتے ہیں۔ اور نفلی کام سمجھنے کی وجہ سے زندگی میں اوراد و اذکار کا معمول ہی نہیں ہوتا۔ اور ایک بڑا شیطان کا حربہ ہے کہ وہ دل میں ڈال دیتا ہے کہ جی ہم سارا دن پڑھتے پڑھاتے ہیں، تو ثواب تو ہمیں رات تہجد کا بھی مل جاتا ہے اور ذکر کا بھی مل جاتا ہے۔ بھئی فقط ثواب سے تو کام نہیں چلتا اگر بندے کی اصلاح نہ ہوئی اور اللہ کا قرب حاصل نہ ہوا۔ فرمایا گیا:

﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾

''جب آپ اپنے منصب سے فارغ ہوں تو اپنے رب کی طرف رغبت کریں''

اللہ کی طرف رجوع کریں۔ تو جب ہم پڑھتے پڑھاتے ہیں تو اس کے بعد کا جو وقت ہے کیا اس میں ہم رغبت دکھاتے ہیں اللہ کو؟

اکابر کے معمولات اوراد واذکار پر مبنی تھے:

ہمارے اکابرین نے جو دین کا کام کیا تو اس کی بنیادوں میں یہی ذکر کی محنت تھی ۔حضرت مولانا یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک کمرہ تھا جہاں وہ فجر کے بعد ذکر کیا کرتے تھے ۔حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اتنی شدومد کے ساتھ وہ لا الہ الا اللہ کی ضربیں لگاتے تھے کہ کمرے کے باہر جو بندہ کھڑے ہو کر سنتا تھا اس کو بھی مزہ آتا تھا ۔تو زندگی کے کسی نہ کسی حصے میں انسان کو ذکر کثرت سے کرنا سیکھنا پڑتا ہے ۔

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے بارے میں پڑھیے ''یادِ ایام'' کتاب میں، حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے بہت کھول کھول کر لکھا ہے کہ جس زمانے میں ان پر تبلیغ کا کام کھل رہا تھا، تو بستی نظام الدین کے بالکل قریب ایک جگہ تھی جہاں حضرت مولانا نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے سلسلے کے ایک بزرگ ہیں، وہ مدفون ہیں ۔ان کا ایک احاطہ تھا جس میں کچھ حضرات مدفون تھے ۔سید ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی وہیں مدفون ہیں ۔تو مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ اس احاطے میں جا کر صبح سے لے کر شام تک ذکر کیا کرتے تھے ۔حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب نماز کا وقت ہو جاتا تو پھر بستی نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ سے دو بچے، دو لوٹے پانی بھر کر لے جاتے تھے، حضرت ایک لوٹے سے طہارت کر لیتے تھے اور دوسرے سے وضو فرما لیتے تھے اور پھر امامت کرواتے تھے ۔اور وہ بچے پیچھے مقتدی بنتے تا کہ جماعت کی فضیلت مل جائے اور نماز پڑھنے کے بعد بچے واپس آجاتے تھے ۔حضرت پھر مراقبہ میں بیٹھ جاتے تھے ۔صبح سے شام تک مراقبہ کا معمول تھا، یہ وہ دور تھا جب ان پر تبلیغ کا کام کھل رہا تھا ۔ہماری زندگی اگر ذکر سے خالی ہوگی تو ہمارے دل کیسے منور ہوں گے؟

ذکر کی فضیلت احادیث کی روشنی میں

چنانچہ احادیث مبارکہ میں ذکر کی بہت فضیلتیں بیان کی گئیں۔

ذکر عذاب سے نجات کا ذریعہ ہے:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے:

((مَا عَمِلَ آدَمِیٌّ عَمَلًا اَنْجٰی لَهٗ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِکْرِ اللّٰهِ))

''ذکر اللہ سے زیادہ بندے کا کوئی عمل اس کو اللہ کے عذاب سے نجات دینے والا نہیں''

سب سے زیادہ فضیلت والا عمل:

حاکم نے اور شیخین نے اس روایت کو بیان کیا، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کو بتا رہے ہیں:

اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِخَیْرِ اَعْمَالِکُمْ وَ اَزْکَاهَا عِنْدَ مَلِیْکِکُمْ وَ اَرْفَعُهَا فِیْ دَرَجَاتِکُمْ وَخَیْرٌ لَّکُمْ مِنْ اِنْفَاقِ الذَّهَبِ وَالْوَرَقِ وَ خَیْرٌ لَّکُمْ مِنْ اَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّکُمْ فَتَضْرِبُوْا اَعْنَاقَهُمْ وَیَضْرِبُوْا اَعْنَاقَکُمْ ذِکْرُ اللّٰهِ

''تمہیں ایک عمل بتاؤں جو تمہارے مالک الملک کے ہاں بہت اعلیٰ، درجوں کو بلند کرنے والا، سونے اور چاندی کو خرچ کرنے سے بھی زیادہ اچھا، اس سے بھی بہتر کہ تم دشمن کو قتل کرو یا وہ تمہیں شہید کرے''

تو صحابہ نے پوچھا: عمل کون سا ہے؟

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

ذِکْرُ اللّٰہِ وہ اللہ کا ذکر ہے۔

مجالسِ ذکر کی فضیلت:

یہ جو ہم ذکر کی مجالس میں بیٹھتے ہیں اللہ کو یاد کرتے ہیں ان کی بھی اللہ کے ہاں بڑی اہمیت ہے۔ سنیے!

◉ ابن حسان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

لَا یَقْعُدُ قَوْمٌ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا حَقَّتْھُمُ الْمَلَائِکَۃُ

جب بھی کچھ لوگ ذکر کرنے بیٹھتے ہیں تو ملائکہ ان کے اوپر آجاتے ہیں

وَ غَشِیَھُمُ الرَّحْمَۃُ

رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے۔

وَنَزَلَتْ عَلَیْھِمُ السَّکِیْنَۃُ

ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے۔

اللہ کی طرف سے اطمینان نازل ہوتا ہے۔

وَ ذَکَرَ ھُمُ اللّٰہُ فِیْمَنْ عِنْدَہٗ

اور اللہ ان کا ذکر فرشتوں کی مجلس میں فرماتے ہیں۔

تو یہ عمل اللہ رب العزت کو اتنا پسند کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کی مجلس میں ان لوگوں کا ذکر کرتے ہیں۔

◉ اور فرمایا:

اذا مَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّۃِ فَارْتَعُوْا

کہ تم جنت کے باغوں میں سے گزرو تو چر لیا کرو۔

وَ مَا رِیَاضُ الْجَنَّۃِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم؟

پوچھا: اے اللہ کے حبیب ﷺ! جنت کے باغ کیا ہیں؟

قَالَ حِلَقُ الذِّکْرِ

فرمایا: ذکر کے حلقے۔

تو ذکر کے حلقوں کو جنت کا باغ فرمایا گیا۔

ذاکرین کے لیے خصوصی رعایت:

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((مَنْ شَغَلَهٗ ذِكْرِیْ عَنْ مَسْأَلَتِیْ اَعْطَيْتُهٗ فَوْقَ سُؤَالِ السَّائِلِيْنَ))

کہ جو بندہ اللہ کے ذکر کے اندر مشغول ہوتا ہے، تو میں مانگنے والے اللہ سے جو مانگتے ہیں ان سے بھی زیادہ میں اس کو دیتا ہوں جو ذکر میں مشغول ہوتا ہے اور اس کو دعا مانگنے کی فرصت نہیں ہوتی۔

تو بن مانگے اللہ اسے عطا فرمادیتے ہیں۔ اور جب بن مانگے دیتے ہیں تو پھر امیدوں سے بڑھ کر عطا فرماتے ہیں۔

اس لیے فرمایا:

((لَا يَمُوْتَنَّ اَحَدُكُمْ اِلَّا وَلِسَانُهٗ رَطْبٌ بِذِكْرِ اللّٰهِ))

تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہونی چاہیے۔

جنت میں جنتیوں کو حسرت:

ایک حدیث مبارکہ میں ہے

((مَا مِنْ سَاعَةٍ تَأْتِیْ عَلٰی اِبْنِ آدَمَ لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ فِيْهَا اِلَّا كَانَتْ عَلَيْهِ حَسْرَةً وَاِنْ دَخَلَ الْجَنَّةَ))

کہ بندہ اگر آخرت میں جنت میں داخل بھی ہو گیا تو بھی دینا میں جو وقت اس نے ذکر کے بغیر گزارا اس کے اوپر اس کو وہاں حسرت ہوگی۔
جنت میں بھی اس کو حسرت ہوگی کہ میں نے یہ وقت ذکر کے بغیر کیوں گزارا؟

مصائب کی وجہ......ذکر سے غفلت:

ہمارے اوپر جو مصیبتیں، پریشانیاں آتی ہیں، وہ غفلت کا نتیجہ ہے، فرمایا:

﴿مَا اَصَابَکُمْ مِنْ مُصِیْبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ﴾

''جو بھی تمہیں مصیبت پہنچی ہے تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے''

چنانچہ ابونعیم نے حلیہ میں اس کو روایت کیا:

((مَا صِیْدَ صَایِدٌ وَلَا قُطِعَتْ شَجَرَةٌ اِلَّا لِیَقْنَعَ مِنَ التَّسْبِیْحِ))

''پرندہ جب شکار ہوتا ہے اور درخت کی ٹہنی جب کاٹ دی جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی تسبیح سے غفلت کر جاتا ہے۔''

تو جو پرندہ غفلت کرتا ہے وہ شکار ہو جاتا ہے، جو درخت غفلت کرتا ہے اسے کاٹ دیا جاتا ہے اور جس بندے کو اللہ کا ذکر کرنے کی فرصت نہ ہو اس پر مصیبتیں آجاتی ہیں۔ پرندہ پنجرے میں آ گیا اور بندہ مصیبتوں کے پنجرے میں ڈھکا جاتا ہے۔ پھر پوچھتے ہیں کہ جی اب کیا کریں، نکلنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔

محمد بن علی بن زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اِنَّ الصَّوَاعِقَ تَنْزِلُ عَلَی الْمُؤْمِنِ وَ غَیْرِ الْمُومِنِ وَلَا تُصِیْبُ الذَّاکِرَ لِلّٰہِ تَعَالٰی

بے شک یہ پریشانیاں، مصیبتیں مؤمن پہ بھی آتی ہیں اور کمزور مؤمن پہ بھی آتی ہیں لیکن جو اللہ کا ذکر کرنے والا ہوتا ہے اس کو نہیں آتیں۔

وَ کُلُّ مُصِیبَۃٍ سَبَبُھَا الْغَفْلَۃُ عَنِ اللّٰہِ تَعَالٰی

''اور ہر مصیبت کا سبب اللہ سے غفلت ہوتی ہے''

اِلَّا مَا وَقَعَ لِلْاَکَابِرِ رضی اللہ عنہم فَاِنَّھُمْ وَجَعَلَ اللّٰہُ مَصَائِبَھُمْ تَعْظِیْمًا لِاُجُوْرِھِمْ لِاَنَّ ثَوَابَ الْمُصِیبَۃِ اَعْظَمُ مِنْ ثَوَابِ الْعِبَادَاتِ

''ہاں ہمارے اکابر کے اوپر بھی مصیبتیں آئیں، مگر ان مصیبتوں کی وجہ غفلت نہیں تھی کیونکہ اللہ نے ان کے درجے بڑھانے کے لیے اور ان کو زیادہ اجر دینے کے لیے ان پر مصیبتیں بھیجیں، اس لیے کہ مصیبت کا ثواب عبادت کے ثواب سے زیادہ بڑا ہوتا ہے۔''

عبادت کے ثواب سے زیادہ بڑا ثواب اس پر ملتا ہے کہ انسان مصیبت پر صبر کرے تو ہمارے اکابر پر جو مصیبتیں آئیں وہ درجات کو بڑھانے کے لیے آئیں۔ ہم چونکہ عوام الناس میں سے ہیں، غفلت کا شکار ہیں، گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں اس لیے ہمیں مصیبتیں آتی ہیں غفلت کی وجہ سے۔

ذکر موت کے وقت پیاس سے بچاتا ہے:

جو بندہ ذکر کثرت کا ساتھ کرتا ہوگا۔ داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کُلُّ نَفْسٍ تَخْرُجُ مِنَ الدُّنْیَا عَطْشَانَۃً اِلَّا نَفْسُ الذَّاکِرِیْنَ

''موت کے وقت ہر بندے کو پیاس محسوس ہوتی ہے، شدت کی پیاس، سوائے ان لوگوں کے جو اللہ کا ذکر کرنے والے ہوتے ہیں۔''

ذاکرین پل صراط پر تیزی سے گزریں گے:

وھب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف اپنی وحی

نازل فرمائی:

اِنَّ اَسْرَعَ النَّاسِ مُرُوْرًا عَلَى الصِّرَاطِ الَّذِيْنَ يَرْضَوْنَ بِحُكْمِيْ وَاَلْسِنَتُهُمْ رَطْبَةٌ بِذِكْرِيْ

''پل صراط کے اوپر تیزی سے گزرنے والے کچھ لوگ ہوں گے (جو ہوا کی تیزی سے گزر جائیں گے) یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے والے ہوں گے اور اللہ کے حکموں پر راضی ہو کر عمل کرنے والے ہوں گے۔''

پہاڑوں کے برابر گناہ معاف:

جب بندہ ذکر کرنے بیٹھتا ہے، اپنا محاسبہ کرتا ہے اور پھر اسکو ندامت ہوتی ہے اللہ اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔ ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اِنَّ اَهْلَ الذِّكْرِ يُحَاسَبُوْنَ وَ عَلَيْهِم مِنَ الذُّنُوْبِ اَمْثَالُ الْجِبَالِ فَيَقُوْمُوْنَ وَ لَيْسَ عَلَيْهِمْ ذَنْبٌ وَاحِدٌ

بے شک ذکر کرنے والے ایسے ہوتے ہیں کہ پہاڑوں کے برابر ان پر گناہ ہوتے ہیں، جب وہ بیٹھتے ہیں اپنا محاسبہ کرتے ہیں اس حال میں وہ اٹھتے ہیں کہ ان پر ایک بھی گناہ نہیں ہوتا۔

اللہ پہاڑوں برابر گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک غلام یا باندی لینے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔

فَعَلَّمَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّسْبِيْحَ وَالتَّحْمِيْدَ وَالتَّكْبِيْرَ

تو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آگے سے ذکر سنایا۔ تسبیحاتِ فاطمہ بتائیں (تسبیح، تحمید، تکبیر) اور فرمایا:

هِيَ خَيْرٌ لَّكَ مِنْ خَادِمٍ

یہ تسبیح تمہارے لیے خادم کو حاصل کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔

ستاروں کی طرح چمکتے ہوئے گھر:

جن گھروں میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے، ان گھروں پر نور کی بارش ہوتی ہے۔ آج اکثر لوگوں کو یہ شکایت ہوتی ہے کہ جی گھر میں پریشانیاں بہت ہیں، لوگ بیمار ہیں، بچے جھگڑتے ہیں، میاں بیوی میں بنتی نہیں، پورے گھر کے لوگ پریشان ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ گھر کے اندر ظلمت ہوتی ہے۔ جس گھر میں ٹی وی ہو، جس گھر میں انٹرنیٹ کا غلط استعمال ہو، رسالے تو باقاعدگی سے پڑھے جاتے ہوں اور قرآن پڑھنے والا کوئی نہ ہو۔ رسم ورواج پر باقاعدہ عمل کیا جاتا ہو، سنت کی پابندی کرنے والا کوئی نہ ہو۔ فجر کی نماز میں سوئے پڑے ہوں اٹھنے والا کوئی نہ ہو تو اس گھر کے اندر بے برکتی نہیں ہوگی تو اور کیا ہوگا۔ مگر شیطان ایسا بدبخت ہے کہ وہ کہیں اور توجہ ڈال دیتا ہے۔ او جی لگتا ہے کسی نے کچھ کر دیا ہے۔ میرے پاس ایک نوجوان آئے، کہنے لگے: حضرت! لگتا ہے کسی نے کچھ کر دیا ہے۔ میں نے کہا: ہاں میں متفق ہوں کسی نے کچھ کر دیا ہے۔ وہ بڑا خوش ہو گیا کہ جی نام بتائیں! میں نے کہا: ''آپ نے کچھ کیا ہے''۔ جی میں نے؟ میں نے کہا: ہاں! آپ نماز پڑھتے نہیں، آپ یہ نہیں کرتے وہ نہیں کرتے۔ تو جب ان اعمال کو نہیں کرتے تو اس کی بے برکتی کی وجہ سے گھر کے اوپر مصیبت آتی ہے، تو مصیبت کا باعث تو آپ خود بنے ہوئے ہیں۔ جن گھروں میں اللہ کو یاد کیا جاتا ہے ان کے بارے میں سنیے اور ذرا دل کے کانوں سے سنیے۔

اِنَّ بُيُوْتَ الذَّاكِرِيْنَ لَهَا نُوْرٌ

جن گھروں میں اللہ کا ذکر کرنے والے لوگ ہوتے ہیں، ایک نور رہتا ہے۔

نماز پڑھنے والے، قرآن پڑھنے والے، ذکر کرنے والے، مسنون دعائیں پڑھنے والے، ان کے بارے میں فرمارہے ہیں۔

يَرَاهُ الْمَلَآئِكَةُ بِقَدْرِ مَا فِيْهَا مِنَ الذِّكْرِ كَمَا نَرٰى نَحْنُ النُّجُوْمَ فِي السَّمَآءِ

''جس طرح ہم آسمان پہ ستاروں کو چمکتا دیکھتے ہیں، اسی طرح (آسمان کے) فرشتے اس گھر کو ستارے کی طرح چمکتا ہوا دیکھتے ہیں''

تو جن گھروں میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے وہ زمین کے ستارے ہیں۔ اب ستارے کچھ چھوٹے، کچھ بڑے۔ تو ذکر کے بقدر فرشتوں کو بھی وہ گھر چھوٹا ستارہ یا بڑا ستارہ نظر آتا ہے۔

ذکر میں اصل مقصود دل کا ذکر ہے:

اب اس ذکر سے مقصود کیا ہے؟

ذِكْرُ الْمَطْلُوْبُ ذِكْرُ الْقَلْبِ وَاِنَّمَا اللِّسَانُ طَرِيْقٌ اِلَيْهِ

کہ اصل مقصود دل کا ذکر کرنا ہے اور زبان سے جو ذکر کرتے ہیں یہ اس کے اظہار کا ایک طریقہ ہے۔

آپ یہ ذہن میں رکھیں کہ یاد کا مقام انسان کے جسم میں قلب کہلاتا ہے۔ نہ آنکھیں ہیں نہ کان ہے، نہ زبان ہے۔ جب بھی ماں پردیس میں گئے ہوئے بچے سے بات کرے گی تو یہی کہے گی: بیٹا میرا دل بہت یاد کرتا ہے، کبھی اس نے کہا؟ میری زبان تجھے بہت یاد کرتی ہے۔ زبان کا نام نہیں لیتے، اس لیے کہ اصل یاد دل میں ہوتی ہے، زبان سے اس کا اظہار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ کی یاد بھی انسان کے دل میں ہوتی ہے، زبان سے اس کا اظہار ہوتا ہے۔ انسان زبان سے بھی ذکر کرتا ہے

دل سے بھی ذکر کرتا ہے۔

قلبی ذکر کی مثال انجیکشن کی سی ہے:

ان دونوں کی مثال سمجھ لیجیے کہ جب ہم کوئی گولی کھاتے ہیں نا تو انسان کے جسم میں اس کا اثر آدھے گھنٹے کے بعد ہوتا ہے۔ آپ کو سر درد ہے، آپ نے گولی کھائی تو ڈاکٹر کہے گا کہ جی آدھے گھنٹے میں سر درد ختم ہو جائے گا۔ کیوں؟ کہ جو گولی کھائی وہ معدے میں جائے گی، پھر معدے سے وہ خون کے اندر جائے گی اور خون کے اندر جا کر تب وہ انسان کو فائدہ دے گی اور بیماری کو ختم کرے گی۔ اور ایک ہوتا ہے کسی کو انجکشن لگا دینا اس کا اثر Instantaneous (فوری) ہوتا ہے۔ بس ادھر آپ نے خون میں انجکشن لگایا اور ادھر اس کا فوراً اثر ہو گیا۔ تو یہی فرق ہے، زبان کا ذکر کر کے بھی اس کا اثر دل پر پہنچتا ہے مگر ٹائم لگتا ہے اور جو دل کا ذکر ہے یہ انٹراوین انجکشن کی طرح فوری اثر دکھاتا ہے، جیسے۔ بزرگوں نے فرمایا:

فَاِنَّ الذِّکْرَ بِالْقَلْبِ اَفْضَلُ مِنَ الْعِبَادَاتِ مَعَ الْغَفْلَةِ

''عبادت کو غفلت کے ساتھ کرنے سے بھی بہتر یہ ہے کہ انسان کا دل اللہ تعالیٰ کی یاد میں رہے''

ذکرِ قلبی سے اللہ کا قرب ملتا ہے:

اور بعض بزرگوں نے یہ فرمایا کہ

ذِکْرُ اللِّسَانِ حَسَنَاتٌ وَ ذِکْرُ الْقَلْبِ قُرُبَاتٌ

''زبان سے جو ذکر کرتے ہیں یہ حسنات ہوتے ہیں اور جو دل سے یاد کرتے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے''

شیخ ابوالحسن جمال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ذِکْرُ اللّٰہِ تَعَالٰی بِاللِّسَانِ یُوْرِثُ الدَّرَجَاتِ وَ ذِکْرٌ بِالْقَلْبِ یُوْرِثُ الْقُرُبَاتِ

''ہم جو زبانی ذکر کرتے ہیں، اس سے نیکیاں ملتی ہیں جنت میں درجے بڑھتے ہیں اور جو دل سے یاد کرتے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب ملتا ہے''

اور قرب سب سے بڑا انعام ہے جو کسی بندے کو مل سکتا ہے۔ اسی لیے جادوگروں نے جب فرعون سے پوچھا تھا کہ اگر ہم غالب آ گئے تو ہمیں انعام کیا ملے گا؟ اس نے کہا تھا: ﴿اِنَّکُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ﴾ ''میں تمہیں اپنے مقرب بندوں میں شامل کر لوں گا'' تو یہ قرب سب سے اعلیٰ انعام ہوتا ہے۔ تو ذکر قلبی پر انسان کو قرب ملتا ہے۔

مومن پورے جسم کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتا ہے:

اب رب کریم ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اُذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا﴾

''تم اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرو''

اَلْمُؤْمِنُ یَذْکُرُ اللّٰہَ بِکُلِّہٖ لِاَنَّہٗ یَذْکُرُ اللّٰہَ بِقَلْبِہٖ

''مؤمن اللہ کا ذکر پورے جسم کے ساتھ کرتا ہے کیونکہ وہ اللہ کا ذکر دل میں کرتا ہے''

وہ کیسے؟ کہ جب دل میں اللہ کی یاد ہے تو قدم اٹھنے لگیں گے تو وہ سوچے گا کہ اللہ راضی ہوں گے یا ناراض؟ اگر ناراض ہوں گے تو رک جائے گا، راضی ہوں گے تو چل پڑے گا، تو قدموں نے بھی اللہ کو یاد کیا۔ ہاتھ بڑھتے ہوئے سوچے گا اللہ راضی ہو رہے ہیں یا ناراض، بولتے ہوئے سوچے گا کہ اس بولنے اللہ راضی ہوں گے یا

ناراض، تو گویا جسم کا ہر عضو اللہ کو یاد کرنے والا بن جائے گا۔

ذکرِ کثیر کا مطلب:

تو ذکرِ کثیر کی یہ ہے تفصیل کہ

بِـالَّيْلِ وَ النَّهَارِ ، فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَالسَّفْرِ وَالْحَضْرِ وَ الْغِنٰى وَالْفَقْرِا وَالصِّحَةِ وَالسَّقَمِ ۔والسِّرِ وَالْعِلَانِيَةِ وَعَلٰى كُلِّ حَالٍ ۔

''دن میں اور رات میں خشکی پر اور پانی میں، سفر میں حضر میں، امیری میں اور فقیری میں، صحت میں اور بیماری میں خفیہ اور علانیہ اور کسی حال میں بھی انسان ایک لمحہ کے لیے بھی اللہ سے غافل نہ ہو۔''

جیسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ فِيْ كُلِّ اَحْيَانٍ

کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر لمحے اللہ کا ذکر فرماتے تھے۔

تو مؤمن کا یہ حال ہو کہ ایک لمحہ بھی وہ اللہ تعالیٰ سے غافل نہ ہو۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذکرِ کثیر کا مطلب یہ ہے:

اَنْ لَا تَنْسَاهُ اَبَدًا

''تم اللہ تعالیٰ کو کبھی بھولو ہی نہیں''

ہر وقت اللہ یاد رہے۔ اور حدیث پاک میں ہے:

مَنْ اَحَبَّ شَيْئًا اَكْثَرَ ذِكْرَهُ

''جو جس چیز سے محبت کرتا ہے اکثر اس کا ذکر کرتا ہے''

حدیث پاک میں آیا ہے، جامع الصغیر کی روایت ہے:

مَنْ اَكْثَرَ ذَكَرَ اللّٰهَ اَحَبَّهُ تَعَالٰى

جو اکثر اللہ کا ذکر کرتا ہے اللہ اسے اپنی محبت عطا فرما دیتے ہیں۔
تو معلوم ہوا کہ جو بندہ کثرت سے ذکر کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔

اللہ کے ہاں بندے کا مقام:

ایک حدیث پاک میں ہے:
((مَنْ کَانَ یُحِبُّ اَنْ یَعْلَمَ مَنْزِلَتَہٗ عِنْدَ اللّٰہِ فَلْیَنْظُرْ کَیْفَ مَنْزِلَۃُ اللّٰہِ عِنْدَہٗ))
''جو شخص یہ چاہے کہ اس کو یہ پتہ چلے کہ اس کا اللہ کے ہاں کیا مقام ہے تو وہ یہ دیکھے کہ اس کے دل میں اللہ کا کیا مقام ہے''
اگر اللہ کی محبت سب سے زیادہ ہے اور اللہ کے حکم کی پابندی سب سے زیادہ کرتا ہے، اِس کو ہمیشہ مقدم رکھتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی یہ مقبول انسان ہے۔ اور اگر اللہ یاد ہی نہ ہو، دنیا کی محبتوں نے اس کے دل کو لبریز کیا ہوا ہے، اللہ کو یاد کرنے کا ٹائم ہی نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اس کا کوئی مقام نہیں ہے۔

سب سے بڑا عمل:

قرآن مجید میں فرما دیا:

﴿وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ﴾
''اور اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے''

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا: کون سا عمل سب سے اعلیٰ ہے؟ انہوں نے کہا: قرآن پڑھا ہے؟ جی! فرمایا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ) اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔ کیا معنی ہے؟ مفسرین نے لکھا:

اَلصَّلٰوۃُ لَا تَجُوْزُ فِی بَعْضِ الْاَوْقَاتِ اِلَّاالذِّکْرُ

کہ بعض اوقات ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن میں نماز پڑھنی جائز نہیں ہوتی۔

جیسے سورج ابھرنے لگتا ہے تو پندرہ منٹ، اسی طرح جب سر پہ ہوتا ہے تو پندرہ منٹ، غروب ہونے لگتا ہے تو پندرہ منٹ، یہ جو اوقات ہیں ان میں نماز جائز نہیں۔ عصر کی نماز کے بعد نوافل نہیں پڑھ سکتے، تو کچھ اوقات ایسے ہیں کہ جن میں نماز نہیں پڑھ سکتے۔ مگر ذکر ہر وقت کر سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ انسان بیت الخلا میں بھی ہو تو دل میں اللہ کی یاد، گھر والوں کے ساتھ اکٹھا ہو تو بھی اللہ کی یاد۔ ہر حال میں انسان کے لیے ذکر کرنا ممکن ہے۔ اور فرمایا کہ کچھ اعمال عذر کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ جیسے عورت کے ایام ہو گئے، نہ روزہ رکھ سکتی ہے، نہ نماز پڑھ سکتی ہے۔ اعمال ساقط ہو گئے کیونکہ عذر ہے اس کا۔ جیسے کوئی مریض ہے رمضان میں اور وہ اس حالت کے اندر روزہ نہیں سکتا تو شریعت کہتی ہے کہ تم آج نہ رکھو بعد میں قضا کر لینا۔ تو باقی تمام عبادات کے لیے عذر کو تسلیم کیا گیا، ذکر کے لیے کوئی عذر نہیں۔ فرمایا کہ تم جس حال میں ہو، جہاں بھی ہو ہر حال میں اپنے رب کو یاد کرو۔

مجالسِ ذکر بیمار دلوں کی شفاء:

عون بن عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

مَجَالِسُ الذِّکْرِ صِقَالُ الْقُلُوْبِ وَ شَفَاءٌ لَهَا

یہ ذکر کی مجالس دلوں کے لیے صیقل ہیں، دلوں کو پالش کر دیتی ہیں اور بیمار دلوں کو شفاء دیتی ہیں۔

اسی لیے جب انسان ذکر نہ کرے تو دل مردہ ہو جاتا ہے۔

فتح موصلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

اَلْقَلْبُ اِذَا مُنِعَ الذِّکْرَ مَات

کہ جب ذکر سے دل غافل ہوتا ہے تو دل کی موت واقع ہوجاتی ہے۔

اس لیے ایک بندہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا کہ جی میرا دل بڑا سخت ہوگیا۔

فرمایا:

اُدْنُ مِنْ مَجَالِسِ الذِّکْرِ

''تم مجالس ذکر کے اندر جایا کرو''

وہاں جانے سے تمہارے دل کی سختی، نرمی میں تبدیل ہوجائے گی۔

ذکرِ تہلیل کی خوبی:

ایک ہوتا ہے اللہ کا ذکر کرنا۔ ہمارے سلسلے میں اللہ کا ذکر کرنا یہ ابتداء میں سکھاتے ہیں۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ جب تہلیل کا سبق دیتے ہیں۔ تہلیل سے مطلب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا ذکر ہے۔ لا الہ الا اللہ سے دل صاف ہوتا ہے۔ (اللہ تعالیٰ کو یہ کلمہ سب سے زیادہ پیارا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ اللہ! مجھے ایسی چیز پڑھنے کے لیے بتائیں جو آپ کو سب سے پیاری ہو۔ آپ نے فرمایا کہ ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ'' پڑھا کرو۔ اے اللہ! یہ تو سب پڑھتے ہیں۔ فرمایا: ہاں جتنے بھی انبیا آئے میں نے سب کو یہ دیا، اس لیے کہ مجھے یہ سب سے زیادہ اچھا لگتا ہے۔)

جیسے بندہ جھاڑو سے گھر کی صفائی کر لیتا ہے ایسے ہی لا الہ الا اللہ کی ضربیں لگا کر سالک اپنے دل کی صفائی کرتا ہے۔ آپ سوچیے کہ ایسے بھی لوگ ہیں دنیا میں جنہوں نے لاکھوں نہیں، کروڑوں مرتبہ اپنے دل پر لا الہ الا اللہ کی ضرب لگائی۔ اب جس قلب پر کروڑوں مرتبہ کلمہ کی ضرب لگ چکی ہو، کیا اس کو کلمہ کے بغیر موت آئے گی؟ یہ کیسے ممکن ہے؟ اسی لیے جو سالکین ہیں جو ابتدائی لطائف میں ذکر کر لیتے ہیں ان کو پھر کہا

جاتا ہے کہ وہ تہلیل کا ذکر کریں۔ چنانچہ کوئی پانچ ہزار مرتبہ کرتا ہے، کوئی دس ہزار، کوئی بیس ہزار مرتبہ روزانہ ذکر کرتا ہے۔ اس وقت بھی ایسے سالکین ہیں جو اپنے حالات بتاتے ہیں کہ جی ہم چالیس ہزار مرتبہ ذکر روزانہ کرتے ہیں۔ تو آج کے دور میں بھی اگر کرنے والے ایسا کر رہے ہیں تو ہم سوچیں کہ ہماری زندگیوں میں تو پانچ سو مرتبہ بھی نہیں ہوتا ہوگا۔ کلمہ کی ضرب لگا لیجیے اس سے پہلے کہ وہ وقت آئے کہ آخری مرتبہ بندے کو کلمہ پڑھنے کا موقع بھی نہ ملے۔

ذکر کو کس مقام تک پہنچائے:

انسان جب ذکر شروع کرتا ہے، پہلے فقط زبان پہ ذکر ہوتا ہے، دل غافل ہوتا ہے۔ پھر دل میں بیداری آتی ہے۔ پھر ذکر کر رہا ہوتا ہے، دل بیدار بھی ہوتا ہے مگر ساتھ ساتھ اِدھر اُدھر کے خیالات بھی ہوتے ہیں۔ کرتے کرتے ایک وقت آتا ہے جب خیالات کم ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الحکم میں فرماتے ہیں:

فَعَسٰی اَنْ یَرْفَعَکَ مِنْ ذِکْرٍ مَعَ وَجُوْدِ غَفْلَۃٍ اِلٰی ذِکْرٍ مَعَ وَجُوْدِ یَقْظَۃٍ

ممکن ہے کہ تمہیں غفلت کے ساتھ جو ذکر کرنے کی حالت ہے اس سے ترقی دے کر اس حال میں پہنچائیں کہ ذکر کے ساتھ تمہارے دل میں بیداری کی کیفیت پیدا ہو جائے

وَ مِنْ ذِکْرٍ مَعَ وَجُوْدِ یَقْظَۃٍ اِلٰی ذِکْرٍ مَعَ وَجُوْدِ حَضُوْرٍ

اور پھر ذکر کرتے کرتے ایک ایسا مقام آئے کہ جہاں بیداری کے ساتھ ذکر کرنے کے ساتھ انسان کو حضوری کی کیفیت بھی نصیب ہو جائے۔

اور پھر فرماتے ہیں:

وَمِنْ ذِکْرٍ مَعَ وَجُوْدِ حَضُوْرٍ اِلٰی ذِکْرٍ مَعَ غَفْلَةٍ عَمَّا سِوَی الْمَذْکُوْرِ

کہ حضوری والے ذکر کے ساتھ پھر تمہیں ایک ایسے مقام پہ پہنچائیں کہ مذکور کے سوا باقی ہر چیز سے غفلت ہو جائے

یعنی اللہ کے سوا باقی تمام چیزوں سے غفلت۔ تو ہمیں اپنے ذکر کو اس مقام تک پہچانا ہے۔

ہر مطیع اللہ کا ذکر کرنے والا ہوتا ہے:

جب اس مقام پہ انسان ذکر کو پہنچا دیتا ہے تو پھر شریعت کے اوپر عمل آسان ہو جاتا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

اَفْضَلُ مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ بِاللِّسَانِ ذِکْرُ اللّٰہِ عِنْدَ اَمْرِہٖ وَ نَھْیِہٖ

کہ زبان سے انسان ذکر کرنے سے زیادہ بہتر ہے کہ اللہ کا جب حکم ہو تو اس حکم پر اللہ یاد آئے مر پر عمل کرے اور نہی پر رک جائے۔

یہ زیادہ بہتر ذکر ہے۔ اس لیے کہ فرمایا:

کُلُّ مَطِیْعٍ لِلّٰہِ فَھُوَ ذَاکِرٌ

''جو بندہ بھی اللہ کا مطیع ہوتا ہے وہ اللہ کا ذکر کرنے والا ہوتا ہے''

بندے کا ذکر فرشتوں میں:

انسان ذکر کرتے کرتے جب اللہ کی یاد کو دل میں بسا لیتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اسکے تذکرے فرشتوں میں کرتے ہیں۔ حدیث پاک میں فرمایا:

اِنْ ذَکَرَنِیْ فِی نَفْسِه ذَکَرْتُهٗ فِیْ نَفْسِیِ اِنْ ذَکَرَنِیْ فِی مَلِا ذَکَرْتُهٗ فِی مَلَاِ اَفْضَلُ مِنْهُ

''اگر بندہ اپنے دل میں مجھے یاد کرتا ہے میں بندے کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے لوگوں کی مجلس میں یاد کرتا ہے تو میں اس سے بہتر مجلس، فرشتوں کی مجلس میں اپنے بندے کو یاد کرتا ہوں''

تم ہمارے ہم تمہارے ہو گئے:

سبحان اللہ یہ تو محبت کی بات ہے۔ جتنا کوئی قدم بڑھائے گا، اتنا اس کا اجر اور بدلہ پائے گا۔ اس لیے فرمایا:

مَنْ کَانَ لِلّٰهِ کَانَ اللّٰهُ لَهٗ

''جو اللہ کا بن جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کے ہو جاتے ہیں''

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿کَانُوْ لَنَا خَاشِعِیْنَ﴾

کیا مطلب ہے اسکا؟ مطلب یہ کہ

کَانُوْا لَنَا خَاشِعِیْنَ وَ کَانُوْا لَهُمْ حَافِظِیْنَ

''وہ خشوع والی حالت کو پالیں گے تو ہم اس کے محافظ بن جائیں گے''

کَانُوْ لَنَا وَکُنَّا لَهُمْ

وہ ہمارے ہوں گے ہم ان کے بن جائیں گے۔ ع

تم ہمارے ہو گئے ، ہم تمہارے ہو گئے

اس لیے اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرنے سے انسان کو اللہ تعالیٰ کا قرب مل جاتا ہے۔ شیخ ابو العباس المرسی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے مختلف نام ہیں، جتنے

صفاتی نام ہیں وہ تَخَلّقُ کے لیے اللہ نے بنائے ہیں اور جو اسم ذات اللہ ہے فرماتے ہیں

فَاِنَّهٗ جَاءَ لِلتَّعَلُّقِ

اللہ نے اسکو تعلق کے لیے بنایا ہے۔

بندے تو نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا:

ساحل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، بندے تو نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا۔

اَذْكُرُكَ وَ تَنْسَانِیْ

میں تجھے یاد کرتا ہوں اور تو مجھے بھول جاتا ہے۔

اَدْعُوْكَ اِلَیَّ وَ تَذْهَبُ اِلٰی غَیْرِیْ

میں تمہیں اپنی طرف بلاتا ہوں تو میرے غیر کی طرف جاتا ہے۔

اَذْهَبُ عَنْكَ وَ اَنْتَ مُعْتَكِفٌ عَلَی الْخَطَایَا

میں تیرے اوپر سے مصیبتوں کو دور کرتا ہوں اور تو گناہوں کے کرنے پر جما ہوا ہے۔

یَا ابْنَ آدَمَ مَاتَقُوْلُ غَدًا اِذَا جِئْتَنِیْ

اے آدم کے بیٹے! جب کل تو میرے سامنے حاضر ہوگا، مجھے اس بات کا کیا جواب دے گا؟

ذکر کا بدلہ:

تو آج وقت ہے کہ ہم اللہ رب العزت کا ذکر کثرت کے ساتھ کریں۔ اس لیے

جو انسان اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرتا ہے

كَانَ اللّٰهُ لَهٗ عِوَضًا عَنْ كُلِّ شَىْءٍ

اللہ تعالیٰ پھر ہر چیز کے بدلے اس بندے کے بن جاتے ہیں۔

تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاذْكُرُوْنِىْ اَذْكُرْكُمْ﴾

''تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا''

اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ تم کہو گے اللہ اللہ اللہ اور میں جواب دوں گا۔ بندے! بندے! نہیں، اس کا یہ معنی نہیں۔ بلکہ بندے کا اللہ کو یاد کرنا اور ہے اور اللہ کا بندے کو یاد کرنا اور ہے۔ بندے کا یاد کرنا تو یہ ہوا کہ وہ اللہ کے حکم کے سامنے سر جھکا دے اور اس پر عمل کرے، گناہوں سے بچ جائے یہ ہے اللہ کو یاد کرنے والا۔ قدم قدم پہ نیکی کرتا ہے، یہ ہے بندے کا یاد کرنا۔ اور اللہ کا یاد کرنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو نئے نئے اعمال کی توفیق دیتے ہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ آپ کو اگر کسی افسر سے کام ہے اور کسی سفارش کرنے والے کو لے جاتے ہیں کہ جی ذرا میری سفارش کر دیجئے تو وہ سفارش کرنے ولا کہتا ہے: او جی وہ بچہ انٹرویو کے لیے آئے گا ذرا یاد رکھیے گا۔ تو یاد رکھیے گا کا کیا مطلب؟ کیا یہ کہ اس کا نام پڑھیے گا؟ نہیں! یاد رکھیے گا کا مطلب ہے کہ جب آپ فیصلہ کرنے بیٹھیں گے تو اس کے حق میں فیصلہ کیجیے گا۔ بڑوں کا یاد کرنا یہ ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کا یاد کرنا یہ ہے کہ بندہ جب نیکوکاری کی زندگی گزارے تو اللہ تعالیٰ فیصلہ فرماتے ہوئے اس پر رحمت کے فیصلے فرمائیں، یہ اللہ کا یاد کرنا ہے۔ اس لیے فرمایا: ﴿فَاذْكُرُوْنِىْ اَذْكُرْكُمْ﴾ تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔

اُذْكُرُوْنِي فِي زَمَانِ الْغَفْلَةِ اَذْكُرْكُمْ بِاِنْزَالِ الرَّحْمَةِ

تم غفلت کے زمانے میں مجھے یاد کرو، میں رحمت کا نزول کر کے تمہیں یاد کروں گا۔

اُذْكُرُوْنِي بِخَدْمَتِيْ اَذْكُرْكُمْ بِنَعْمَتِيْ

تم خدمت کے ذریعے مجھے یاد کرو، میں نعمتیں عطا کر کے تمہیں یاد کروں گا۔

اُذْكُرُوْنِي بِالتَّوْحِيْدِ اَذْكُرْكُمْ بِالتَّائِيْدِ

تم توحید کے ذریعے مجھے یاد کرو میں پروردگار تائید کے ذریعے تمہیں یاد کروں گا۔

اُذْكُرُوْنِي بِالشُّكْرِ اَذْكُرْكُمْ بِالْمَزِيْدِ

تم شکر کے ذریعے مجھے یاد کرو، میں تمہیں اور زیادہ نعمتیں دے کر یاد کروں گا۔

اُذْكُرُوْنِي بِالْمَحَبَّةِ اَذْكُرْكُمْ بِالْقُرْبَةِ

تم محبت سے مجھے یاد کرو، میں قرب عطا کر کے تمہیں یاد کروں گا۔

اُذْكُرُوْنِي بِالْخَوْفِ اَذْكُرْكُمْ بِالْاَمَانِ

تم خوف کی حالت میں مجھے یاد کرو، میں امن دے کر تمہیں یاد کروں گا۔

اُذْكُرُوْنِي بِالرِّجَاءِ اَذْكُرْكُمْ بِالْعَطَاءِ

تم امید کے ساتھ مجھے یاد کرو، میں اپنی رضا دے کر تمہیں یاد کروں گا۔

اُذْكُرُوْنِي بِالْمَعْذِرَةِ اَذْكُرْكُمْ بِالْمَغْفِرَةِ

تم معذرت کر کے مجھے یاد کرو، میں پروردگار مغفرت کر کے تمہیں یاد کروں گا۔

اُذْكُرُوْنِي بِالسَّوَالِ اَذْكُرْكُمْ بِالْعَطَاءِ

تم سوال کر کے مجھے یاد کرو، میں عطا کر کے تمہیں یاد کروں گا۔

اُذْكُرُوْنِي بِالدُّعَاءِ اَذْكُرْكُمْ بِالْاِجَابَةِ

تم دعا کے ذریعے مجھے یاد کرو میں قبول کر کے تمہیں یاد کروں گا۔

اُذْكُرُوْنِي بِالْوَفَاءِ اَذْكُرْكُمْ بِالْجَزَاءِ

تم وفا کر کے مجھے یاد کرو، میں بدلہ دے کر تمہیں یاد کروں گا۔

اُذْكُرُوْنِي فِيْ كُلِّ حَالٍ اَذْكُرْكُمْ بِتَوْفِيْقِ الْاَعْمَالِ

تم ہر حال میں مجھے یاد کرو، میں اعمال کی توفیق دے کر تمہیں یاد کروں گا۔ نئے نئے اعمال کی توفیقیں دیتا رہوں گا، تمہارے لیے نیکی کرنی آسان ہو جائے گی۔

ذاکر دل کو کبھی موت نہیں آتی:

آج وقت ہے کہ ہم اللہ کا ذکر کر کے اپنے دلوں کو زندہ کر لیں۔ جب اللہ کا بندہ ذکر کرتے کرتے اپنے دل کو زندہ کر لیتا ہے تو پھر دل کو موت نہیں آتی۔ جسم پہ موت آجاتی ہے، دل پہ موت نہیں آتی۔

☆...... چنانچہ ہمارے سلسلہ عالیہ کے ایک بزرگ تھے حضرت مولانا عبدالغفور مدنی رحمۃ اللہ علیہ، مدینہ طیبہ میں ان کی وفات ہوگئی۔ ڈاکٹر صاحب آتے ہیں اور آکر ان کے جسم کے ساتھ سٹیتھوسکوپ لگاتے ہیں۔ تو ان کو لگتا ہے کہ دل چل رہا ہے، وہ کہتے ہیں کہ نہیں ابھی ان کی وفات کی تصدیق میں نہیں کرتا۔ نو گھنٹے ڈاکٹر صاحب نے حضرت کو اسی طرح لٹائے رکھا اور نہلانے نہیں دیا۔ نو گھنٹے کے بعد حضرت کے ایک خلیفہ تھے، وہ وہاں پہنچے اور انہوں نے پھر ڈاکٹروں سے بات کی اور کہا کہ ڈاکٹر صاحب! جس قلب نے ہزاروں قلوب کو زندہ کیا، اس قلب کو کیسے موت آسکتی ہے۔ پھر جا کر نہلایا گیا اور اسی کیفیت کے ساتھ دفنایا گیا۔

☆......ہم نے اپنی زندگی میں کئی ایسے واقعات دیکھے۔ ان میں سے ایک واقعہ

ہمارے بہت پیارے بھائی ظہیر احمد صاحب، جو یہاں کے ماشاءاللہ ابتداء میں ذمہ دار تھے۔ان کا ایکسیڈینٹ ہوا، جیسے ہی یہ ہوا تو دماغ کے اوپر چوٹ لگی، ڈاکٹروں کے حساب سے اسی وقت وفات ہو چکی تھی، اس کو برین سٹنٹ کہتے ہیں، مگر دل چلتا تھا۔ چنانچہ ساتھ والے ان کو ہسپتال لے گئے، ہمیں فون کیا تو ایک ڈیڑھ گھنٹے میں ہم بھی وہاں پہنچ گئے۔ جب بھی سٹیتھو سکوپ لگائیں دل کی حرکت محسوس ہو رہی ہوتی۔آئی سی یو میں ٹریٹمنٹ چلتا رہا۔شام کو ہم نے ایک سپیشلسٹ کو بلایا جو برین سپیشلسٹ (دماغ کا ڈاکٹر) تھا، اس نے سٹی سکین کروا کر مجھے دکھایا کہ جی ان کا یہ دماغ ہے اور ایکسیڈینٹ میں چوٹ سیدھی دماغ پر لگی تو دماغ اندر سے بالکل ہل گیا ہے۔جسم کے ساتھ اس کے کنکشن ختم ہو گئے ہیں۔اس کو کہتے ہیں برین کا ختم ہو جانا۔ اس نے کہا جی برین سسٹم ڈیڈ ہو چکا ہے اس لیے ان کی وفات ہو چکی ہے۔ باقی ڈاکٹر آئے، وہ آ کے دیکھیں کہ جسم بھی ماشاءاللہ نرم اور گرم اور ادھر سے جب دل پر سٹیتھو سکوپ رکھیں تو آواز بھی آئے، وہ کہیں جی ابھی زندہ ہیں۔ تین دن ہسپتال والوں نے ان کو لٹائے رکھا، تیسرے دن جا کر پھر میں نے بڑے ڈاکٹر سے کہا کہ آپ اپنے سارے ڈاکٹروں کو بلا لیں۔ چنانچہ کوئی دس بارہ ڈاکٹر اکٹھے ہو گئے، پھر ان کے سامنے میں نے یہ کہا کہ یہ آپ کی زندگی کا ایک نیا تجربہ ہے، آپ ان کو مزید اس بستر پر نہ لٹائیں، بلکہ آپ ہمیں اجازت دیں کہ ہم ان کو لے جائیں وہ کہیں کہ جی ابھی بھی سٹیتھو سکوپ لگائیں تو لگتا ہے کہ دل چل رہا ہے۔تو میں نے کہا کہ اب اللہ نے جس بندے کا دل چلا دیا اب اس کا دل موت نہیں روک سکتی، یہ ہمیشہ چلتا ہی رہے گا۔ جب ان کو یہ بات سمجھائی تو تب ڈاکٹر نے دستخط کیے اور ہم نے ان کو وہاں سے لیا اور نہلا دھلا کر ان کو اللہ کے سپرد کر دیا۔ آج کے دور میں بھی جو بندہ محنت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے دل کو منور کرتے ہیں، دل کو زندہ کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا

فرمائے کہ ہم بھی اللہ کی یاد کرنے والے بن جائیں تاکہ غفلت سے بچ کر اللہ کے مقرب بندوں میں شامل ہو جائیں۔ کہنے والے نے کیا اچھی بات کہی:

یاد میں تیری سب کو بھلا دوں کوئی نہ مجھ کو یاد رہے
تجھ پر سب گھر بار لٹا دوں خانۂ دل آباد رہے
سب خوشیوں کو آگ لگا دوں غم سے تیرے دل شاد رہے
سب کو نظر سے اپنی گرا دوں تجھ سے فقط فریاد رہے
اب تو رہے بس تا دم آخر ورد زبان اے میرے الٰہ
لا الٰہ الا اللہ لا الٰہ الا اللہ

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

﴿ مناجات ﴾

دل مغموم کو مسرور کر دے
دل بے نور کو پرنور کر دے
فروزاں دل میں شمع طور کر دے
یہ گوشہ نور سے معمور کر دے
مرا ظاہر سنور جائے الٰہی
مرے باطن کی ظلمت دور کر دے
مئے وحدت پلا مخمور کر دے
محبت کے نشے میں چور کر دے
نہ دل مائل ہو میرا ان کی جانب
جنہیں تیری ادا مغرور کر دے
ہے میری گھات میں خود نفس میرا
خدایا اس کو بے مقدور کر دے

﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا﴾
(التحریم:۸)

سچی توبہ

بیان: محبوب العلماء والصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 8 جولائی 2011ء بروز جمعہ ۷ شعبان، ۱۴۳۲ھ

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

موقع: خصوصی تربیتی مجالس برائے علماء وطلباء (بعد نمازِ مغرب)

اقتباس

ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اپنے گناہوں سے سچی توبہ کریں۔ آج کی یہ مجلس باطنی غسل کی مجلس ہے۔ جیسے بندہ نہالیتا ہے تو پسینہ میل ختم ہو جاتا ہے، اسی طرح سچی توبہ سے انسان کے گناہوں کا تمام میل کچیل ختم ہو جاتا ہے۔ بس اتنا یاد رکھیں آج کی اس مجلس میں ہم نے تمام گناہوں سے سچی توبہ کرنی ہے۔ اس کا فائدہ کیا ہوگا؟ ایک تو پچھلی ساری فائلیں جو کھلی ہوئی تھی کلوز ہو جائیں گی۔ ڈیلیٹ کی کمانڈ لگ جائے گی ساری فائلیں ڈیلیٹ ......تو یہ کتنا بڑا فائدہ ہے! یہ ایک نئی زندگی کا آغاز ہوگا۔ سبحان اللہ!

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

سچی توبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا﴾ (التحریم:۸)

وَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِىْ مَقَامٍ اٰخر

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ (البقرة:۲۲۲)

و قال رسول الله ﷺ

((اَلتَّائِبُ حَبِيْبُ اللّٰهِ))

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

فرمانِ الٰہی:

اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْآ اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا﴾ (التحریم:۸)

اے ایمان والو! اے وہ لوگو! جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکموں کو ماننے کا اقرار کر چکے ہو۔ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی بات مان کر چلنے کا عہد کر چکے ہو۔ تم اللہ کے سامنے پکی توبہ کرو!

توبہ کے عنوان پر آپ نے درجنوں مرتبہ گفتگو سنی ہو گی آج بھی وہی عنوان

ہے۔مگر توبہ کی بات سن کر یہ مت سوچیں کہ اس بات کا ہمیں پہلے سے پتہ تھا، اس بات کو بار بار سننے سے دل کے اوپر ایک تاثیر ہوتی ہے۔آپ روزانہ روٹی کھاتے ہیں تو کبھی آپ نے سوچا کہ آج پھر روٹی آ گئی؟ بھئی! روزانہ روٹی فائدہ دیتی ہے، یہ بدن کی غذا ہے۔اسی طرح اس عنوان کو بار بار سننا ہماری روح کی غذا ہے۔

اور پھر قبولیت کا ایک وقت ہوتا ہے جس میں اللہ کی طرف سے ایسی رحمت نکلتی ہے کہ بندے کو سچی توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے۔تو اس لیے اس عنوان کو بہت توجہ کے ساتھ دل کے کانوں کے ساتھ سنیے۔

توبہ کے معنی:

توبہ کی اصل،لغت میں اَلرَّجُوْعُ ہے۔یُقَالُ تَابَ وَ اَنَابَ جس کا معنی ہوتا ہے رجوع کرنا۔

چنانچہ سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اَلتَّوْبَۃُ رَجُوْعٌ مِنَ الْاَفعَالِ الْمَذمُومَۃِ اِلٰی اَفعَالِ الْمَحْمُوْدَۃِ

کہ توبہ کہتے ہیں برے افعال کو چھوڑ کر اچھے افعال کی طرف رجوع کر لینا، لوٹ آنا،اس کو توبہ کہتے ہیں۔

توبہ اکابرینِ امت کی نظر میں:

امت کے اکابرین نے اس مضمون کو کھولنے کے لیے اپنے اپنے انداز سے اس کی تشریح کی ہے:

◉ چنانچہ بعض نے فرمایا:

اَلتَّوْبَۃُ، اَلنَّدْمُ عَلٰی مَا فَاتَ وَ اِصْلَاحُ مَا ھُوَ اٰتٍ

''توبہ کہتے ہیں جو گناہ ہو چکے اس پہ نادم ہونا اور جو آنے والا وقت ہے اس میں اپنے عملوں کی اصلاح کر لینا۔''

◉ بعض نے فرمایا:

اَلتَّوْبَۃُ الْحَیَاءُ الْعَاصِمُ وَ الْبَاءُ الدَّائِمُ

توبہ یہ ہے کہ گنہگار اللہ رب العزت سے حیا کرے اور ہمیشہ کے لیے گناہ والی زندگی سے نیکی طرف لوٹ جائے۔

◉ بعض نے فرمایا:

اَلتَّوْبَۃُ قُوْدُ النَّفْسِ اِلَی الطَّاعَۃِ بِخِطَامِ الرَّغْبَۃِ وَ رَدُّھَا الْمَعْصِیَۃِ بِزِمَامِ الرَّھْبَۃِ

توبہ کہتے ہیں کہ نفس کو اطاعت کی طرف رسی ڈال کے کھینچ لینا اور اللہ کے خوف کی نکیل ڈال کر اس کو گناہوں سے بچا لینا۔

◉ بعض بزرگوں نے فرمایا:

اَلتَّوْبَۃُ ذُوْبَانُ الْحَشْیَا لِمَا سَبَقَ مِنَ الْخَطَایَا

جو گناہ پہلے کر چکے ہیں ان کے اثرات کو مٹا دینا، اس کا نام توبہ ہے۔

◉ بعض نے فرمایا:

اَلتَّوْبَۃُ نَارٌ فِی الْکَبِدِ بِہٖ تَلْتَھِبُ وَ صَدْعٌ فِی الْقَلْبِ لَا یَنْشَیْعِبُ

''توبہ جگر میں لگی ہوئی ایک آگ ہے اور دل میں پڑی ہوئی ایک دراڑ کا نام ہے۔''

یعنی انسان کا جب دل ٹوٹتا ہے اور وہ محسوس کرتا ہے کہ میں نے اپنے اللہ کی نافرمانی کی تو اس کے دل کی کیفیت کا نام توبہ ہے کہ مستقل ندامت کی آگ دل

میں جل رہی ہوتی ہے۔

◉ بعض نے فرمایا:

اَلتَّوْبَۃُ خَلْعُ لِبَاسِ الْجِفَاءِ وَ نَشْرُ بِسَاطِ الْوَفَاءِ

جفا کے لباس کو اتار دینا اور وفا کی بساط کو بچھا دینا اس کا نام توبہ ہے۔

◉ البوشنجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اِذَا ذَکَرْتَ ذَنْبَکَ فَلَمْ تَجِدْ لَہٗ حَلَاوَۃٌ

توبہ یہ ہے کہ جو گناہ تو کرتا تھا اگر اس گناہ کو تو یاد کرے تو تجھے اس میں کوئی حلاوت محسوس نہ ہو، کوئی مزا کوئی لطف اس کو محسوس نہ ہو۔ جب یہ کیفیت ہو اس کا مطلب یہ ہے اب اس گناہ سے سچی توبہ ہو چکی ہے۔

◉ بعض بزرگوں نے کہا:

اَلتَّوْبَۃُ اِسْتِشْعَارُ الرَّجُلُ اِلَی الْاَجَلِ

کہ بندے کو موت کا شعور حاصل ہو جانا، اس کا نام توبہ ہے۔

◉ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توبہ کی حقیقت یہ ہے:

﴿حَتّٰی اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْھِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ﴾ (التوبۃ:۱۱۸)

''زمین اپنی فراخی کے باوجود ان پر تنگ ہو جائے''

کہ تین صحابہ رضی اللہ عنہم جن پر ایک امتحان آ گیا تھا۔ جن کا تذکرہ اللہ نے قرآن مجید میں فرمایا اور ان کی کیفیت بیان فرمائی کہ ان کا حال یہ تھا کہ زمین اپنی فراخی کے باوجود ان کے لیے تنگ ہو چکی تھی اور اپنی جان بھی تنگ ہو چکی تھی۔

﴿ وَ ظَنُّوْا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰہِ اِلَّا اِلَیْہِ ﴾ (التوبۃ:۱۱۸)

''اور ان کا یہ گمان تھا اللہ کے سوا کوئی ملجا اور ماوی نہیں۔''

فرماتے ہیں کہ جس بندے کی یہ کیفیت ہو اس بندے کی توبہ سچی توبہ ہو گی۔

◉ بعض نے فرمایا:

اَلتَّوْبَةُ اَنْ يَّعْلَمَ الْعَبْدُ جَرْأَتَهٗ عَلَى اللّٰهِ وَ يَرٰى حِلْمَ اللّٰهِ عَنْهُ

''توبہ یہ کہ بندے نے گناہوں کے ذریعے جو جرأت کی اس کا پتہ چل جائے اور یہ بھی پتہ چل جائے کہ اللہ کتنا حلیم ہے''

کہ وہ ایسی ذات ہے جس نے اس کے گناہوں کے باوجود ابھی پکڑا نہیں ہے۔

◉ چنانچہ ابوالحجاج الاقصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توبہ یہ ہے:

حَقِيْقَةُ التَّوْبَةِ الذِّهَابُ اِلَى الْمَلِكِ الْوَهَّابِ

بہت مختصر لفظوں میں انہوں نے بات سمجھائی کہ توبہ کیا ہے؟ وہاب ذات (اللہ تعالیٰ) کی طرف جانا۔ جیسے قرآن میں فرمایا:

﴿اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّیْ سَيَهْدِيْنِ﴾ (الصّٰفّٰت:۹۹)

تو اس کیفیت کا نام توبہ ہے کہ انسان ہر گناہ سے اپنا تعلق توڑ لے اور اپنے مولیٰ سے اپنا تعلق جوڑ لے۔

توبہ کی تین کیفیتیں

جو بندہ گناہوں سے توبہ کرتا ہے تو اس کے دل کی کیفیت تین طرح کی ہوتی ہے۔

❶ تائب

ایک تو یہ کہ

مَنْ رَجَعَ عَنِ الْمُخَالِفَاتِ خَوْفًا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ فَهُوَ تَائِبٌ

اس کو بعد میں عذاب کا ڈر ہوتا ہے کہ ایک تو دنیا میں مجھے عذاب ملے گا اور آخرت میں اس سے بھی بڑا عذاب ملے گا:

﴿كَذٰلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ﴾ (القلم:۳۳)

تو عذاب کے ڈر سے، سزا کے ڈر سے وہ گناہوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ ایسے بندے کو تائب کہتے ہیں۔

❷ منیب

اور اگر اس بندے نے گناہ کو چھوڑا اللہ کے حیا کی وجہ سے کہ اللہ مجھے دیکھتا ہے، مالک دیکھ رہا ہے تو میں اس کے سامنے ایسی حرکت کیسے کروں؟ تو اس کا نام ''منیب'' ہے۔

مَنْ رَجَعَ حَيَاءً ا مِنْ نَظْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَهُوَ مُنِيْبٌ

❸ اوّاب

اور دل کی ایک تیسری کیفیت ہوتی ہے کہ جس میں انسان اللہ کی عظمت اور جلالتِ شان کی وجہ سے اس کی نافرمانی نہیں کرتا:

مَنْ رَجَعَ تَعْظِيْمًا لِجَلَالَتِهٖ فَهُوَ اَوَّابٌ

''جو لوٹ آیا اللہ کی جلالتِ شان کی تعظیم کی وجہ سے وہ اوّاب ہے''

ایسا بندہ اوّاب کہلاتا ہے۔

اور انبیائے کرام کے لیے یہ اواب کا لفظ استعمال کیا گیا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ﴾ (ص:۴۴)

اور اوّاب کا رتبہ سب سے اونچا ہوتا ہے۔

توبہ کے تین درجے

توبہ کے تین درجے ہوتے ہیں، تین حصے ہوتے ہیں:

پہلا درجہ:

عِلْمٌ بِضَرَرِ الذُّنُوْبِ

کہ انسان کو گناہوں کے ضرر کا علم ہو جائے کہ گناہوں کے نقصانات کتنے ہوتے ہیں۔ چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب سے بڑا عالم وہ ہے جس کے اوپر گناہوں کی مضرتیں زیادہ کھل جائیں۔ جب گناہوں کی مضرتیں زیادہ کھل جائیں گی تو وہ گناہوں سے بچ بھی جائے گا۔

تو پہلا درجہ یہ کہ ایسا علم حاصل ہو جائے کہ میں جو گناہ کر رہا ہوں مجھے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اس کا نقصان کتنا ہے۔

دوسرا درجہ:

دوسرا درجہ ہے:

اَلنَّدَمُ عَلٰی تَضْیِیعِ حَقِّ اللّٰہِ تَعَالٰی

کہ اللہ کا جو اس نے حق ضائع کیا، اس پر ندامت ہو

اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ اس کے بندے اس کی فرمانبرداری کریں۔ یہ جو اللہ کا حق ضائع کیا، اس کے اوپر ندامت ہو۔

تیسرا درجہ:

اور تیسرا ہے:

عَمَلٌ فِی الْاِصْلَاحِ
انسان اپنی اصلاح کے لیے عمل پیرا ہو جائے۔

توبہ کی تین شرائط

بعض علمانے توبہ کی تین شرائط یہ لکھی ہیں:
(۱) اِجْتِنَابٌ مِنَ الْمَحَارِمِ
گناہوں سے اجتناب کرنا
(۲) و رَدُّ الْمَظَالِمِ
اور جو لوگوں کے حقوق ہیں ان کو واپس کرنا۔
(۳) وَ النِّیَّۃُ اَنْ لَّا یَعُوْدَ
اور دل میں یہ نیت ہو کہ آج کے بعد پھر میں نے یہ گناہ نہیں کرنا۔

توبہ کا تعلق تین زمانوں سے:

بعض نے فرمایا کہ توبہ کا تعلق تین زمانوں سے ہے۔ ماضی سے، حال سے اور مستقبل سے۔
اَلنَّدْمُ عَلٰی مَا مَضٰی
کہ ماضی میں جو گزر چکا اس کے اوپر ندامت کا ہونا۔
اَلْاِقْلَاعُ فِی الْحَالِ
حال کے زمانے میں ان گناہوں کو چھوڑ دینا۔
اَلْعَزْمُ اَنْ لَّا یَعُوْدَ فِی الْمُسْتَقْبِلِ

اور یہ نیت کہ مستقبل میں اس کی طرف نہیں لوٹنا۔
تو توبہ کا تعلق ماضی، حال اور مستقبل تینوں زمانوں کے ساتھ ہے۔

توبہ میں نیت کی درستگی:

توبہ کا لب لباب یہ ہے کہ انسان اللہ کی ناراضگی سے بچنے کے لیے گناہ کو چھوڑے۔ اور اگر گناہوں کے چھوڑنے کا سبب کچھ اور ہے تو وہ توبہ، توبہ ہی نہیں۔ مثال کے طور پر ایک آدمی اس لیے زنا کو چھوڑتا ہے کہ مال بہت ضائع ہوتا ہے، یا اس لیے چھوڑتا ہے کہ جی بدنامی ہو جائے گی، یا اس لیے چھوڑتا ہے کہ اس میں زنا کرنے کی قوت ہی نہیں رہی، تو ایسی توبہ، توبہ نہیں کہلاتی۔ گناہ کے کام کو چھوڑنا فقط اللہ کو راضی کرنے کے لیے، یہ توبہ ہے۔

اس لیے نیت کی درستگی کی اس میں بہت ضرورت ہے۔ کئی لوگ جوا چھوڑ دیتے ہیں کہ جی بہت ہار چکے ہیں، اب ہم نے جوا چھوڑ دیا، تو یہ توبہ نہیں ہے۔ یا کوئی یہ کہے، او جی! بڑے بھائی! بڑے ناراض ہوتے ہیں کہ تم جوا کیوں کھیلتے ہو؟ تو بڑے بھائی کی وجہ سے چھوڑ دینا توبہ نہیں کہلاتا۔

تو یہ بات ذہن میں رکھیں کہ گناہ کو چھوڑنا اللہ رب العزت کی رضا کی نیت سے، اس کی ناراضگی سے بچنے کے لیے، یہ توبہ ہے۔

عقیدے کی توبہ:

سب سے پہلے عقیدہ ہے۔ انسان کو عقیدے کے بارے میں بدعات سے توبہ کرنی چاہیے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ سالک کو پہلا کام یہ کرنا چاہیے کہ اپنا عقیدہ اہل سنت والجماعت کے عقائد

کے مطابق بنائے۔ یہ ذہن میں رکھیں کہ عقیدے کی توبہ اعمال کی توبہ پر فضیلت رکھتی ہے اور اس کی طرف بندے کا دھیان ہی نہیں ہوتا۔ اسی لیے بہت ساری بدعات کے مرتکب ہوتے ہیں، رسومات کو ہوتا دیکھ رہے ہوتے ہیں اور توجہ ہی نہیں ہوتی کہ یہ کام درست نہیں۔ علما نے لکھا ہے کہ

اِنَّ الْمُبْتَدِعَ لَا یَرْجِعُ

جو بدعتی ہوتا ہے اس کا لوٹنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔

اس لیے کہ وہ اس کو عبادت سمجھ کر کر رہا ہوتا ہے۔

بدعت کی ایک پہچان یہ کہ بدعت علاقائی ہوتی ہے اور سنت آفاقی ہوتی ہے۔ جب بھی آپ اس پیمانے پر تولیں گے، آپ کو پتہ چل جائے گا کہ یہ بدعت ہے۔ بدعت علاقائی ہوتی ہے اور سنت آفاقی ہوتی ہے۔ پوری دنیا میں جہاں جائیں گے سنت ایک ہی ہوگی۔ تو ہمیں چاہیے کہ ہم ان بدعات سے جو عقیدے کے متعلق ہیں ان سے توبہ کریں اور ہمارے اکابر علمائے دیو بند جو اہلِ سنت والجماعت کے صحیح نمائندے تھے۔ ان کے مطابق اپنے عقیدے کو بنالیں۔

اعمال کی توبہ:

عقیدے کے بعد دوسرا نمبر اعمال کا آتا ہے کہ اپنے اعمال کو درست کیا جائے۔ اس سلسلے میں جو انسانوں کے حقوق ضائع کیے یا غصب کیے ہیں ان کو واپس کرے۔ توبہ کا یہ مطلب نہیں کہ اب اگر کسی بندے سے دھوکے سے پیسے لیے تھے تو معاف ہو گئے۔

حدیث پاک میں آیا ہے:

رَدُّ دِرْهَمٍ اِلٰى رَبِّهٖ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ سَبْعِيْنَ صَلَاةٍ مَقْبُوْلَةٍ

کسی بندے کا ایک درھم اس کو واپس کرنا ستر مقبول نمازوں سے زیادہ بہتر ہے:

علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حَضْرَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی مُحَرَّمٌ دَخُوْلُھَا عَلٰی کُلِّ مَنْ عَلَیْہِ تَبِعَۃٌ لِلْآدَمِیِّیْنَ مِنْ مَالٍ اَوْ عَرْضٍ اَوْ دَمٍ

جس کے اوپر انسانوں کے حقوق ہوں جو اس نے خلافِ شرع طریقے سے مارے ہوتے ہیں جب تک وہ ان کو ادا نہیں کرے گا، اللہ کے حضور اس کو داخلہ مل ہی نہیں سکتا۔

ایک ناحق کھجور سے درجہ ابدال میں رکاوٹ:

چنانچہ ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں بیت المقدس میں گیا اور میں صف کے اندر لپٹ کے سو گیا۔ سردی تھی، کمبل پاس نہیں تھا، تو صف کے ایک طرف سویا، لپٹنا شروع ہوا تو میرے بدن پر صف لپٹ گئی اور میں سردی سے بچ گیا۔ فرماتے ہیں: رات کا وقت ہوا تو میں نے دیکھا کہ منور چہروں والے کچھ لوگ آئے اور انہوں نے آپس میں گفتگو شروع کی اور ایسے لگتا تھا کہ جیسے ملائکہ ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا: یہاں کوئی اجنبی محسوس ہوتا ہے۔ دوسرے نے کہا: ہاں وہ ادھم کا بچہ پڑا ہوا ہے اور اس کو ولایت کا درجہ کیسے مل سکتا ہے جب کہ اس نے فلاں بندے کی کھجور بغیر اجازت کے کھائی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے فوراً یاد آ گیا کہ چند دن پہلے میں نے کسی دکاندار سے کھجوریں خریدی تھیں، جب لے کر چلنے لگا تو ایک کھجور نیچے گری نظر آئی، اور میں نے از خود سوچ لیا کہ یہ میری کھجوروں میں سے گری ہے تو میں نے وہ اٹھا کر منہ میں ڈال لی۔ حقیقت میں وہ

دکاندار کی گری پڑی تھی، اس کھجور کے کھانے کی وجہ سے وہ فرماتے ہیں کہ ولایت کا درجہ ملنے سے رکا ہوا تھا۔ پھر وہ چلے گئے صبح ہوئی تو میں نے جا کر اس دکاندار کو وہ کھجور واپس کی، تب مجھے اللہ نے ابدال کا رتبہ عطا فرما دیا۔

حقوق العباد کی اہمیت:

لوگوں کے حقوق ادا کرنے کی اتنی اہمیت ہے کہ توبہ قبول نہیں ہوگی جب تک لوگوں کے حقوق ادا نہیں کرے گا۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے بے وضو آدمی کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ اگر کوئی کہے کہ جی میں نے ظہر کی بارہ رکعت پڑھی ہیں لیکن وضو نہیں کیا تھا۔ تو اسے کہیں گے بھئی! آپ کی بارہ رکعتیں اللہ کے ہاں قبول نہیں ہیں کیونکہ آپ نے بغیر وضو کے پڑھی ہیں۔ جس طرح نماز کے لیے وضو شرط ہے، توبہ کی قبولیت کے لیے بندوں کے حقوق کا ادا کرنا یہ شرط ہے۔

اہلِ حق فوت ہو جائیں تو......!

ایسا بھی ہوتا ہے کہ جن کے حقوق دبائے وہ فوت ہو گئے تو یا تو اس کے وارثوں کو وہ حق ادا کرے، یا ان سے معافی مانگے اور اگر ایسی صورت نہیں تو ان کی طرف سے اللہ کے راستے میں وہ مال خرچ کرے تاکہ اس کا ثواب قیامت کے دن حق والوں کو مل جائے۔ جن لوگوں کی غیبت کی ان کے بارے میں استغفار کرے۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

كَفَارَةُ مَنِ اغْتَبْتَهُ اَنْ تَسْتَغْفِرَ لَهُ

جن کی تم نے غیبت کی اس کا کفارہ یہ ہے کہ ان لوگوں کے لیے اللہ کے سامنے استغفار کرو! یہ استغفار اس کا کفارہ بن جائے گا۔

اگر توبہ کرنا مشکل ہو:

کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان توبہ کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے لیے توبہ کرنی مشکل ہوتی ہے، اور وہ آکر پوچھتا بھی ہے کہ جی میں توبہ کرنا چاہتا ہوں مگر مشکل کام ہے۔ ہمارے بزرگوں نے فرمایا: جس بندے کے لیے توبہ کرنی مشکل ہو اس کو چاہیے کہ وہ یہ لفظ بار بار پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ

اگر وہ یہ جملہ بار بار پڑھے گا۔ اللہ رب العزت اس کو توبہ کی جلدی توفیق عطا فرما دیں گے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلے سے توبہ:

سیدنا آدم علیہ السلام نے توبہ کرنی تھی تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعا مانگی، حدیث پاک میں آتا ہے کہ انہوں نے دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ بِحُرْمَةِ مُحَمَّدٍ اِغْفِرْ لِیْ فَغْفِرَ لَهٗ

''انہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلے سے دعا مانگی، اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول فرمالیا''

، پھر انہوں نے کہا:

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾ (الاعراف:۲۳)

ایک اور نکتہ حدیث مبارکہ سے:

جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ يَقُوْلُ وَا ذُنُوْبَاهُ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا

ایک شخص نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ کہہ رہا تھا: ہائے میرے گناہ! اس نے دو تین دفعہ یہ ریپیٹ کیا: ہائے میرے گناہ! ہائے میرے گناہ!

وَ قَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نبی ﷺ نے اس بندے سے یہ فرمایا کہ یہ الفاظ پڑھو:

اَللّٰهُمَّ مَغْفِرَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِيْ وَ رَحْمَتُكَ اَرْجٰى عِنْدِيْ مِنْ عَمَلِيْ

جب اس نے پڑھ لیا:

ثُمَّ قَالَ لَهُ اَعِدْ

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: پھر لوٹاؤ! (پھر پڑھو)

فَاَعَادَ اس نے پھر یہ دعا دہرائی

ثُمَّ قَالَ لَهُ اَعِدْ، فَاَعَادَ

آپ نے پھر تیسری مرتبہ ریپیٹ کرنے حکم فرمایا، اس نے تیسری مرتبہ پھر وہی فقرہ پڑھا۔

پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

قُمْ قَدْ غَفَرَ لَكَ اللّٰهُ

کھڑے ہو جاؤ! اللہ نے تمہارے گناہوں کو معاف کر دیا۔

اب یہ تو حدیثِ مبارکہ میں اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کا عمل ہے۔ تو اس دعا کو ہمیں یاد کر کے خلوت میں جلوت میں اللہ تعالیٰ سے خوب اس دعا کو مانگنا چاہیے۔

توبہ کی برکت سے ظالم سے نجات:

بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ کئی مرتبہ انسان محسوس کرتا ہے کہ اس کے پیچھے

حاسد پڑ گئے ہیں یا کوئی ظالم مسلط ہو گیا ہے تو ایسی صورت حال میں انسان پریشان ہوتا ہے۔ تو اس کے لیے فرمایا:

اِذَا تَسَلَّطَ عَلَيْهِ اَحَدٌ

جب کسی پر کوئی مسلط ہو جائے تو وہ یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبَ الَّذِیْ سَلَّطْتَ بِهٖ عَلَیَّ هٰذَا

اللہ! میرے اس گناہ کو معاف کر دے، جس کی وجہ سے آپ نے اس کو میرے اوپر مسلط فرما دیا۔

تو اس گناہ کی معافی مانگنے سے اللہ رب العزت ظالم سے نجات عطا فرما دیں گے۔

سنیے!

رُوِیَ اَنَّ مُوْسٰی سَاَلَهٗ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ اَنْ یَّسْتَسْقِیَ لَهُمْ

موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے لوگوں نے کہا: حضرت! پینے کو پانی نہیں ہے تو پانی کے لیے کچھ انتظام ہو جائے۔

فَقَالَ مُوْسٰی رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا

موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ''اللہ! ہماری مغفرت کر دے''

فَقَالُوْا سَاَلْنَاكَ اَنْ تَسْتَسْقِیَ لَنَا فَطَلَبْتَ الْمَغْفِرَةَ

تو بنی اسرائیل والے کہنے لگے: اے موسیٰ! ہم نے آپ سے کہا کہ پانی کا انتظام کریں اور آپ نے اللہ سے مغفرت مانگنی شروع کر دی۔

فَاَوْحَی اللّٰهُ اِلٰی مُوْسٰی قُلْ لَهُمْ

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ اے موسیٰ! ان کو بتا

دیکھیے:

اِذَا غَفَرْتُ لِعِبَادِیْ اَصْلَحْتُ لَهُمْ دِیْنَهُمْ وَ دُنْيَاهُمْ

جب میں بندے کی مغفرت کرتا ہوں اس کے دین کو بھی اور اس کی دنیا کو بھی سنوار دیا کرتا ہوں۔

تو اگر ہم گناہوں سے سچی توبہ کرلیں گے تو پروردگار دنیا کی مصیبتوں سے بھی نجات عطا فرمادے گا۔

شیطان کی حسرت:

انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ایک شخص آیا، کہنے لگا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! اِنِّیْ اَذْنَبُ میں گناہ کرتا ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: استغفر بھئی! استغفار کرو۔

قَالَ اَسْتَغْفِرُ وَ اَعُوْدُ

اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! میں استغفار بھی کرتا ہوں اور پھر گناہ کرلیتا ہوں۔

قَالَ وَ اِذَا عُدْتَّ فَاسْتَغْفِرْ

کہا کہ اگر تو نے پھر گناہ کیا پھر استغفار کر

قَالَ وَ اَسْتَغْفِرُ وَ اَعُوْدُ

اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! استغفار کرتا ہوں اور پھر گناہ کر بیٹھتا ہوں۔

قَالَ اِذَا عُدْتَّ فِی الثَّالِثَةِ وَ الرَّابِعَةِ حَتّٰی يَكُوْنَ الشَّيْطَانُ هُوَ الْمَحْسُوْرُ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر پھر گناہ ہوگیا، تیسری مرتبہ استغفار کرو، چوتھی مرتبہ استغفار کرو حتی کہ شیطان کو حسرت ہو کہ اس بندے سے میں نے گناہ کیوں کروایا کہ

یہ توبہ کیے بغیر چین ہی نہیں لیتا۔

نوجوان بچے متوجہ ہوں! یہ نہیں کہ جی ہم گناہ تو کر بیٹھتے ہیں، اب ہم توبہ کیسے کریں؟ ناں ناں! یہ شیطان کا داؤ ہے۔ حدیثِ مبارکہ سے پتہ چل رہا ہے کہ جتنی بار گناہ ہوا ہے اتنی بار توبہ...... بار بار توبہ...... اگر شیطان گناہ کروانے سے باز نہیں آتا، تو ہم توبہ کرنے سے باز کیوں آجائیں؟ بھئی! اللہ رب العزت جب توبہ کے قبول کرنے سے نہیں تھکتے تو بندہ توبہ کرنے سے کیوں تھک جاتا ہے۔ اس لیے جب گناہ سرزد ہو تو اس کا حل یہی ہے کہ اسی وقت توبہ کی جائے۔

عفوِ الٰہی بندے کے گناہوں سے زیادہ ہے:

حبیب رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے۔ ان کے بارے میں حدیث پاک میں آتا ہے:

جَاءَ حَبِيْبُ بْنُ الْحَارِثِ اِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم

وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنِّيْ رَجُلٌ مِقْرَافٌ

کہنے لگے: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں بہت گناہ گار بندہ ہوں۔

فَقَالَ تُبْ اِلَى اللّٰهِ يَا حَبِيْبُ

اے حبیب! اللہ کے سامنے توبہ کرو۔

فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنِّيْ اَتُوْبُ ثُمَّ اَعُوْدُ

انہوں نے کہا: اللہ کے حبیب! میں توبہ بھی کرتا ہوں اور پھر گناہ کر بیٹھتا ہوں۔

قَالَ فَكُلَّمَا اَذْنَبْتَ فَتُبْ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بھی تو گناہ کرلے تو توبہ کرلے

فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اِذَا تَکْثُرُ ذُنُوْبِیْ

عرض کیا اے اللہ کے حبیب ﷺ! اگر میرے گناہ بہت زیادہ ہوں، بار بار ہوں

قَالَ عَفْوُ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ اَکْثَرُ مِنْ ذُنُوْبِكَ یَا حَبِیْبُ

نبی ﷺ نے جواب میں فرمایا: اے حبیب! اللہ کا عفو تیرے گناہوں سے زیادہ ہے۔

یہاں سے ایک نکتہ ملا کہ جتنے بھی گناہ ہوں اللہ کا عفو اور درگزر اس سے بھی زیادہ بڑا ہے، لہٰذا توبہ ضرور کرنی چاہیے۔

گناہ چھوڑانہ توبہ

چنانچہ تورات میں یہ بات لکھی ہوئی تھی۔ حمید الاعرج نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: یہ حدیث قدسی ہے:

یَا وَیْحَ ابْنُ آدَمَ یَعْمَلُ بِالْخَطِیْئَةِ ثُمَّ یَسْتَغْفِرُنِیْ فَاَغْفِرُ لَهٗ

''اے ابن آدم! تیرا ناس ہو، تو گناہ کرتا ہے اور مجھ سے معافی مانگتا ہے، میں معاف کر دیتا ہوں''

ثُمَّ یَعُوْدُ لَھَا فَیَسْتَغْفِرُنِیْ فَاَغْفِرُ لَهٗ

پھر گناہ کرتا ہے پھر مجھ سے استغفار کرتا ہے میں پھر معاف کر دیتا ہوں۔

ثُمَّ یَعُوْدُ لَھَا فَیَسْتَغْفِرُنِیْ فَاَغْفِرُ لَهٗ

پھر گناہ کر لیتا، پھر استغفار کرتا ہے، پھر میں معاف کر دیتا ہوں۔

یَا وَیْحَ ابْنُ اٰدَمَ لَایُرِیْدُ تَرْكَ عَمَلٍ بِالْخَطِیْئَةِ وَلَا یَیْئَسُ مِنْ رَّحْمَتِیْ

نہ تو یہ گناہ کا کام چھوڑتا ہے، نہ یہ میری رحمت سے مایوس ہوتا ہے۔

فَقَدْ غَفَرْتُ لَهٗ فَقَدْ غَفَرْتُ لَهٗ فَقَدْ غَفَرْتُ لَهٗ

چونکہ یہ میری رحمت سے مایوس نہیں ہوتا، پس میں نے اس کے گناہ کو معاف کر دیا، معاف کر دیا، میں نے معاف کر دیا۔ اللہ اکبر کبیرا

بندے کی توبہ پر اللہ کی خوشی:

اسی لیے جو بندہ گناہ سے توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کو اس کی توبہ پر بہت خوشی ہوتی ہے۔ سنیے! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان عظیم الشان:

اَللّٰهُ اَفْرَحُ بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ مِنَ الضَّالِّ اِذَا وَجَدَ

''اللہ کو مومن بندے کی توبہ سے اس شخص سے زیادہ خوشی ہوتی ہے جس کا گمشدہ بچہ اسے مل جائے''

جب کسی کا بیٹا گم ہو جائے پھر اس کو مل جائے تو اسے کتنی خوشی ہوتی ہے۔ فرمایا کہ باپ کو بیٹے کے مل جانے پر اتنی خوشی نہیں ہوتی جتنی توبہ کرنے والے کی توبہ پر اللہ تعالیٰ کو خوشی ہوتی ہے۔

وَالْعَقِيْمِ اِذَا وَلَدَ

اور فرمایا کہ بانجھ عورت کو اگر اس کے بیٹا ہو جائے تو اتنی خوشی نہیں ہوتی جتنی اللہ تعالیٰ کو توبہ کرنے والے کی توبہ پر خوشی ہوتی ہے۔

وَالظَّمْاٰنِ اِذَا وَرَدَ

اور پیاسے بندے کو شدت کی گرمی میں اگر ٹھنڈا پانی مل جائے تو اس کو اتنی خوشی نہیں ہوتی جتنی توبہ کرنے پر پروردگار کو خوشی ہوتی ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہر دن میں سو مرتبہ توبہ کرنا:

اس لیے حدیثِ مبارکہ میں ہے:

((یَا اَیُّھَا النَّاسُ تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ فَاِنِّی اَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ فِی الْیَوْمِ مِاَۃَ مَرَّۃٍ))

''اے انسانو! اللہ کے سامنے توبہ کرو میں خود بھی ہر دن میں اللہ کے سامنے سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں''

یعنی جب سو مرتبہ استغفار کیا تو ہر استغفار پر توبہ ہے، تو ہم بھی استغفار کی تسبیح اس طرح کریں کہ ہر استغفار پہ نیت ہو کہ اللہ میں توبہ کر رہا ہوں۔ چنانچہ حدیث مبارکہ ہے:

((اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا اعْتَرَفَ بِذَنْبِہٖ ثُمَّ تَابَ اِلَی اللّٰہ تَابَ اللّٰہُ عَلَیْہِ))

کہ جب بندہ اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیتا ہے اور اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے، اللہ اس پر اپنی رحمت کا معاملہ فرما دیتے ہیں۔

نوجوان توبہ کرنے والا اللہ کا پسندیدہ:

ایک حدیث پاک میں ہے:

مَا مِنْ شَیْءٍ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ شَابٍّ تَائِبٍ

اللہ تعالیٰ کے نزدیک نوجوان توبہ کرنے والے سے زیادہ اور کوئی پسندیدہ بندہ ہے ہی نہیں کہ نوجوان ہو اور پھر سچی توبہ کرے۔

توبہ کرنے والا اللہ کا دوست:

اس لیے ایک بزرگ تھے وہ کہتے تھے کہ میں بڑی توبہ کرتا تھا مگر مجھے کوئی

آثار آگے سے قبولیت کے نہیں ملتے تھے۔تو میں نے کہا کہ اللہ! میں اتنے سال توبہ کر رہا ہوں آپ کی طرف سے کوئی قبولیت کی نشانی ہی نہیں نظر آ رہی۔تو جواب میں فرمایا کہ تمہیں پتہ ہے کہ تم کیا مانگتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ معافی مانگتا ہوں۔فرمایا:

اَلتَّائِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ

توبہ کرنے والا اللہ کا دوست ہوتا ہے۔

تم مجھ سے میری دوستی مانگ رہے ہو تو یہ کوئی چھوٹی بات تو نہیں ہے۔اللہ رب العزت توبہ کرنے والے کو اپنا دوست بنالیتا ہے۔

نوجوان توبہ کرنے والے پر اللہ کی رحمت کا سایہ

مشہور واقعہ ہے:

اِنَّ قَصَابًا وَلَعَ بِجَارِیَۃٍ لِبَعْضِ جِیْرَانِہٖ

ایک قصاب تھا، ہمسائے کی ایک باندی کے ساتھ اس کا دل اٹک گیا۔

فَاَرْسَلَ اَھْلَھَا اِلٰی حَاجَۃٍ لَھُمْ فِی قَرْیَۃٍ اُخْرٰی فَتَبِعَھَا فَرَاوَدَھَا عَنْ نَفْسِھَا

اس باندی کو گھر والوں نے قریب کسی جگہ پر کام کے لیے بھیجا تو یہ بھی اس کے پیچھے چل پڑا اور کہیں پہنچ کر اسے پھسلانے لگا۔

فَقَالَتْ لَاتَفْعَلْ لَاَنَا اَشَدُّ حُبًّا لَکَ مِنْکَ لِیْ وَلٰکِنِّیْ اَخَافُ اللّٰہ

اس لڑکی نے جواب دیا تم یہ کام مت کرو۔جتنی محبت تمہیں مجھ سے ہے اس سے زیادہ محبت مجھے تم سے ہے۔مگر میں اللہ سے ڈرتی ہوں۔

کہ تم جو یہ محبت کے گانے گا رہے ہو، ’’آئی لو یو‘‘ ’’آئی مس یو‘‘ اس نے کہا

کہ جتنی محبت تمہیں ہے اور اس سے زیادہ محبت مجھے تم سے ہے مگر میں اللہ سے ڈرتی ہوں۔

فَقَالَ اَنْتَ تَخَافِیْنَهٗ وَ اَنَا لَا اَخَافُهٗ

''کہنے لگا تم اللہ سے ڈرو اور میں نہ ڈروں''

وہ بچی اخلاص والی تھی، تقیہ تھی، پاک صاف تھی۔ اس کی اخلاص بھری بات کا یہ اثر ہوا کہ اس نوجوان کے دل پر چوٹ پڑی اور وہ کہنے لگا۔ تم اللہ سے اتنا ڈرتی ہو تو میں اتنا کیوں نہ ڈروں؟

فَرَجَعَ تَائِبًا ''اس نے توبہ کرلی۔''

توبہ کر کے اس نے نیت کی کہ ایک علما کی بستی ہے میں وہاں جاتا ہوں اور وہاں جا کر علم حاصل کرتا ہوں اور نیک بن جاتا ہوں۔ وہ چل پڑا۔ راستے میں گرمی تھی اور بہت زیادہ لمبا سفر تھا، تو ایک بڑے میاں اس کو مل گئے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ ہم مل کر سفر کرتے ہیں۔ جب سفر کرنے لگے تو ایک بادل بھی ان کے ساتھ ساتھ چل پڑا جس نے ان پر سایہ کیا ہوا تھا۔ اب وہ تین دن کا سفر تھا، تینوں دن وہ بڑے میاں سمجھتے رہے کہ اللہ نے میرے اوپر بادل کا سایہ کردیا اور نوجوان بھی سمجھتا رہا کہ واقعی بڑے میاں کی وجہ سے مجھے بادل کا سایہ نصیب ہو گیا۔ لیکن جب اس منزل پر پہنچے جہاں دونوں نے جدا ہونا تھا تو بادل کا سایہ نوجوان کے ساتھ ہو گیا۔ پھر بڑے میاں پلٹ کر اس کی طرف آئے اور انہوں نے آکر کہا کہ میں تو سمجھتا تھا کہ بادل کا سایہ اللہ نے میرے اوپر کیا ہوا ہے لیکن بادل کا سایہ تمہارے سر پر تھا تو کونسا عمل تیرا اللہ کو پسند آ گیا ہے۔ جب پوچھا تو اس نے بتایا کہ میرے پاس عمل تو کوئی نہیں البتہ میں نے ایک گناہ سے سچی توبہ کی نیت کرلی ہے۔ میرا پروردگار کتنا کریم ہے کہ جس نے اس دنیا کی گرمی

میں مجھے بادل کا سایہ عطا فرمایا۔تو جب پروردگار دنیا میں بادل کا سایہ عطا فرماتا ہے تو وہ قیامت کے دن بھی ایسے بندے کو عرش کا سایہ عطا فرمائیں گے۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ اگر کسی کو ذات منصب و جمال عورت گناہ کی دعوت دے اور یہ جواب میں کہے کہ اِنِّی اَخَافُ اللّٰهَ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ اس کو اللہ تعالیٰ عرش کا سایہ عطا فرما دیتے ہیں۔

چنانچہ وہ جو بزرگ تھے انہوں نے کہا:

اَلتَّائِبُ اِلَى اللّٰهِ بِمَكَانٍ لَيْسَ اَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ بِمَكَانِهٖ

تائب کو اللہ کے ہاں وہ رتبہ ملتا ہے کہ باقی انسانوں کو وہ رتبہ نصیب نہیں ہوتا۔

توبہ کی دو قسمیں

توبہ کی دو قسمیں ہیں۔

۱ تَوْبَةٌ مِّنَ اللّٰهِ عَلَى الْعَبْدِ

"اللہ کا بندے کی طرف متوجہ ہونا"

اللہ کا بندے کی طرف متوجہ ہونا کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ

اَنْ يُحَبِّبَ لَهُ الطَّاعَةَ وَ يُكَرِّهُ اِلَيْهِ الْمَعْصِيَةَ

جب اللہ تعالیٰ بندے کی طرف رجوع کرتے ہیں، متوجہ ہوتے ہیں تو بندے کو نیکی کرنا اچھا لگتا ہے اور گناہوں سے نفرت ہو جاتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بندے کی طرف رجوع ہے۔اور اس کی دلیل قرآن عظیم الشان میں سے ہے۔فرمایا:

﴿ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ

وَالْعِصْيَانَ﴾ (الحجرات:٧)

یہ اللہ کی بندے کے اوپر عنایت ہے اور

وَ عَنْ هٰذِهِ التَّوْبَةِ تَنْشَأُ تَوْبَةُ الْعَبْدِ

② تَوْبَةٌ مِّنَ الْعَبْدِ اِلَى اللّٰهِ

''بندے کا اللہ کی طرف متوجہ ہونا''

جب اللہ تعالیٰ یوں مہربانی کرتے ہیں تو بندے بھی اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں یوں فرماتے ہیں:

﴿ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا﴾ (التوبۃ:١١٨)

ہمارے بزرگوں نے کہا:

اَلْعِنَايَةُ قَبْلَ الْوِلَايَةِ

''ولایت ملنے سے پہلے عنایت ہوتی ہے''

عنایت پہلے ہوتی ہے، تب ولایت ملتی ہے۔

اس لیے فرمایا:

اَللَّوَاحِقُ مَبْنِيَةٌ عَلَى السَّوَابِقِ

''جولواحق ہیں ان کا انحصار سوابق پر ہوتا ہے۔''

پہلے پیچھے کچھ رحمت ہوتی ہے تب یہ انسان عمل کر لیتا ہے۔ قرآن مجید میں بھی اس کی دلیل ہے، اللہ پاک بعض لوگوں کے گناہوں کے بارے میں فرماتے ہیں یُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ گناہ سے وہی پھرتا ہے جس کو پھرا دیا جاتا ہے۔ یعنی ہم گناہ سے نہیں بچ سکتے۔ ہاں اللہ کی رحمت کی نظر ہو جائے تو گناہ سے بچنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔

مقاماتِ توبہ عشرہ

چنانچہ گناہ کے مختلف سٹیپ ہوتے ہیں جو انسان کو اٹھانے پڑتے ہیں۔

۱...... پہلا قدم

اَلنَّدَمُ عَلَی الذَّنبِ بِالْاِقْلَاعِ

گناہ چھوڑ بھی دے اور اس کے اوپر نادم اور شرمندہ بھی ہو۔

۲...... دوسرا قدم

تَرْكُ الْعَوْدِ فِيْهِ مَعَ بِكَثْرَةِ اِسْتَغْفَارٍ

دوبارہ گناہ کی طرف نہ لوٹے اور خوب استغفار کرے۔

۳...... تیسرا قدم

وَالْخُرُوْجُ مِنْ سَائِرِ الْجُهْلِ مُتَعَلِّمِ مَا لَا بُدَّ مِنَ الْوَاجِبَاتِ

''اور جہالت والے تمام کاموں سے نکلنا اور واجبات کا علم حاصل کرنا''

۴...... چوتھا قدم

وَ الْاِنْتَقَالُ مِنَ الْكَبِيْرَةِ اِلَى الصَّغِيْرَةِ

''اور بڑے گناہ سے چھوٹے کی طرف آنا''

۵...... پانچواں قدم

وَ رَدُّ الْمُظَالِمِ

اور جو لوگوں کے حقوق ہوں، ان کو واپس کرے۔

۶..... چھٹا قدم

وَاِعْتِقَادُ مَقْتِ النَّفْسِ

اور نفس سے بیزاری محسوس کرے کہ میرے نفس نے مجھ سے یہ گناہ کروائے۔

۷.....ساتواں قدم

وَتَهْجُرُ اِخْوَانَكَ اَصْحَابَ السُّوْءِ

اور جو برے دوست تھے جنہوں نے گناہ کروائے ان سے انسان بچ کر رہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''یارِ بد مارِ بد سے بھی زیادہ برا''

فارسی زبان میں مار کہتے ہیں سانپ کو۔ برا دوست زہریلے سانپ سے بھی زیادہ برا ہوتا ہے، کیوں کہ سانپ اگر کاٹ لے تو انسان جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور اگر برا دوست اس کو ڈس لے تو وہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ بلکہ فرماتے ہیں یار بد شیطان سے بھی زیادہ برا۔ یہ بات پڑھ کر ہمیں بھی حیرت ہوئی کہ یار بد شیطان سے بھی زیادہ برا کیسے ہوا۔ پھر آگے دلیل لکھتے ہیں کہ شیطان تو انسان کے ذہن میں گناہ کا خیال ڈالتا ہے اس سے آگے تو کچھ نہیں کرتا مگر جو یارِ بد ہوتا ہے وہ گناہ کا خیال ہی نہیں ڈالتا بلکہ ہاتھ پکڑ کے بندے سے گناہ کا ارتکاب کروا دیا کرتا ہے۔ اس لیے یار بد شیطان سے بھی زیادہ برا ہے۔

۸.....آٹھواں قدم:

وَتَصْلُحِ مَطْعَمَكَ وَمَلْبَسَكَ

''کھانے اور لباس کی اصلاح کرے''

توبہ کر لی تو اب اپنا کھانے میں اور پہننے میں حلال کا خیال کرے۔

⑨ ......نواں قدم

وَ تُكْثِرِ مِنَ الْبُكَاءِ وَ التَّضَرُّعِ اِلَى اللّٰهِ فِي الْعَفْوِ عَمَّا مَضٰى

''جو گزر چکا اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کثرت سے روئے دھوئے۔''

جب انسان اپنے گناہوں سے سچی توبہ کرے گا تو اللہ رب العزت پھر اس کے لیے توبہ پر قائم رہنا آسان فرما دیں گے۔

⑩ ......دسواں قدم

وَ تَرْكُ الْاَعْمَالِ الَّتِي تُلْحِقُ الْاِنْسَانَ الذُّنُوْب

ان اعمال کو چھوڑ دے جو انسان کو گناہوں تک پہنچا دیتے ہیں۔

توبہ کی تین حالتیں

چنانچہ توبہ کرنے والے بندوں کی تین حالتیں ہوتی ہیں ایک ہوتا ہے۔

❶ رَجُلٌ مُتَسَوِّفٌ

کہ بندے کی نیت تو ہے توبہ کرنے کی اور کہتا بھی ہے کہ ہاں کروں گا، کروں گا لیکن کرتا نہیں۔

فَهٰذَا هُوَ الْمُسْتَوْجِبُ الْعُقُوْبَةَ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى

''ایسے بندے کو اللہ کی طرف سے سزا ملے گی''

❷ رَجُلٌ تَابَ بِقَلْبِهٖ اِلَّا اَنَّ نَفْسَهٗ تَدْعُوْهُ اِلٰى مَا يَكْرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى

ایک بندے نے دل سے تو توبہ کر لی مگر نفس اس کو گناہ کی طرف بار بار کھینچتا ہے۔

اگرچہ وہ پکے دل سے توبہ کر چکا مگر نفس کا میلان گناہ کی طرف موجود ہے۔ اس بندے کو چاہیے کہ یہ ذکر کرے، مجاہدہ کرے، تاکہ نفس کا زور ٹوٹ جائے۔ مثلا روزے رکھے، کم کھائے، ذکر وعبادت میں زیادہ لگے تاکہ نفس گناہ کا جو تقاضا کر رہا ہے وہ تقاضا ختم ہو جائے۔

۳۔ رَجُلٌ تَائِبٌ

پکا توبہ کرنے والا بندہ، یہ کون ہوتا ہے؟

مُدْمِنُ الْمُحَاسَبَةِ فَهٰذَا الْمُسْتَوْجِبُ الْوِلَايَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی

جو ہمیشہ اپنا محاسبہ کرتا رہتا ہے، نیکی پر جما رہتا ہے۔ یہ بندہ اللہ تعالیٰ کی ولایت کا حق دار بن جاتا ہے۔

امور جو توبہ میں رکاوٹ بنتے ہیں

ہم لوگ جو توبہ کرتے ہیں اس میں کئی ساری غلطیاں کرتے ہیں، ان غلطیوں کے بارے میں سن لیجیے:

۱ توبہ میں دیر کرنا

تَأْجِيْلُ التَّوْبَةِ

توبہ کرنے میں دیر کرنا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَمَّا وَجُوْبُهَا عَلَى الْفَوْرِ فَلَا يُسْتَرَابُ فِيْهِ فَاِذَا تَابَ مِنَ الذَّنْبِ بَقِيَ عَلَيْهِ تَوْبَةٌ اُخْرٰى وَهِيَ تَوْبَتُهٗ مِنْ تَاخِيْرِ التَّوْبَةِ

''توبہ فی الفور کرنی واجب ہوتی ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور اگر کوئی بندہ فوری توبہ نہ کرے تو اب اس کے اوپر دو توبہ ہیں اور دوسری توبہ گناہ میں تاخیر کی وجہ سے ہے۔''

توجہ فرمائیں جو بندہ گناہ کا ادراک تو کرلے اور اس پر فوری توبہ نہ کرے تو اس کے اوپر دو توبہ ہیں۔ ایک اس گناہ سے توبہ کرنا اور دوسرا گناہ کی توبہ میں تأخیر کا جو گناہ ہے اس پر بھی توبہ کرنا، یہ الگ توبہ ہے۔

۲ توبہ سے غفلت

دوسری خطا توبہ سے غفلت ہے۔ اکثر دفعہ انسان سے توبہ میں ویسے ہی غفلت ہو جاتی ہے۔ انسان کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ میں نے توبہ کرنی ہے۔

فَاِنَّمَا لَا يَعْلَمُ الْعَبْدُ مِنْ ذُنُوْبِهٖ اَكْثَرُ مِمَّا يَعْلَمُهٗ

''بے شک جن گناہوں کو بندہ نہیں جانتا وہ گناہ ان سے زیادہ ہیں جن کو وہ جانتا ہے۔''

ہمارے بہت سے گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ جو گناہ تو ہم نے کیے لیکن ہمیں پتہ ہی نہیں ہوتا۔ یہ نکتہ سمجھنے والا ہے۔ جن کو ہم گناہ سمجھتے ہیں وہ تھوڑے ہیں اور جن کو ہم نے گناہ ہی نہ سمجھا اور کرلیا ان کی تعداد زیادہ ہے، تو ان سے تو ہم توبہ نہیں کرتے۔ انسان کی میموری اتنی شارٹ ہے کہ جس گناہ کو وہ کر کے بھول جاتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ وہ معاف ہو گیا حالانکہ وہ معاف تو نہیں ہوا۔ بھئی! ذہن سے نکل جانے سے گناہ معاف تو نہیں ہو جاتا۔ گناہ تو صرف توبہ سے معاف ہوتا ہے۔ اب سوچیں کہ ہم نے اپنے ابتدائے جوانی سے لے کر آج تک کتنے گناہ کیے جو یاد نہیں، کتنی بدنظریاں کیں، کتنے جھوٹ بولے، کتنی غلط بیانیاں کیں، دھوکے دیے ہمیں یاد نہیں۔ ہم اس

سے کیسے توبہ کر سکتے ہیں؟ تو معلوم ہوا کہ جو گناہ ہم جانتے ہیں اور یاد ہیں ان سے بھی
توبہ اور جو یاد نہیں ان سے بھی توبہ کرنے کی ضرورت ہے۔

شرکِ خفی سے توبہ:

اس کے لیے اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے دعائیں سکھا دیں۔ چنانچہ
نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَلشِّرْكُ فِیْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَخْفٰی مِنْ دَبِیْبِ النَّمْلِ

کہ چیونٹی کے جو رینگنے کی آواز ہوتی ہے اس سے بھی زیادہ باریک میری امت
کے اندر شرک ہوگا۔ ہمیں معلوم ہی نہیں ہوتا کہ ہم نے شرکیہ لفظ بولا یا نہیں۔ اتنا
باریک شرک کا کلمہ کہ ہمیں پتہ بھی نہیں چلتا۔ تو جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو
تڑپ گئے۔ کہنے لگے:

فَكَيْفَ الْخَلَاصُ مِنْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ

اے اللہ رسول ﷺ! (اگر شرک اتنا باریک ہوتا ہے تو) اس سے نجات کیسے
ہوگی؟

نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم یہ دعا مانگو:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا وَّ اَنَا اَعْلَمُ بِهٖ وَ
اَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا اَعْلَمُ بِهٖ))

''میں اس شرک سے پناہ مانگتا ہوں جو میں جانتا ہوں اور جو نہیں جانتا اس
سے بھی توبہ کرتا ہوں۔''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دوسری دعا سکھائی:

((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ مَاقَدَّمْتُ وَ مَا اَخَّرْتُ وَ مَا اَسْرَرْتُ وَ مَا اَعْلَنْتُ

وَ مَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ))

تو یہ دعا یاد کر کے مانگنی چاہیے۔

ایک دعا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی سکھائی

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ كُلَّهٗ دِقَّهٗ وَ جِلَّهٗ وَ اَوَّلَهٗ وَ اٰخِرَهٗ وَ عَلَانِیَتَهٗ وَ سِرَّهٗ

''اے اللہ! میرے تمام گناہوں کو معاف فرما، وہ گناہ گہرے ہیں یا سطحی ہیں، پہلے کے ہیں یا بعد کے ہیں، علانیہ ہیں یا چھپے ہوئے ہیں۔ جیسے بھی ہیں معاف فرما''

سبحان اللہ ان دعاؤں کو پڑھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ اگر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعائیں نہ سکھاتے تو انسانی عقل کی اتنی پرواز ہی نہیں تھی کہ وہ اپنی عقل کی بنا پر ایسی دعائیں مانگ سکتا۔ یہ نبوت کا مقام ہے، یہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا امت کے اوپر احسان ہے کہ ایسی دعائیں سکھا دیں۔

③ گناہوں کے دوبارہ ہو جانے کے ڈر سے توبہ نہ کرنا:

تیسری رکاوٹ یہ کہ

تَرْكُ التَّوْبَةُ مَخَافَةَ الرُّجُوْعِ اِلَى الذُّنُوْبِ

''توبہ نہیں کرتے اس خوف سے کہ پھر دوبارہ گناہ کر بیٹھیں گے۔''

تو بھی توبہ کرنے سے پچھلے گناہ تو معاف ہو جاتے ہیں اور اگر دوبارہ گناہ سرزد ہوا تو اللہ پھر توبہ کی توفیق دے دیں گے۔ ویسے بھی انسان سوچے کہ میرے لیے گناہ سے بچنا مشکل ہے اللہ تعالیٰ کا گناہ سے بچانا آسان ہے۔ تو میں اگر سچے دل سے گناہ

سے توبہ کرلوں گا تو توبہ ایسی ہو جائے گی کہ اللہ مجھے گناہ سے نفرت عطا فرما دیں گے۔ اس لیے توبہ تو بہر حال کرنی چاہیے۔

اور یہ کہنا کہ میں کیوں توبہ کروں تو پھر گناہ کر بیٹھوں گا، اس کی مثال یوں سمجھیں کہ ایک بندہ گرمی سے آیا، بہت پسینہ تھا اور کپڑوں سے بو آ رہی تھی اور کوئی بندہ کہے یار نہا کر کپڑے بدل لو، وہ آگے سے کہے: نہا کر کپڑے بدل لوں گا تو پھر پسینہ آئے گا، کیا فائدہ نہانے کا۔ تو کہیں گے کہ عقل کے اندھے! ابھی تو نہا کر صاف ہو جاؤ، اگر پھر پسینہ آیا تو پھر نہا کر کپڑے بدل لینا۔ یہی گناہوں کی مثال ہے کہ انسان یہ سوچے کہ اس وقت تک جو گناہوں کا وبال ہے اور نامۂ اعمال میں گناہوں کی سیاہی ہے اس کو تو میں دھولوں۔ یہ تو ایسے ہی ہے کہ بیوی کہے کہ جی میں نے گھر کی صفائی اس لیے نہیں کی کہ پھر گندہ ہو جاتا ہے۔ خاوند جواب دے گا عقل کی اندھی! تو ابھی صاف کر پھر گندہ ہو گیا تو پھر صاف کر لینا۔

تو توبہ بھی ایسی ہے کہ انسان اللہ کے حضور سچی توبہ کر لے اس امید کے ساتھ کہ اللہ مجھے بچائیں گے اور بالفرض والتقدیر اگر پھر گناہ ہو جائے تو پھر توبہ کر لے۔ چنانچہ احادیث مبارکہ جو ہم نے سنیں ان سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ جب انسان بار بار توبہ کرتا ہے تو ایک وقت آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بالآخر گناہ سے نفرت عطا فرما دیتے ہیں۔

ایک بات ذہن میں رکھنا، جو بندہ گناہ کو گناہ سمجھتا ہے اور گناہ کے اوپر نادم ہوتا ہے کبھی نا کبھی اللہ کی رحمت سے اس کو توبہ کی توفیق مل جاتی ہے۔ توبہ کی توفیق اسے نہیں ملتی جو گناہ کو گناہ ہی نہ سمجھے یا گناہ کے اوپر خوش ہو۔ جو بندہ گناہ کر کے خوش ہوتا ہے اس کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔

﴿۴﴾ لوگوں کے طعن کا ڈر:

بعض دفعہ انسان لوگوں کی وجہ سے توبہ نہیں کرتا

تَرْكُ التَّوْبَةِ خَوْفاً مِّنْ لَّمْزِ النَّاسِ

دل میں ہوتا ہے کہ لوگ باتیں کریں گے کہ جی مولوی بن گیا ہے، اس لیے توبہ نہیں کرتا۔ تو بھئی! بندوں سے ڈرنے کی بجائے، اللہ سے ڈریں۔

﴿فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاهُ﴾ (الاحزاب:۳۷)

اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ بندہ اس سے ڈرے، بندوں سے نہ ڈرے۔

﴿۵﴾ جاہ و مرتبہ کم ہونے کا ڈر:

بعض اوقات اس لیے توبہ نہیں کرتا کہ جی میری جو سیٹ ہے اور نوکری ہے اور جو سٹیٹس ہے پھر وہ نہیں رہے گا۔

تَرْكُ التَّوْبَةِ مَخَافَةَ سَقُوْطِ الْمَنْزِلَةِ وَ ذَهَابِ الْجَاهِ وَ الشُّهْرَةِ

''درجہ زائل ہونے اور جاہ وشہرت کے کم ہو جانے کے ڈر سے توبہ کو ترک کرنا''

اس لیے توبہ نہیں کرتا تو یہ بھی بہت بڑا گناہ۔

﴿۶﴾ اللہ کی رحمت کی امید پر توبہ نہ کرنا:

چھٹی بات یہ کہ انسان اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت کو دیکھتے ہوئے توبہ نہیں کرتا۔

اَلتَمَادِىْ فِى الذُّنُوْبِ اعْتِمَادًا عَلٰى سِعَةِ رَحْمَةِ اللّٰهِ

کئی مرتبہ شیطان یہ دھوکا دیتا ہے کہ اللہ بڑا رحیم ہے لہٰذا وہ معاف کر دے گا۔ چنانچہ وہ گناہ کرواتا رہتا ہے۔ جس بندے کو شیطان یہ خیال ڈالے کہ اللہ بڑا رحیم

ہے، گناہ معاف کردے گا اس کو چاہیے کہ وہ اس بات کو سوچے کہ

اِنَّ اللّٰهَ اَخْرَجَ اٰدَمَ مِنْهَا اِلَى الدُّنْيَا بِذَنْبٍ وَّاحِدٍ

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ایک بھول کی وجہ سے جنت سے نکال کر دنیا میں بھیج دیا۔

بھئی! انہوں نے بار بار تو گناہ نہیں کیے تھے، جو بھول ہوئی تھی وہ ایک دفعہ ہوئی تھی۔ بلکہ نافرمانی کا ارادہ بھی نہیں تھا۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا﴾ ان کے اندر نافرمانی کا ارادہ تو نہیں تھا۔

بھول سے ہو گیا تھا، تو بھول سے ہوا اور ایک ہی ہوا پھر بھی جنت سے نکال کر دنیا میں بھیج دیا گیا۔ اگر ہم ایک گناہ ارادے کے ساتھ کریں گے تو وہ بھی ہمیں اللہ کی نظر سے گرا سکتا ہے۔ اس لیے انسان توبہ کرے۔

عتبۃ الغلام ایک مرتبہ بہت رو رہے تھے، کسی نے پوچھا کیوں رو رہے ہیں؟ کہنے لگے کہ میں نے اپنی جوانی کی ابتدا میں ایک جگہ پر گناہ کیا تھا، اس جگہ کو دیکھ کر رونا آ گیا، پتہ نہیں کہ میرا گناہ معاف ہوا کہ نہیں؟

اَتَفْرُجُ بِالذُّنُوْبِ وَ بِالْمَعَاصِىْ
وَ تَنْسٰى يَوْمَ يُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِىْ
وَ تَاْتِىْ الذَّنْبَ عَمَدًا لَا تُبَالِىْ
وَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ عَلَيْكَ عَاصِىْ

⑦ اللہ کی رحمت سے مایوسی:

کئی مرتبہ انسان اس لیے توبہ نہیں کرتا کہ

اَلْيَاْسُ مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ

”اللہ کی رحمت سے مایوس ہوتا ہے“

او جی! میرے لیے تو کوئی توبہ کی صورت ہی نہیں ہے۔

ظَنَّ اَنَّهٗ مِمَّنْ كَتَبَ عَلَيْهِمُ الشَّقَاوَةَ

کہتا ہے کہ جی میں تو شقی اور بدبخت ہوں۔ یہ بھی شیطان کا دھوکا ہے کہ انسان اگر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ توبہ کو قبول فرماتے ہیں۔

امور جو صغیرہ گناہوں کو کبیرہ بنا دیتے ہیں

کچھ گناہ تو واضح طور پر کبیرہ گناہ کہلاتے ہیں اور کچھ گناہ صغیرہ کہلاتے ہیں، مگر کئی ایسے اعمال ہوتے ہیں کہ جن کی وجہ سے مَا تَعَظَّمُ بِهِ الصَّغَائِرُ مِنَ الذُّنُوْبِ صغیرہ بھی کبیرہ بن جاتے ہیں۔

تو ایسے کام جن کی وجہ صغیرہ گناہ بھی کبیرہ بن جاتے ہیں درج ذیل ہیں:

(۱) صغیرہ گناہوں کا بار بار کرنا:

اَلْاِصْرَارُ وَ الْمُوَاظِبَةُ

صغیرہ گناہوں کو بار بار کرنا۔

صغیرہ گناہوں کے بار بار کرنے سے پھر وہ صغیرہ نہیں بلکہ کبیرہ بن جاتے ہیں۔

اس لیے ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اے دوست یہ نہ دیکھ کہ گناہ چھوٹا یا بڑا بلکہ اس ذات کی عظمت کو دیکھ جس کے حکم کی تو نافرمانی کر رہا ہے۔''

کوئی کہہ سکتا ہے کہ او جی! میں نے ملک کے صدر کے سامنے تھوڑی سے بدتمیزی کی۔ بدتمیزی تو بدتمیزی ہے تھوڑی ہو یا زیادہ۔ تو جب ملک کا کوئی بڑا ہو اس کے سامنے کا چھوٹا سا معاملہ اتنا بڑا ہو جاتا ہے تو اللہ رب العزت تو اللہ رب العزت ہیں۔

اس لیے فرماتے ہیں کہ گناہ کو چھوٹا نہ سمجھو۔ صحابہ ایک چھوٹا سا فقرہ اکثر ایک دوسرے کو سنایا کرتے تھے، فرماتے تھے:

لَا صَغِيْرَةَ مَعَ اِصْرَارٍ وَ لَا كَبِيْرَةَ مَعَ اِسْتِغْفَارٍ

اصرار کرنے سے کوئی گناہ صغیرہ نہیں رہتا اور استغفار کرنے سے کوئی گناہ کبیرہ نہیں رہتا۔

۲ گناہ کو چھوٹا سمجھنا:

دوسری وجہ جس سے چھوٹے گناہ بڑے بن جاتے ہیں۔

اِسْتِصْغَارُ الذَّنْبِ

انسان گناہ کو چھوٹا سمجھتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

جس گناہ کو انسان چھوٹا سمجھے اللہ کے نزدیک وہی بڑا ہوتا ہے اور جس گناہ کو انسان بڑا سمجھے وہی اللہ کی نظر میں چھوٹا ہوتا ہے۔

چنانچہ بخاری شریف میں انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اِنَّكُمْ لَتَعْمَلُوْنَ اَعْمَالًا هِيَ اَدَقُّ فِيْ اَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعْرِ

تم ایسے عمل کرتے ہو جو تمہارے نزدیک بال سے بھی کم درجے کے ہیں

اِنْ كُنَّا لَنَعُدُّ هَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنَ الْمُهْلِكَاتِ

ہم ان کاموں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہلاک کر دینے والے کاموں میں سے سمجھتے تھے۔

۳ گناہ کر کے خوش ہونا

تیسری چیز جس سے چھوٹے گناہ بڑے بن جاتے ہیں۔

اَلْفَرْحُ بِالْمَعْصِيَةِ
گناہ کر کے خوش ہونا

انسان گناہ کرے اور خوش ہو۔ جیسے لوگ آپس میں بتاتے ہیں ہاں نا او جی! میں نے فلاں کو بڑا بے وقوف بنایا۔ اب دوستوں کو بتا رہے ہیں میں نے فلاں بندے کو اس طرح دھوکے سے پھنسایا، یہ جو خوش ہو کر گناہ بتاتا ہے اس سے گناہ چھوٹا نہیں رہتا بلکہ بڑا بن جاتا ہے۔

۴ اللہ کے حلم پر جری ہونا:

اَلْاِغْتِرَارُ بِحِلْمِ اللّٰهِ وَ سِتْرِهٖ

''اللہ تعالیٰ کے حلم اور اس کی پردہ پوشی پر جری ہو جانا''

یہ بھی صغیرہ کو کبیرہ بنا دیتا ہے۔

۵ مقتدا حضرات کا گناہ کرنا:

اَنْ يَكُوْنَ الْمُذْنِبُ بِمَنْ يُقْتَدٰى بِهٖ

یہ کہ جن لوگوں کی اقتدا ہوتی ہے، علما مشائخ یا دنیا کے بڑے کہ جن کی بات کو دوسرے لوگ مانتے ہیں، نقل کرتے ہیں۔ اگر وہ بندے بھی گناہ کریں گے تو ان کے چھوٹے گناہ کو بڑا کر دیا جائے گا۔ کیوں؟ اس لیے کہ ان کے گناہ کرنے سے گناہ پھیلے گا۔ ان کو زیادہ احتیاط کرنی چاہیے۔

اس کی دلیل قرآن پاک سے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیویوں کو حکم دیا:

مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ

آپ سے اگر کوئی غلطی ہو گئی تو دگنا عذاب دیں گے۔

تو معلوم ہوا کہ علما اور صلحا کو اور بھی زیادہ گناہوں سے بچنے کی ضرورت ہے۔

توبہ پر معاون بننے والے امور

بعض کام ایسے ہوتے ہیں جو توبہ پر انسان کے معاون بنتے ہیں۔ ان کاموں کو زیادہ کرنا چاہیے۔

(۱) اخلاص:

ان میں سے پہلا کام ہے اخلاص۔ جب انسان اخلاص سے توبہ کر لیتا ہے تو پھر اللہ اس کو گناہوں سے بچا لیتے ہیں۔ اور اسکی دلیل یہ کہ اللہ تعالیٰ یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ﴾

(یوسف:۲۴)

''اس طرح ہم نے ان سے برائی اور بے حیائی کو دور کیا بے شک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا''

مخلص تھے اس لیے ہم نے ان کو اس سے محفوظ فرما لیا۔

(۲) دل میں محبت الٰہی پیدا کرنا:

دوسری چیز جو گناہ سے انسان کو بچاتی ہے:

اِمْتِلَاءُ الْقَلْبِ مِنْ مُحَبَّةِ اللّٰهِ

''دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے بھر جائے''

اللہ کی محبت دل میں کیسے بڑھے؟ اس کے لیے ذکر کرنا پڑتا ہے۔ انسان کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرے۔ آج تو ایسا عجیب وقت آگیا کہ پوچھتے ہیں کہ جی

معمولات کرتے ہیں؟ جواب میں بتاتے ہیں کہ استغفار بھی ہو جاتا ہے درود شریف بھی ہو جاتا ہے اور قرآن کی تلاوت بھی ہو جاتی ہے۔ دو کام جی مشکل ہیں۔ ایک وقوف قلبی اور دوسرا مراقبہ۔ یعنی مریض یہ جواب دے رہا ہے کہ میں وٹامن بھی کھاتا ہوں، درد کی گولی بھی کھاتا ہوں لیکن اینٹی بائیوٹک مجھ سے نہیں کھائی جاتی۔ بھائی اینٹی بائیوٹک نہیں کھائیں گے تو بخار کیسے اترے گا؟ یہ مراقبہ گناہوں سے بچنے کے لیے اینٹی بائیوٹک کا کام کرتا ہے، اس کا کرنا ضروری ہے۔ اور یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ بگڑتا تو انسان سالوں میں ہے اور چاہتا ہے کہ منٹوں میں ٹھیک ہو جائے۔ منٹوں میں کبھی کوئی سنورا؟ اچھا بتائیں کہ کوئی میٹرک کا نہیں پرائمری سکول کا بچہ منٹوں کے لحاظ سے روزانہ پڑھے تو کیا وہ پرائمری میں پاس ہو جائے گا۔ منٹوں کے حساب سے پڑھنے والا بچہ پرائمری میں پاس نہیں ہوتا تو اس ولایت کے امتحان میں کیسے پاس ہو جائے گا۔ گھنٹوں لگتے ہیں، سالوں لگتے ہیں پھر انسان امتحانوں میں پاس ہوتا ہے۔ تو مراقبہ بھی اسی طرح ہے۔ اسی لیے جنہوں نے مراقبے سے فائدہ اٹھایا وہ لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے ڈٹ کر مراقبہ کیا۔

یہ بات یاد رکھنا! جتنا گڑ اتنا میٹھا۔ آپ چائے کے کپ میں تین ذرے ڈال دیں تو کیا چائے میٹھی ہو جائے گی؟ اور ادھر تو تین ذرات سے کپ میٹھا نہیں ہوتا...... ادھر تو پھر چمچ ہوتے ہیں...... ایک چمچ پھر دوسرا چمچ...... ایک صاحب چائے میں چینی زیادہ پیتے تھے۔ چائے پیتے اس لیے تھے کہ میٹھی ہوتی ہے۔ محفل میں جب پوچھا جاتا تو سب کہتے ایک چمچ، جب ان سے پوچھا جاتا کتنی ڈالیں تو وہ کہتے ایک چمچ تین بار۔ تو چائے میں تو چمچ بار بار ڈالتے ہیں کہ میٹھی ہو جائے تو بھائی پھر مراقبہ منٹوں میں کیوں؟ مراقبہ بھی اسی طرح زیادہ کرنا چاہیے۔

ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں ایسے بزرگ بھی گزرے ہیں جو دنوں کے اعتبار سے مراقبہ کرتے تھے۔ سید احمد بدوی رحمۃ اللہ علیہ مصر میں ایک بزرگ گزرے ہیں۔ اس عاجز کو ان کے مزار پر جانے کا موقع ملا۔ وہ عجیب شخصیت تھے۔ چالیس چالیس دن کا مراقبہ کرتے تھے۔ فقط نماز کے لیے اٹھتے تھے اور نماز کے بعد پھر مراقبہ، پھر اگلی نماز کے لیے اٹھتے تھے، پھر مراقبہ، چالیس چالیس دن تک مراقبے کے سوا کوئی دوسرا کام نہیں ہوتا تھا۔ اتنا مراقبہ کرنے کی وجہ سے کتابوں میں لکھا ہے کہ ان کا چہرہ اتنا منور ہوگیا تھا کہ ان کے چہرے کو دیکھنے کی تاب لوگوں میں نہیں تھی۔ تو وہ چہرے پہ نقاب ڈالا کرتے تھے۔ جیسے بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر تجلی پڑی تو اس کے بعد ان کا چہرہ لوگ دیکھ نہیں پاتے تھے۔ ان بزرگوں کا بھی یہی حال تھا۔ چنانچہ کئی سال انہوں نے چہرے کے اوپر نقاب رکھا، چہرہ چھپائے رکھا۔ ان کا ایک خادم تھا، اس نے ایک مرتبہ کہا جی اتنا عرصہ ہوگیا آپ کی خدمت کرتے ہوئے مجھے اپنا چہرہ تو دکھا دیجیے۔ چنانچہ انہوں نے جب چہرے سے کپڑا ہٹایا اس آدمی نے دیکھا زیارت کی اور بے ہوش کر گر گیا۔ ان کو دیکھنے کی تاب نہیں تھی۔ جو اللہ کی یاد کرتے ہیں اللہ ان کے چہروں کو ایسے منور کر دیتے ہیں۔ آپ چھپ چھپ کر مراقبہ کریں گے اللہ تعالیٰ ان مراقبوں کا نور آپ چہرے پر سجا دیں گے۔ تو اس لیے زیادہ مراقبہ کرنے سے اللہ کی محبت دل میں زیادہ بڑھتی ہے اور انسان کے لیے پھر گناہوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔

(۳) مجاہدہ:

تیسری چیز ہے مجاہدہ، کہ توبہ کر کے کچھ مجاہدہ بھی کرنا ہوتا ہے۔ بڑا جی چاہتا ہے کہ یہاں جاؤ وہاں جاؤ، ادھر دیکھو ادھر دیکھو۔ بھائی! جب بدنظری سے توبہ کر لی اب

کوئی نیلی ہے یا پیلی ہے تو ہمیں اس سے کیا واسطہ۔ تو انسان اپنے اوپر تھوڑا جبر بھی کرے کہ مجھے بدنظری سے ہر حال میں بچنا ہے۔

اسی طرح دوسری برائیوں کے مواقع سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے انسان مجاہدہ کرے۔ انسان اپنے نفس کو مجاہدے کی لگام ڈالے تو توبہ پر استقامت نصیب ہو جاتی ہے۔

(۴) فکرِ آخرت:

ایک چیز جو توبہ کے اوپر جماتی ہے، اس کو کہتے ہیں:

قَصْرُ الْاَمَلْ وَ تَذَكُّرَ الْآخِر

امیدوں کا کم ہونا اور موت کی یاد

انسان کم از کم رات کو سوتے ہوئے اپنی موت کو یاد کرے۔ اگر دن میں بار بار یاد کرے تو کیا ہی اچھی بات ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک انگوٹھی بنوائی تھی اور اس کے اوپر لکھوایا تھا۔

كَفٰى بِالْمَوْتِ وَاعِظًا يَا عُمَر

اے عمر! تیرے لیے موت ہی کافی واعظ ہے۔

جب عمر رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو موت یاد دلاتے تھے تو پھر ہمیں موت کو یاد کرنے کی کتنی ضرورت ہے۔

(۵) مواقع گناہ سے بچنا:

اَلْبُعْدُ عَنِ الْمَصِيْرَاتِ وَ مَا يَذْكُرُ بِالْمَعْصِيَةِ

جن مجالس میں جن جگہوں پہ گناہ کی یاد آتی ہے ان جگہوں سے بچنا۔

(۶) نگاہوں کا جھکانا:

غَضُّ الْبَصَرِ ''نظر کو جھکا کر رکھنا''

نظروں کو جھکانا بھی توبہ پر استقامت کا باعث ہے۔نظروں کو جھکانا دل کو گناہ کے خیال سے بچاتا ہے۔اس لیے بزرگوں نے کہا

فالعین مرأة القلب

آنکھ دل کا آئینہ ہے

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے دل کا اس سے متاثر ہونا یقینی ہے، انجامِ کار بات توبہ کے ٹوٹنے تک جا پہنچتی ہے۔ہمارے مشائخ کے ہاں ایک اصطلاح چلتی ہے'' نظر بر قدم'' نظروں کو قدموں پر رکھنا۔نظر بر قدم کو اختیار کرنے میں انسان کے لیے خیالات میں یکسوئی، گناہوں سے بچاؤ ہے اور روحانی ترقی بھی ہے۔

(۷) برے لوگوں سے بچنا:

مَجَانِبَةُ الْاَشْرَارِ

شریر لوگوں سے اجتناب کرنا

برے لوگوں کی سنگت اپنا اثر دکھا کر رہتی ہے۔ بلکہ کہا گیا کہ برے بندے کی دوستی شیطان سے بھی زیادہ بری ہے۔کیونکہ شیطان تو صرف برائی کا وسوسہ ڈالتا ہے جب کہ برا دوست ہاتھ پکڑ کر گناہ کروا دیتا ہے۔اس لیے بری صحبت سے بچنا بہت ضروری ہے۔

(۸) نیک لوگوں کی صحبت:

مَصَاحِبَةُ الْاَخْیَارِ

نیک لوگوں کی مجلس میں بیٹھنا۔

نیک لوگوں کی صحبت توبہ پر قائم رہنے میں معاون ہے۔ نیک صحبت کے اتنے فوائد و برکات ہیں کہ اس پر مستقل الگ بیان ہو سکتا ہے۔

(۹) انجامِ کار پر نظر:

اَلنَّظْرُ فِی الْعَوَاقِبُ

''عواقب میں نظر کرنا''

مطلب یہ کہ اس پر غور کریں کہ جن لوگوں نے گناہ کیے ان کا انجام کتنا برا ہوا۔ سوچیں کہ شرابی کا انجام کتنا برا......زانی کا انجام کتنا برا......سود کھانے والے کا انجام کتنا برا......ہم نے اپنی زندگی میں درجنوں کے حساب سے سودی کام کرنے والوں کا پورا کاروبار ڈوبتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس پر نظر کرنے سے بندے کو توبہ کی توفیق اور استقامت نصیب ہوتی ہے۔

(۱۰) لذاتِ دنیا سے بچنا:

هِجْرُ الْعَلَائِقْ

تعلقات سے بچنا

دنیا کی لذتوں سے، شہوات سے اپنے آپ کو بچائے۔ جتنا ان میں مشغول ہوگا اتنا پھسلنے کا چانس بڑھ جائے گا۔

(۱۱) خیالات کی اصلاح:

اِصْلَاحُ الْاَفْکَارِ

''سوچ کی اصلاح''

گناہ کی ابتدا سوچ سے شروع ہوتی ہے۔ شیطان یا نفس ذہن میں خیال ڈالتے ہیں۔ انسان ایک خیال کو سوچنا شروع کرتا ہے اور ٹریپ ہو جاتا ہے۔ جس بندے نے یہ نیت کر لی کہ میں نے گناہ کا خیال ذہن میں جمنے ہی نہیں دینا، وہ انسان گناہ سے آسانی سے بچ جاتا ہے اور آپ دیکھیں کہ اکثر نوجوان غلط سوچوں کی وجہ سے گناہ پر آجاتے ہیں۔ اور کئی تو باقاعدہ Fantsy (تصورات میں) بیٹھے ہوئے، لیٹے ہوئے گناہ کی سٹوریاں سوچ رہے ہوتے ہیں، اور لذتیں پا رہے ہوتے ہیں اور ایسا وقت انسان کی زندگی کا بدترین وقت ہوتا ہے۔

چنانچہ ہمارے مشائخ نے لکھا کہ جتنی دل پہ ظلمت گناہ کا تصور باندھنے سے ہوتی ہے اتنی ظلمت گناہ کے کرنے سے بھی نہیں ہوتی اور آج اس کے مریض آپ کو اکثر نظر آئیں گے، مرد ہوں یا عورتیں سوچ کے گناہوں میں مبتلا ہوں گے۔ اس سوچ کو پاک کرنے کی ضرورت ہے۔

نکتے کی بات ہے کہ فکر کی گندگی ہمیشہ ذکر سے دور ہوتی ہے۔ کثرت سے مراقبہ کریں گے تو سوچ پاک ہو جائے گی۔ شروع میں شیطان وسوسے ڈالتا ہے، مراقبے میں بیٹھو تو برے خیال آتے ہیں، اس سے گھبرائیں نہیں۔ بیٹھے رہنے سے آہستہ آہستہ وہ خیال کم ہوتے جائیں گے اور اللہ کی طرف رجوع والا وقت بڑھتا جائے گا۔ ایک وقت آئے گا کہ آپ بیٹھیں گے تو اللہ کی یاد میں ڈوب جائیں گے، ماسوا کا خیال ہی دل سے نکل جائے گا۔

(۱۲) گناہ چھوڑنے کے فوائد کو سوچنا:

اِسۡتَحۡضَارُ فَوَائِدِ تَرۡكِ الۡمَعَاصِیۡ

گناہوں کو چھوڑنے کے فوائد کو یاد کریں

جب گناہوں کے چھوڑنے کے فوائد کو سوچیں گے تو دل میں توبہ کا جذبہ پیدا ہوگا۔

(۱۳) گناہوں کے نقصانات کو سوچنا:

اِسۡتَحۡضَارُ اِضۡرَارِ الذُّنُوۡبِ

گناہوں کے جو نقصان ہیں ان کو یاد کیا کریں۔

(۱۴) شہوت کی ذلت کو سوچیں:

اِنَّ الصَّبۡرَ عَنِ الشَّهۡوٰةِ اَسۡهَلُ مِنَ الصَّبۡرِ عَلٰى مَا تُوۡجِبُهُ الشَّهۡوَةُ

شہوت کو پورا کرنے کے لیے جو ذلت اٹھانی پڑتی ہے، وہ زیادہ مشکل ہے۔ اور شہوت کو ضبط کرنے کا مجاہدہ کر لینا آسان کام ہے۔

(۱۵) دعا:

پھر ایک عمل ہے دعا۔ انسان اللہ تعالیٰ سے دعا بھی مانگے کہ اے اللہ! میری توبہ کو قبول کر لیجیے! مجھے توبہ کے اوپر پکا کر دیجیے! حدیث پاک میں ہے:

رَبِّ اغۡفِرۡ وَ تُبۡ عَلَیَّ اِنَّكَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ

(۱٦) اللہ تعالیٰ سے حیا:

اور ایک ہے کہ انسان اپنے آپ کو احساس دلائے کہ مجھے اللہ سے حیا کرنی ہے۔ محسن کی نافرمانی کرنے سے انسان کو حیا آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ہمارا محسن حقیقی ہے، ہمیں حیا کرنی چاہیے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اِنَّ لِكُلِّ دِیۡنٍ خُلُقًا وَ خُلُقُ الۡاِسۡلَامِ الۡحَیَاءُ

''ہر دین میں خلق ہوتا ہے اور دینِ اسلام کا خلق حیا ہے''

ایک حدیث میں فرمایا:

اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ

''حیا ایمان کا حصہ ہے''

اور ایک حدیث میں فرمایا کہ پہلے جو انبیا آئے ان کی تعلیمات میں سے جو تعلیمات باقی رہیں ان میں ایک تعلیم یہ تھی:

((اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِیْ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ))

''جب تو بے حیا بن گیا تو پھر جو چاہے کرتا پھرے''

یہ جو حیا ہوتی ہے یہ انسان کو گناہ سے بچاتی ہے۔

(۱۷) اصلاحِ مزاج:

اور کئی مرتبہ انسان اپنی طبیعت کی وجہ سے گناہ کرتا ہے۔ مثال کے طور پر غصے والا مزاج ہے تو ایک دم غصے میں آجاتا ہے، ذرا سی بات پر بھڑک اٹھتا ہے۔ طبیعت جو ایسی ہوتی ہے۔ طبیعت میں شہوت زیادہ ہے تو ذرا سی بات پر شہوت بھڑک اٹھتی ہے۔ طبیعت کی بات ہوتی ہے۔ تو ہمارے مشائخ نے لکھا کہ پھر طبیب کی طرف رجوع کریں۔ چنانچہ حکمت میں بھی دوائیاں ہیں کہ استعمال کریں تو انسان کی سوچ پاک ہو جاتی ہے۔ ہومیو پیتھک کی بھی دوائیاں ہیں اگر استعمال کریں تو انسان کا غصہ ذرا ٹھنڈا ہوتا ہے۔ تو یہ جو طبیعت کے اندر آگ لگی ہوتی ہے نا اس کے لیے اگر باقاعدہ کوئی ڈاکٹر حکیم علاج بھی تجویز کرے تو کر لینا چاہیے۔ ہم نے دیکھا کہ بہت سارے بندے Mently Inbalance (دماغی طور پر غیر متوازن) ہوتے ہیں سائیکی پرابلم (نفسیاتی عوارض) ہوتے ہیں اور سائیکی پرابلم ہونے کی وجہ سے گھر والوں کی زندگی تنگ کر دی ہوتی ہے، ان کے ناک میں دم کیا ہوتا ہے، ان کا جینا حرام

کیا ہوا ہوتا ہے۔ اگر ایسا نفسیاتی مسئلہ ہے تو بھی اس کی دوائی لے لو یہ بھی توبہ کے پکے رہنے کے لیے کئی مرتبہ فائدے مند ہوتی ہے۔

اب توبہ کے کچھ فوائد آپ کو بتاتے ہیں۔

① ......توبہ سے فلاح نصیب ہوتی ہے:

اَلتَّوْبَۃُ سَبَبُ الْفَلَاحُ

''توبہ فلاح کا سبب ہے''

قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿ تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (النور:۳۱)

''اے ایمان والو! تم سب کے سب اللہ سے توبہ کرو تا کہ تم فلاح پا سکو''

② ......توبہ گناہوں کو مٹاتی ہے:

بِالتَّوْبَۃِ تُکَفَّرُ السَّیِّئَاتُ

توبہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

③ ......توبہ گناہوں کو نیکیوں میں بدلتی ہے:

بِالتَّوْبَۃِ تُبَدَّلُ السَّیِّئَات حَسَنَاتٍ

توبہ کی وجہ سے انسان کے گناہ اس کی نیکیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

④ ......توبہ دنیا میں فوائد حاصل ہونے کا ذریعہ:

اَلتَّوْبَۃُ سَبَبٌ لِلْمَتَاعِ الْحَسَنِ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَتَاعًا حَسَنًا إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى﴾ (ھود:۳)

''پھر تم توبہ کرو تا کہ وہ تمہیں ایک مقررہ مدت تک اچھا فائدہ پہنچائے''

۵.....توبہ بارش ہونے کا سبب ہے:

اَلتَّوْبَةُ سَبَبٌ لِنُزُوْلِ الْمَطَرِ

''توبہ بارش کے نازل ہونے کا سبب ہے''

﴿تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَى قُوَّتِكُمْ﴾ (ھود:۵۲)

''پھر تم اس کے آگے توبہ کرو وہ تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا اور تمہاری طاقت پر طاقت بڑھائے گا''

۶.....توبہ کرنے والے سے اللہ خوش ہوتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ يَفْرَحُ بِا التَّوْبَةِ التَّائِبِيْنَ

اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کی توبہ سے خوش ہوتے ہیں۔ بلکہ فرمایا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ﴾

''اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں''

تائب کا مقام:

ایک نکتہ یہ ہے کہ ایک بندہ جو نیک تھا اور گناہ کر بیٹھا۔ توبہ کرنے سے اس کو اللہ کے ہاں وہی مقام مل جائے گا یا اب نئے سرے سے پھر اعمال کرنے پڑیں گے؟ یہ سوال بنتا ہے نا کہ نیک تھا نیکی کرتا تھا پھر بتقاضائے بشریت گناہ کر بیٹھا، اب گناہ

کیا ہوا ہوتا ہے۔ اگر ایسا نفسیاتی مسئلہ ہے تو بھئی اس کی دوائی لے لو یہ بھی توبہ کے پکے رہنے کے لیے کئی مرتبہ فائدے مند ہوتی ہے۔

توبہ کے فوائد

اب توبہ کے کچھ فوائد آپ کو بتاتے ہیں۔

۱......توبہ سے فلاح نصیب ہوتی ہے:

اَلتَّوْبَۃُ سَبَبُ الْفَلَاحُ

''توبہ فلاح کا سبب ہے''

قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿تُوبُوۡۤا اِلَی اللّٰہِ جَمِیۡعًا اَیُّہَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ﴾ (النور:۳۱)

''اے ایمان والو! تم سب کے سب اللہ سے توبہ کرو تا کہ تم فلاح پا سکو''

۲......توبہ گناہوں کو مٹاتی ہے:

بِالتَّوْبَۃِ تُکَفَّرُ السَّیِّئَاتُ

توبہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

۳......توبہ گناہوں کو نیکیوں میں بدلتی ہے:

بِالتَّوْبَۃِ تُبَدَّلُ السَّیِّئَات حَسَنَاتٍ

توبہ کی وجہ سے انسان کے گناہ اس کی نیکیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

۴......توبہ دنیا میں فوائد حاصل ہونے کا ذریعہ:

اَلتَّوْبَۃُ سَبَبٌ لِلْمَتَاعِ الْحَسَنِ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَتَاعًا حَسَنًا إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى﴾ (ھود:۳)

''پھر تم توبہ کروتا کہ وہ تمہیں ایک مقررہ مدت تک اچھا فائدہ پہنچائے''

۵ ......توبہ بارش ہونے کا سبب ہے:

اَلتَّوْبَةُ سَبَبٌ لِنُزُوْلِ الْمَطَرِ

''توبہ بارش کے نازل ہونے کا سبب ہے''

﴿تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَى قُوَّتِكُمْ﴾ (ھود:۵۲)

''پھر تم اس کے آگے توبہ کرو وہ تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا اور تمہاری طاقت پر طاقت بڑھائے گا''

۶ ......توبہ کرنے والے سے اللہ خوش ہوتے ہیں:

إِنَّ اللّٰهَ يَفْرَحُ بِالتَّوْبَةِ التَّائِبِيْنَ

اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کی توبہ سے خوش ہوتے ہیں۔ بلکہ فرمایا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ﴾

''اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں''

تائب کا مقام:

ایک نکتہ یہ ہے کہ ایک بندہ جو نیک تھا اور گناہ کر بیٹھا۔توبہ کرنے سے اس کو اللہ کے ہاں وہی مقام مل جائے گا یا اب نئے سرے سے پھر اعمال کرنے پڑیں گے؟ یہ سوال بنتا ہے نا کہ نیک تھا نیکی کرتا تھا پھر بتقاضائے بشریت گناہ کر بیٹھا، اب گناہ

کرنے کے بعد کیا اسکا وہ درجہ ہمیشہ کے لیے گر گیا اور نئے سرے سے اس کو عمل کرنا چاہئیں یا سچی توبہ کر کے اللہ کے ہاں اس درجے پر دوبارہ آسکتا ہے؟ اس بارے میں علما نے دو باتیں کہیں ہیں۔

بعض علما نے تو یہ کہا کہ جیسے ایک پرندہ پرواز کر رہا ہو اور وہ نیچے زمین پر آجائے تو اس کو دوبارہ پھر پرواز کرنی پڑتی ہے۔ تو اس کے گناہ کا معاملہ تو ایسا ہی ہے پرواز کر رہا تھا گناہ نے اس کو زمین پر اتار دیا۔ جیسے بھول نے آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتار دیا۔ لہٰذا اب دوبارہ وہی محنت کرنی پڑے گی۔

مگر ایسا کہنے والے علما تھوڑے ہیں۔ زیادہ علما نے یہ بات کہی کہ ہاں سچی توبہ کرنے سے اس کو ہو بہو پہلے والا درجہ مل سکتا ہے اور دلیل انہوں نے اس حدیث پاک سے لی کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ))

''گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہی جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں''

تو معلوم ہوا کہ سچی توبہ سے اللہ تعالیٰ پھر وہی مقام عطا فرما دیتے ہیں۔

بعض ایسے بھی علما تھے کہ انہوں نے کہا کہ سچی توبہ کرنے پر اللہ تعالیٰ اس کو پرانا درجہ نہیں بلکہ اس سے بھی اونچا درجہ عطا فرمائیں گے اور اس کی دلیل انہوں نے اس حدیث پاک سے دی، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

اِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلَ الذَّنْبَ يُدْخِلُ بِهٖ الْجَنَّةَ

''بندہ گناہ کرتا ہے اور گناہ پر توبہ کرنے کہ وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو جنت عطا فرما دیتے ہیں۔''

توبہ کا انعام

بہر حال یہ بات پکی ہے کہ جو بندہ سچی توبہ کر لیتا ہے اس کو جو کچھ وہ چھوڑتا ہے اس سے زیادہ بہتر بدلہ عطا کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی قدر دان اور کریم ذات ہے۔ چنانچہ فرمایا:

مَنْ تَرَكَ لِلّٰهِ شَيْئًا عَوَّضَهُ اللّٰهُ خَيْرًا مِنْهُ

جو اللہ کے لیے گناہ کو چھوڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس کو بہتر چیز عطا فرماتے ہیں۔

مثال کے طور پر:

◉ **تکبر چھوڑنے کے بدلے بلندی:**

مَنْ تَرَكَ الْكِبْرَ

جس بندے نے تکبر کو چھوڑا، اسے تکبر چھوڑنے کے بدلے بلندی ملتی ہے۔

حدیث پاک میں آیا ہے:

((مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ))

جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اس کو اللہ بلندی عطا فرماتا ہے۔

تو دیکھو جب تکبر کو چھوڑا تو اب اس کو کیا ملا؟ اللہ نے بلندی عطا فرمائی تو بہتر بدلہ ملا نا۔

◉ **نظر بچانے کے بدلے حلاوت عبادت:**

حدیث پاک میں آتا ہے:

((مَنْ تَرَكَ النَّظْرَ اِلَى الْمَحْرَمِ عَوَّضَهُ اللّٰهُ فِرَاسَةً صَادِقَةً وَلَذَّةً

یَجِدُ حَلَاوَتَهَا فِي قَلْبِهِ))

''جو غیر محرم سے اپنی نظر کو بچاتا ہے تو اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کو عبادت میں حلاوت عطا فرما دیتے ہیں۔''

تو دیکھو ایک لمحے کی آنکھ کی احتیاط کی تو عبادت کے اندر اللہ نے لذت عطا فرما دی۔ تو معلوم ہوا کہ گناہ چھوڑنے پر اللہ اس کو زیادہ چیز عطا فرما دیتے ہیں۔

نماز میں سستی چھوڑنے کے بدلے زندگی کی برکت:

مَنْ تَرَكَ الْمَنَامَ وَ قَامَ لِلصَّلٰوةِ

جو سستی چھوڑے، نیند چھوڑے نماز پڑھے،

اسے کیا انعام ملتے ہیں؟ ایک روایت میں ہے یا کسی بزرگ کا قول ہے کہ فجر کی نماز قضا ہونے پر زندگی سے برکت ختم ہو جاتی ہے تو جو نماز پڑھے گا اس کی زندگی میں برکت آجائے گی۔

☆ ظہر کی نماز قضا کرنے پر چہرے سے صلحا کا نور ختم کر دیا جاتا ہے۔

☆ عصر کی نماز قضا کر لینے پر اعمال کی توفیق ختم کر دی جاتی ہے۔ کیا مطلب؟ تلاوت کرنے کو دل نہیں چاہتا، نفل پڑھنے کو دل نہیں چاہتا، مراقبے کو دل نہیں چاہتا۔

☆ مغرب کی نماز قضا کرنے پر رزق کی لذت سے محروم ہو جاتا ہے۔

معدے میں السر ہو گیا، گھر میں مہمانوں کے لیے سب کچھ پکا ہے مگر یہ کھا نہیں سکتا۔ بیٹھا دیکھ رہا ہے، رزق ہے مگر اللہ نے رزق کی لذت سے محروم کر دیا۔

☆ عشا کی نماز قضا کرنے پر دنیا اور آخرت میں بے اعتماد بن جاتا ہے۔

کتنے لوگ ہیں بات کرتے ہیں دوسرے اعتماد نہیں کرتے کہ کچھ نہ کچھ گڑ بڑ ہوگی۔ یعنی اللہ لوگوں کے دلوں سے ان کا اعتماد نکال دیتے ہیں۔ تو یہ کتنی بڑی انسان کے لیے نقصان کی بات ہے۔

◎ غیر محرم کی محبت چھوڑنے کے بدلے اللہ کی محبت:

مَنْ تَرَكَ الْعِشْقَ مُلِئَ قَلْبُهٗ مَحَبَّةً لِلّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ

''جس نے غیر محرم کے عشق سے توبہ کی اللہ اس کے دل کو اپنی محبت سے بھر دیتے ہیں''

◎ انتقام چھوڑنے کے بدلے اطمینانِ قلب:

مَنْ تَرَكَ الْاِنْتِقَامَ مَعَ قُدْرَتِهٖ عَوَّضَهُ اللّٰهُ طَمَانِيَّةً

جس بندے کو قدرت تھی، پھر اس نے انتقام نہ لیا اللہ اس کے دل میں طمانیت اور سکون عطا فرما دیتے ہیں۔

◎ سود کو چھوڑنے کے بدلے رزق میں برکت:

مَنْ تَرَكَ الرِّبٰوا بَارَكَ اللّٰهُ فِيْ رِزْقِهٖ وَ فَتَحَ لَهٗ اَبْوَابَ الْخَيْرِ

''جس نے سود کو چھوڑ دیا اللہ تعالیٰ اسے رزق میں برکت دیتے ہیں اور اس کے لیے خیر کے دروازے کھول دیتے ہیں''

◎ ملاوٹ چھوڑنے کے بدلے عزت واحترام:

مَنْ تَرَكَ الْغَشَّ فِي الْبَيْعِ وَ الشِّرَاءِ زَادَتْ ثِقَّةُ النَّاسِ بِهٖ

جو خرید وفروخت میں ملاوٹ سے توبہ کرلے، اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں اس کی عزت اور احترام بھر دیتے ہیں۔

◉ جھوٹ چھوڑنے کے بدلے اجابتِ دعا:

مَنْ تَرَكَ الْكِذْبَ اَكْرَمَهُ اللّٰهُ بِاِجَابَةِ الدُّعَاءِ

''جس نے جھوٹ بولنا چھوڑ دیا اللہ تعالیٰ قبولیتِ دعا سے اس کا اکرام کرتے ہیں''

اللہ تعالیٰ سچے بندے کی دعاؤں کو رد کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔تو کتنا اچھا بدلہ ملا۔

◉ تقدیر کا شکوہ چھوڑنے کے بدلے اللہ کی رضا:

مَنْ تَرَكَ الْاِعْتِرَاضِ عَلٰى قَدْرِ اللّٰهِ رَزَقَهُ اللّٰهُ الرِّضَا وَ الْيَقِيْنَ

جو بندہ اللہ کی لکھی تقدیر پر اعتراض کرنا چھوڑ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے رضا اور یقین کی دولت عطا فرماتے ہیں

◉ دنیا چھوڑنے کے بدلے دنیا جھکتی ہوئی ملتی ہے:

مَنْ تَرَكَ التَّكَالُبَ عَلَى الدُّنْيَا جَمَعَهُ اللّٰهُ لَهٗ اَمْرَهٗ اَتَتْهُ الدُّنْيَا رَاغِمَةً

جو بندہ دنیا کی طرف اپنا جھکاؤ چھوڑ دیتا ہے اور دین کی طرف آجاتا ہے اخلاص کے ساتھ تو دنیا اس کے پیچھے ناک رگڑتی ہوئی آجاتی ہے

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں تھے، ایک بندہ آیا اور اس نے آکر حضرت کو ہدیہ پیش کیا، حضرت! آپ کے حالات ٹھیک نہیں ہیں تو آپ یہ ہدیہ قبول کر لیں۔حضرت کی ایک عادت تھی، فرماتے تھے جو مجھے محتاج سمجھ کر ہدیہ دے گا میں قبول نہیں کروں گا، جو سنت سمجھ کر ہدیہ دے گا، لے لوں گا۔اب وہ رقم بھی کافی ساری لایا مگر کہہ یہ بیٹھا کہ حضرت آپ حالات ٹھیک نہیں ہیں ہدیہ قبول کر لیں۔حضرت نے

فرمایا: آپ یہ لے جاؤ مجھے ضرورت نہیں۔ وہ بڑا پریشان، بڑی منت سماجت کی، حضرت نے نہ کر دی، چلا گیا۔ اور جاتے ہوئے اس کو مسجد کے دروازے کے قریب حضرت کے جوتے پڑے ہوئے نظر آئے تو وہ جوتوں کے اندر سارے پیسے رکھ گیا تھا۔ کافی دیر کے بعد جب حضرت اپنے گھر جانے کے لیے جوتے پہننے لگے تو وہی پیسے جو وہ دینا چاہتا تھا وہ پڑے نظر آئے۔ تو حضرت فرمانے لگے: آج پتہ چل گیا کہ انسان دنیا سے اعراض کرتا ہے تو دنیا ناک رگڑتی ہوئی اس کے پاؤں میں آجاتی ہے۔

ایک شخص نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک لاکھ روپیہ ہدیہ بھیجا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب استاد کی تنخواہ دو روپے تین روپے تھی۔ جب دو روپے تین روپے تنخواہ ہو تو ایک لاکھ تو بہت بڑی مالیت ہوتی ہے، حضرت نے اس کو واپس کر دیا۔ اس کو بڑا عجیب لگا تو اس نے خط لکھا کہ حضرت! میں نے آپ کو اتنی بڑی رقم ہدیہ میں بھیجی لیکن آپ نے واپس کر دی، آپ کو ایسا مرید نہیں ملے گا۔ حضرت نے اسی خط کے بیک پر جواب لکھا کہ اچھا میں نے تمہارے ایک لاکھ واپس کر دیے، تمہیں بھی ایسا پیر نہیں ملے گا۔

تو جو انسان دنیا سے اعراض کرتا ہے تو دنیا اس کے پیچھے آتی ہے۔ دنیا ایک سائے کی مانند ہے، کوئی بندہ سائے کے پیچھے بھاگے تو سایہ ہاتھ نہیں آتا اور اگر اپنے رخ کی طرف جائے تو سایہ پیچھے پیچھے آتا ہے۔ یہی دنیا کا معاملہ ہے۔

◎ دولت چھوڑنے کے بدلے بے حساب رزق:

مَنْ تَـرَكَ الذَّهَابَ لِلْعَرَّافِيْنَ وَ السَّحْرَه رَزَقَهُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبْ

’’جو نجومیوں اور عاملوں کے پاس جانا چھوڑ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ایسی

جگہوں سے رزق عطا فرماتے ہیں ہیں کہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔"

- بخل چھوڑنے کے بدلے لوگوں کی محبت:

مَنْ تَرَكَ الْبُخْلَ رَزَقَهُ اللّٰهُ حُبَّ النَّاسَ

جو بخل کو چھوڑتا ہے، اللہ اسے لوگوں کی محبت عطا کر دیتے ہیں

- بری صحبت چھوڑنے کے بدلے نیکوں کی صحبت:

مَنْ تَرَكَ صُحْبَةُ السُّوْءَ عَوَّضَهُ اللّٰهُ اَصْحَابًا اِبْرَارًا

"جو بری صحبت کو ترک کرتا ہے اللہ نیک لوگوں کا ساتھ عطا فرماتا ہے"

- عیب بینی چھوڑنے کے بدلے خود بینی:

مَنْ تَرَكَ الْوَقِيْعَةَ فِیْ اِعْرَاضِ النَّاسِ رُزِقَ التَّبَصُّرَ فِی عُیُوْبِ نَفْسِهٖ

"جو دوسروں کے عیوب دیکھنا چھوڑ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اپنے عیوب پر مطلع فرماتے ہیں"

- حسد چھوڑنے کے بدلے نقصانات سے حفاظت:

مَنْ تَرَكَ الْحَسَدَ سَلَمَ مِنْ اَضْرَارِهٖ الْمُتَنَوَّعَةِ

"جو حسد کو چھوڑتا ہے اللہ اسے مختلف نقصانات سے بچا دیتے ہیں"

- قطع رحمی چھوڑنے کے بدلے رزق اور عمر میں برکت:

مَنْ تَرَكَ قَطْعِيَّةَ اَرْحَامِهٖ بَارَكَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِی رِزْقِهٖ وَ عُمَرِهٖ

''جو بندہ قطع رحمی کو چھوڑ دے اللہ تعالیٰ اس کے رزق اور اس کی عمر کے اندر برکت عطا فرما دیتے ہیں۔''

چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ تم ہے صلہ رحمی کرو اللہ تعالیٰ تمہاری عمر میں بھی اور تمہارے رزق مین بھی برکت عطا فرما دے گا۔

◉ والدین کی نافرمانی چھوڑنے کے بدلے فرمانبردار اولاد:

مَنْ تَرَكَ الْعُقُوْقَ فَكَانَ بَرًّا بِوَالِدِهٖ رَزَقَهُ اللّٰهُ اَوْلَادًا لُبَرَرَةً

''جو ماں باپ کی نافرمانی چھوڑے تو اللہ رب العزت اس گناہ سے بچنے پر اس کو آئندہ فرمانبردار اولاد عطا فرما دیں گے۔''

تو جو لوگ کہتے ہیں ناجی میری اولاد نافرمان ہے، تو ان سے ذرا پوچھ کر دیکھیں کہ آپ نے اپنے ماں باپ ساتھ کیا کیا تھا؟ تو فوراً دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔

قرآنی دلیل:

چنانچہ جو انسان گناہ کو چھوڑتا ہے اللہ تعالیٰ اسکو امیدوں سے بڑھ کر اجر عطا فرماتا ہے۔ اس کی اگر دلیل دیکھنی ہو تو قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ اس کی بہترین مثال ہے۔ انہوں نے اپنے آپ کو گناہ سے بچایا، غلام بن کر آئے تھے اللہ رب العزت نے ان کو تخت کے اوپر بٹھا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو عزتوں کا تاج عطا فرما دیا:

﴿اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (یوسف:۹۰)

اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کیا کرتا۔

باطنی غسل کی مجلس

ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اپنے گناہوں سے سچی توبہ کریں۔ آج کی یہ مجلس باطنی غسل کی مجلس ہے۔ جیسے بندہ نہا لیتا ہے تو پسینہ میل ختم ہو جاتا ہے اسی طرح جب انسان توبہ کرتا ہے تو گناہوں کا تمام میل کچیل ختم ہو جاتا ہے۔ بس اتنا یاد رکھیں آج کی اس مجلس میں ہم نے تمام گناہوں سے سچی توبہ کرنی ہے۔ اس کا فائدہ کیا ہوگا؟ ایک تو پچھلی ساری فائلیں جو کھلی ہوئی تھی کلوز ہو جائیں گی۔ ڈیلیٹ کی کمانڈ لگ جائے گی ساری فائلیں ڈیلیٹ...... تو یہ کتنا بڑا فائدہ ہے! یہ ایک نئی زندگی کا آغاز ہوگا۔ سبحان اللہ! اگر ہماری زندگی ساٹھ سال ہے اور سچی توبہ پر اللہ تعالیٰ ساٹھ سال کے پچھلے گناہوں کو معاف کر دیتے ہیں تو سبحان اللہ اس سے بڑی اور کیا نعمت ہو سکتی ہے۔

اجتماعی توبہ کا فائدہ:

مگر یہ بات ذہن میں رکھیں کہ ہم اکیلے توبہ کرتے تو شاید قبول ہوتی یا نہ ہوتی لیکن جب مل کر توبہ کریں گے ایک کی بھی توبہ قبول ہوگئی تو جماعت میں سب کی توبہ قبول ہو جائے گی۔ فقہ کا مسئلہ ہے نا کہ ایک مسجد میں دو سو بندے نماز پڑھ رہے ہیں تو ایک کی بھی نماز قبول ہو جائے تو پوری مسجد کے سب لوگوں کی نماز قبول ہو جاتی ہے۔ حدیث پاک میں بھی ثبوت ملتا ہے کہ نبی ﷺ نے ایک مرتبہ وعظ فرمایا: حدیث پاک میں آتا ہے کہ وَعْظًا بَلِيْغًا بڑا پراثر وعظ تھا۔ مجلس میں ایک صحابی تھے ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور وہ آہیں بھر کر رونے لگے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان کے بعد فرمایا کہ اس شخص کی توبہ کی وجہ سے اللہ نے محفل کے سب بندوں کے گناہوں کو معاف فرما دیا۔ تو حدیث پاک سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ تو کیا پتہ کون کہاں سے آیا؟ اور کتنا دل میں اخلاص لے کر آیا ہم تو نہیں جانتے۔ تو ایک کی بھی توبہ قبول ہوگئی

تو سب کی قبول ہو جائے گی۔ بھائی ہمارا تو داؤ لگ جائے گا۔اس لیے آج کی اس مجلس کو اپنے گناہوں کی بخشش کا موقع سمجھ لیجیے اور سچے دل سے توبہ کیجیے۔اگر شیطان ذہن میں ڈالے کہ پھر گناہ کرلے گا، بھئی! آج تو سچی توبہ کرتے ہیں، کل کی کل دیکھی جائے گی۔پچھلی فائلیں تو کلوز کروائیں۔

رب غفار کا گنہگاروں سے پیار:

جب انسان توبہ کرتا ہے اور اللہ کے سامنے روتا ہے آہیں بھرتا ہے اللہ کو بڑا پسند آتا ہے۔

◉......حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف اللہ نے وحی نازل فرمائی۔

يَا دَاوُدُ اِنِيْنُ الْمُذْنِبِيْنَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ صُرَاخِ الْعَابِدِيْنَ

نیک لوگوں کی جو بڑھ کے باتیں کرنی ہوتی ہیں، ان سے زیادہ مجھے گناہگاروں کی آہوں کے اوپر پیار آتا ہے۔

گناہگاروں پر بڑا پیار آتا ہے، آہیں بھرتے ہیں، روتے ہیں، ان کی جو آواز نکلتی ہے۔اے رب کریم! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے اس پر بڑا پیار آتا ہے۔

◉......ایک صاحب تھے انہوں نے بیس سال عبادت کی پھر غفلت میں پڑ گئے اور بیس سال انہوں نے گناہوں میں گزار دیے۔

ثُمَّ نَظَرَ فِی الْمِرْاٰةِ فَرَاَی الشَّيْبَ فِیْ لِحْيَتِهٖ

ایک دن اس نے شیشہ دیکھا اور اپنی داڑھی میں اس نے سفید بال دیکھے۔

فَاَحْزَنَهٗ ذٰلِكَ

اس پر وہ غمگین ہوا (کہ اتنی عمر گزر گئی اور میں گناہوں میں پڑا ہوا ہوں)

قَالَ يَا رَبِّیْ اِنْ تُبْتُ اِلَيْكَ اَتُقْبِلُنِیْ

کہنے لگا: اے اللہ! اگر میں توبہ کروں تو کیا آپ توبہ کو قبول کرلیں گے؟

فَسَمِعَ هَاتِفًا يَقُوْلُ

پس ایک ہاطف کی آواز سنی جس نے کہا:

يَا فُلَانٌ اَطَعْتَنَا وَشَكَرْنَاكَ

اے فلاں تو نے اطاعت کی ہم نے تیری اس اطاعت کو قبول کیا۔

ثُمَّ تَرَكْتَنَا فَاَمْهَلْنَاكَ

پھر تم نے ہمیں چھوڑ دیا ہم نے تمہیں ڈھیل دے دی۔

ثُمَّ اِنْ عُدْتَ اِلَيْنَا قَبِلْنَاكَ

آپ دوبارہ لوٹ کر آئیں گے تو میرے بندے میں دوبارہ قبول کرلوں گا

فَعَادَ اِلَى التَّوْبَةِ

پس اس نے توبہ کرلی اور وہ نیک بندہ بن گیا۔

⊙......ایک بات بڑی عجیب ہے اور سننے والی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ کہا:

يَا رَبِّ اِذَا سَاَلَكَ الطَّائِعُ مَاذَا تَقُوْلُ لَهٗ

اے پروردگار! جب تیرا کوئی نیک بندہ پکارتا ہے تو آپ جواب میں کیا فرماتے ہیں؟

قَالَ اَقُوْلُ لَبَّيْكَ

فرمایا کہ میں اس بندے کو جو نیک ہوتا ہے پکارنے پر جواب میں کہتا ہوں: لبیک۔

قَالَ فَالزَّاهِدُ

اے اللہ! جب زاہد بندہ پکارتا ہے۔

قَالَ اَقُوْلُ لَبَّيْكَ

فرمایا کہ میں اس کو بھی لبیک سے جواب دیتا ہوں۔

قَالَ فَالصَّائِمُ

اے اللہ! روزہ رکھنے ولا جب پکارتا ہے؟

قَالَ اَقُوْلُ لَهٗ لَبَّيْك

فرمایا: میں اس کے جواب میں بھی لبیک کہتا ہوں۔

قَالَ فَالْخَاطِئُ

اے اللہ! جب خطا کرنے، ولا گناہگا آپ کو پکارتا ہے تو اسے جواب میں کیا کہتے ہیں؟

قَالَ اَقُوْلُ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَبَّيْك

فرمایا کہ اسے میں تین مرتبہ لبیک لبیک کہتا ہوں۔

اوراس کی وجہ بیان فرمائی۔فرمایا: اے موسیٰ!

كُلُّ وَاحِدٍ مِنْ هٰؤُلَاءِ يَتَّكِلُ عَلٰى عَمَلِهٖ وَالْعَاصِي يَتَّكِلُ عَلٰى رَحمَتِي

تم نے جتنوں کا پوچھا سارے کے ساروں کی نظر اپنے عمل پر تھی اور عاصی کی توکل میری رحمت پر تھی۔

وَاَنَا لَا اُخَيِّبُ عَبْدًا اِتَّكَلَ عَلَيَّ لِاَنِّي قُلْتُ وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ

جب میری رحمت پر توکل کرتا ہے تو میرا یہ قانون ہے کہ جو مجھ پر توکل کرتا ہے میں پھراس کے لیے کافی ہوجاتا ہوں۔اس لیے گناہگار بندے کو تین مرتبہ لبیک لبیک کہتا ہوں۔

رحمت الٰہی کا سمندر:

اللہ کی رحمت کے سمندر کے آگے بڑے سے بڑے گناہ کی کوئی حقیقت نہیں وہ سب کو بہا لے جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حال دیکھیے کہ جن لوگوں نے یہ کہا کہ ان اللہ ثالث الثلثة (اللہ تین میں سے تیسرا ہے) جنہوں نے شرک کیا جو نصاریٰ تھے اتنا بڑا گناہ کیا، اللہ رب العزت قرآن مجید میں فرماتے ہیں کہ اگر یہ لوگ اس گناہ سے توبہ کر لیتے، استغفار کر لیتے تو میں ان کے اس گناہ کو بھی معاف کر دیتا۔

اور دوسری مثال قرآن مجید سے۔ کچھ ایسے لوگ تھے کہ جن لوگوں نے اللہ کے اولیا کو شہید کیا، ان کو آگ میں ڈال دیا، اب ذرا سوچیے اللہ کے مقبول بندوں کو اولیاء اللہ کو ایمان والوں کو آگ میں ڈالنا، ایذا پہنچانا کتنا بڑا گناہ ہے؟ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا﴾

(البروج:۱۰)

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ یہ آیت پڑھ کے کہا کرتے تھے کہ جو اس کے اولیاء کو آگ میں ڈال دیتے تھے، اللہ ان کے بارے میں بھی فرماتے ہیں کہ یہ بھی اگر توبہ کر لیتے تو میں ان کی توبہ کو قبول کر لیتا۔ اگر ایسے گناہ بھی اللہ معاف کر دیتے ہیں تو ہمارے گناہ یقیناً اللہ کے ہاں قابلِ معافی ہیں۔ تو ہمیں بھی آج اللہ کے ہاں نفسانی، شہوانی، شیطانی تمام گناہوں سے توبہ کرنی چاہیے۔

اللہ کی شان رحیمی امام حماد رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں:

رب کریم تو اتنے مہربان ہیں کہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حماد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے اور عجیب بات کہی۔ فرمانے لگے:

اَتَرَی اللّٰہَ یَغْفِرُ لِمِثْلِیْ

کہ حماد آپ کی کیا رائے ہے کیا اللہ میرے جیسے کو معاف کر دے گا؟ آپ کیا کہتے ہیں، آپ کی کیا Opinion (رائے) ہے؟

فَقَالَ الْحَمَّادُ وَاللّٰہِ لَوْ خُیِّرْتُ بَیْنَ مَحَاسَبَۃِ اللّٰہِ اِیَّایَ وَ بَیْنَ مَحَاسَبَۃِ اَبَوَیَّ لَاخْتَرْتُ مَحَاسَبَۃَ اللّٰہِ عَلٰی مَحَاسَبَۃِ اَبَوَیَّ وَ ذٰلِکَ اَنَّ اللّٰہَ اَرْحَمُ بِیْ مِنْ اَبَوَیَّ

حماد نے جواب دیا: اللہ کی قسم! اگر اللہ مجھے اختیار دے کہ بندے تیرا محاسبہ میں کرتا ہوں یا تیرا محاسبہ تیرے ماں باپ کرتے ہیں، میں اپنے ماں باپ کے محاسبے کی بجائے اللہ کے محاسبہ کو پسند کروں گا کہ اللہ مجھ پر میرے ماں باپ سے بھی زیادہ مہربان ہیں۔ وہ پروردگار اتنا کریم ہے کہ ماں باپ سے بھی بڑھ کر کریم ہے۔

امیرِ مکہ کے غلام کی توبہ:

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک فقیر کو دیکھا کہ سادہ سا بندہ ہے، پھٹے پرانے کپڑے ہیں، اور وہ یہ کہہ رہا ہے کہ اے اللہ! اگر دنیا کے امیر کا غلام اتنا فخر کرتا ہے تو تیرے غلام کو کتنا فخر کرنا چاہیے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں متوجہ ہوا تو میں نے دیکھا کہ اس فقیر کے آگے ایک اور غلام تھا جو امیر مکہ کا غلام تھا، بڑے اچھے کپڑے پہنے ہوئے، نیچے تک اس کے کپڑے لٹکے ہوئے اور وہ اکڑ اکڑ کے طواف کر رہا تھا کہ امیر مکہ کا غلام ہوں۔ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو کہا کہ ٹھہر جاؤ! وہ ٹھہر گیا۔ میں نے کہا: تم اس فخر سے کیوں چل رہے ہو؟ اس نے کہا کہ جی میں امیر مکہ کا غلام ہوں۔ میں نے کہا کہ یہ جو تیرے پیچھے آ رہا ہے یہ امیر کائنات کا غلام ہے۔ تم تو امیرِ مکہ کے غلام ہو اور یہ ربِ کائنات کا غلام ہے۔ لہٰذا تم

اس کو آگے چلنے دو اور تم اس کے پیچھے چلو۔ کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ بات کہی تو امیر مکہ کا جو غلام تھا اس کا چہرہ سنجیدہ ہو گیا اور بات اس کو سمجھ آ گئی۔ چنانچہ اس نے اس فقیر کو آگے چلایا اور خود اس کے پیچھے چلتا رہا، اس طرح اس نے طواف مکمل کیا۔ کہتے ہیں کہ جب وہ واپس گھر گیا تو جا کر اس نے امیر مکہ کی نوکری سے استعفا دے دیا اور اگلے دن میرے پاس فقیرانہ لباس پہن کر آیا اور آ کر کہنے لگا: ذالنون! کیا میرے لیے اللہ کے ہاں قبولیت کا کوئی راستہ ہے؟

فَقُلْتُ لَهٗ يَا حَبِيْبِي اَبْشِرْ اَنْتَ حَبِيْبُ اللّٰهِ

میں نے اس سے کہا: اے میرے دوست! تجھے بشارت ہو کہ تو اللہ کا دوست ہے۔

اَلتَّائِبُ حَبِيْبُ اللّٰهِ

''توبہ کرنے والا اللہ کا دوست ہوتا ہے''

تو نے سچی توبہ کی تو اللہ کا دوست ہے اور پھر اس کے بعد میں نے اس سے کہا:

اَمَا عَلِمْتَ اَنَّهٗ يَدْعُوْ الْمُدْبِرِيْنَ فَكَيْفَ بِالْمُقْبِلِيْنَ

''کیا تو نہیں جانتا، اللہ تعالیٰ پیٹھ پھیر کر جانے والوں کو بلاتا ہے اور جو اللہ کی طرف رخ کر کے آ رہا ہو اللہ اسے کیوں نہیں قبول کرے گا؟''

کیا عجیب بات کہی ہے؟ سبحان اللہ

اَنَّهٗ يَدْعُوْ الْمُدْبِرِيْنَ فَكَيْفَ بِالْمُقْبِلِيْنَ

اور واقعی بات تو ایسی ہی ہے۔ حق تو یہ بنتا تھا کہ اگر کوئی بندہ اللہ رب العزت کے دروازے سے پیٹھ پھیر کر جاتا تو اللہ تعالیٰ پیٹھ کے پیچھے سے ایک لات لگواتے اور دروازہ بھی ہمیشہ کے لیے بند کر دیتے کہ بدبخت دفع ہو جا یہاں سے۔ اللہ کی شان کا تقاضا تو یہ تھا مگر میرا پروردگار اتنا کریم ہے کہ وہ پیٹھ پھیر کر جانے والوں کو لات نہیں

لگواتے، دروازہ بند نہیں کرتے، وہ فرماتے ہیں:

﴿یَا اَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ﴾ (انفطار:٦)

''اے انسان! تجھے تیرے کریم پروردگار سے کس چیز نے دھوکے میں ڈال لیا''

﴿فَاَیْنَ تَذْھَبُوْنَ﴾

''میرے بندو! کہاں جاتے ہو''

اس رب کریم کا در چھوڑ کر جا رہے ہو جو پروردگار پیٹھ پھیر کے جانے والوں کو اپنے در کی طرف واپس بلاتا ہے، اگر کوئی اللہ کے در کی طرف رخ کر کے آ رہا ہو اللہ تعالیٰ اس بندے کو کیسے قبول نہیں فرمائیں گے؟

وہ کہتے ہیں جب میں نے یہ بات کہی کہ '' اَنَّہٗ یَدْعُوْ الْمُدْبِرِیْنَ فَکَیْفَ بِالْمُقْبِلِیْن '' تو اس بندے کے دل میں تسلی آ گئی اور اس نے عبادت کی زندگی گزارنی شروع کر دی۔ اللہ کی شان کہ تین دن کے بعد اس کی وفات ہو گئی۔ میں نے مکہ مکرمہ میں اتنا بڑا جنازہ نہ دیکھا جیسا اس غلام کا پڑھا۔ چند دن گزرے میں نے اس کو خواب میں دیکھا کہ جنت کے اندر بڑا فخر سے چل رہا ہے، میں نے اس سے پوچھا کہ جنت میں بڑے فخر سے چل رہے ہو اس نے جواب میں کہا ہاں:

﴿اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ نَھَرٍ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ﴾ (القمر:۵۴،۵۵)

اللہ کو ایسے منائیں جیسے بچہ ماں کو:

آج اس مجلس میں اس رب کو منائے بغیر ہم نہیں اٹھیں گے۔ دل میں یہ ارادہ کر لیجیے، اللہ! آج آپ کو منا کے اٹھیں گے۔

اللہ! ہمارے گناہ بہت ہیں، اگر ان کا بوجھ اٹھانا پڑ جائے تو ہم تو بوجھ اٹھا بھی نہیں سکتے۔ چند کلو کا بوجھ اٹھایا نہیں جاتا یہ پہاڑوں برابر گناہوں کا بوجھ ہم قیامت کے دن سر پر کیسے اٹھائیں گے؟

کریم آقا! ہم سے دھوپ کی گرمی برداشت نہیں ہوتی قیامت کے دن کی گرمی کہاں برداشت کریں گے؟

رب کریم! ہم گناہ کر کر کے تھک گئے ہیں، ہم نفس سے عاجز آ گئے ہیں، بس آپ کو مدد کے لیے پکارتے ہیں۔

اے کریم! ہماری مدد فرما دیجیے! ہمارے اس نفس کو نفسِ مطمئنہ بنا دیجیے! اور ہماری توبہ کو قبول کر لیجیے۔

ہم اس طرح سے اللہ کے سامنے توبہ کریں جیسے ایک بچے کی مثال ہے۔

اِنَّ رَجُلًا قَالَ لِلدِّیْنُوْرِیْ

حضرت دینوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک بندہ آیا اور کہنے لگا:

مَا اَصْنَعُ فَکُلَّمَا وَقَفْتُ عَلٰی بَابِ الْمَوْلٰی صَرَفَتْنِی الْبَلْوٰی

میں جتنی مرتبہ بھی اللہ کے دروازے پر کھڑا ہوا میں وہاں سے خالی لوٹ آیا، آپ مجھے سمجھائیں مجھے اللہ کے در پر کیسے کھڑا ہونا چاہیے؟

فَقَالَ کُنْ کَصَبِیٍّ بِاُمِّہٖ

انہوں نے جواب میں کہا: جس طرح چھوٹا بچہ اپنی ماں کے ساتھ معاملہ کرتا ہے تم اللہ کے در پر اللہ کے ساتھ ایسا معاملہ کرو۔

کُلَّمَا ضَرَبَتْہُ یَجْزَعُ بَیْنَ یَدَیْھَا فَلَا یَزَالُ کَذٰلِکَ حَتّٰی تَضُمَّہٗ اِلَیْھَا

''ماں تھپڑ مارتی ہے بچہ اسی کی گود میں پڑتا ہے، وہیں جزع فزع کرتا ہے، وہ اس طرح کرتا رہتا ہے حتی کہ ماں اس کو سینے سے لگا لیتی ہے''

تم اللہ کے دروازے پر آئے ہو، ہم اللہ کے گھر میں بیٹھے ہیں، ہم ایسے ہی گمان کریں کہ آج بچہ اپنی ماں کی گود میں پہنچ گیا، اپنی ماں کو منانا چاہتا ہے، لہٰذا اللہ کے سامنے گناہوں کی معافی اس طرح سے مانگیے۔

اے کریم آقا! ہمیں گناہوں سے محفوظ فرما لیجیے! ہمارے لیے بچنا مشکل ہے آپ کے لیے بچا دینا آسان ہے، اللہ! ہم اپنے آپ کو آپ کے حوالے کرتے ہیں۔

میرے مولیٰ! رد نہ کیجیے۔ بڑی امیدیں لے کر آئے ہیں، دل میں بڑی چاہتیں لے کے آئے ہیں۔

میرے مولیٰ! اگر سو بندوں کا قاتل نیکوں کی بستی میں چل کر جاتا ہے راستے میں موت آتی ہے، آپ بخشش کر دیتے ہیں، اللہ! ہم بھی اتنی دور سے چل کر اس امید پر آئے ہیں کہ یہاں مختلف شہروں سے نیک بندے اکٹھے ہوں گے، اللہ اس مجلس کی برکت سے ہمارے بھی گناہوں کو معاف کر دیجیے اور اللہ ہمیں خالی نہ لٹائیے۔

جب اس طرح ہم سچے دل سے توبہ کریں گے، رب کریم ہمارے حال پر رحمت کی نظر فرمائیں گے، ہماری توبہ توبة النصوح بن جائے گی۔ اللہ تعالیٰ دل کی گہرائیوں سے ندامت کے ساتھ پچھلے گناہوں پر سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائے، آئندہ نیکو کاری اور پرہیز گاری کی زندگی نصیب فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

﴿إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا وَّكَانُوا لَنَا خٰشِعِيْنَ﴾ (الانبیاء:۹۰)

بیان: محبوب العلما والصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 9 جولائی 2011ء بروز ہفتہ ۸ شعبان، ۱۴۳۲ھ

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

موقع: خصوصی تربیتی مجالس برائے علما و طلبا (بعد نماز مغرب)

اقتباس

ہمارے نفس کی مثال ایک گدھے کی مانند ہے اور یہ دنیا کے گڑھے کے اندر گرا پڑا ہے۔ اسے دنیا کے گڑھے سے نکالنے کے دو طریقے ہیں کہ پیچھے سے عذاب اور خوف کا ڈنڈا ہو اور آگے سے امید کا چارہ۔ چنانچہ یہ دونوں چیزیں اس گدھے کو اس گڑھے میں سے نکال دیتی ہیں۔ خوف کے اندر یہ خوبی ہے کہ وہ انسان کو گناہوں سے روکتا ہے اور امید کے اندر یہ خوبی ہے کہ وہ انسان کو نیکی کے اوپر لگا دیتی ہے، نیکی کا شوق دلا دیتی ہے۔ چنانچہ خوف بھی ضروری کہ انسان کا نفس گناہوں سے بچے اور عبادت پر مغرور نہ ہو، ورنہ تو وہ دو سجدے کر کے اپنے آپ کو ولی سمجھے گا۔ اور امید بھی ضروری کہ انسان نیکی کے اوپر شوق سے ساتھ لگے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

امید اور خوف

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ٥ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ٥
﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا وَّكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ﴾ (الانبیاء:۹۰)
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ٥ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ٥
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ٥
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّم

انسان کی دو کیفیات:

بدلتے موسم کی طرح عام انسانوں کی کیفیتیں بھی بدلتی رہتی ہیں۔ کبھی خوشی کی کیفیت، کبھی غم کی کیفیت، حالات مختلف ہوتے ہیں۔ چنانچہ دو کیفیتیں ایسی ہیں کہ جن کے بارے میں آج تذکرہ کرنا ہے۔ ایک ہے خوف کی کیفیت اور ایک ہے امید کی کیفیت۔ کئی مرتبہ انسان اللہ رب العزت کی رحمتوں پر نظر ڈالتا ہے تو اسے امید لگ جاتی ہے کہ میرا انجام اچھا ہوگا۔ اور کبھی اپنے عملوں پر نظر ڈال لیتا ہے تو ڈر لگتا ہے کہ میرا کیا بنے گا؟ ایمان ان دو کیفیتوں کے درمیان ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا:

اَلْاِيْمَانُ بَيْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ

''ایمان خوف اور امید کے درمیان ہوتا ہے''

امید اور خوف کی ضرورت:

انسان کو ان دونوں کیفیات کی ضرورت ہے۔ آپ اس کی مثال آسان لفظوں میں یوں سمجھیں کہ ایک گدھا اگر کسی گڑھے میں گر جائے تو اس کو نکالنے کے لیے لوگ سو طریقے استعمال کرتے ہیں۔ ایک تو اس کو ڈنڈے لگاتے ہیں کہ باہر نکلے اور دوسرا اس کو چارہ دکھاتے ہیں کہ چارے کے شوق میں باہر نکل آئے۔ تو پیچھے سے ڈنڈے لگ رہے ہوتے ہیں اور آگے سے چارہ دکھا رہے ہوتے ہیں، چنانچہ گدھا ڈنڈے کے ڈر سے اور چارے کے شوق میں گڑھے سے باہر قدم بڑھاتا ہے۔

ہمارے نفس کی مثال ایک گدھے کی مانند ہے اور یہ دنیا کے گڑھے کے اندر گرا پڑا ہے۔ اسے دنیا کے گڑھے سے نکالنے کے دو طریقے ہیں کہ پیچھے سے عذاب اور خوف کا ڈنڈا ہو اور آگے سے امید کا چارہ۔ چنانچہ یہ دونوں چیزیں اس گدھے کو اس گڑھے میں سے نکال دیتی ہیں۔ خوف کے اندر یہ خوبی ہے کہ وہ انسان کو گناہوں سے روکتا ہے اور امید کے اندر یہ خوبی ہے کہ وہ انسان کو نیکی کے اوپر لگا دیتی ہے، نیکی کا شوق دلا دیتی ہے۔ چنانچہ خوف بھی ضروری کہ انسان کا نفس گناہوں سے بچے اور عبادت پر مغرور نہ ہو، ورنہ تو وہ دو سجدے کر کے اپنے آپ کو ولی سمجھے گا۔ اور امید بھی ضروری کہ انسان نیکی کے اوپر شوق سے ساتھ لگے۔ عربی کا ایک شعر ہے

اَلْعَبْدُ يُقْرَعُ بِالْعَصَا
وَ الْحُرُّ تَكْفِيْهِ الْمَلَامَةُ

”جو غلام ہوتا ہے اس کو سمجھانے کے لیے تو ڈنڈے کی ضرورت ہوتی ہے اور جو آزاد ہوتا ہے اس کو ملامت ہی کافی ہو جاتی ہے۔“

تو یہی انسان کے نفس کی مثال، کبھی اس کے لیے ایک اصول کارگر ہوتا ہے، کبھی

دوسرا اصول کارگر ہوتا ہے۔

خوف وامید کسے کہتے ہیں؟

خوف کہتے ہیں۔

اَلْخَوْفُ رَعْدَةٌ تَحْدُثُ فِی الْقَلْبِ عَنْ ظَنٍّ مَكْرُوْهٍ يَنَالَهُ

''ایک لرزہ بندے کے اوپر طاری ہو جاتا ہے کہ اس کو کوئی ایسی چیز نہ پہنچ جائے جو اس کی لیے نقصان دہ ہو، اس کو خوف کہتے ہیں۔''

اور رجاء (امید) کہتے ہیں:

اَلرَّجَاءُ اِبْتِهَاجُ الْقَلْبِ بِمَعْرِفَةِ فَضْلِ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ وَ اِسْتَرْوَاحَةٌ اِلٰی سِعَةِ رَحْمَةِ اللّٰهِ

اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کی طرف بندے کا میلان ہو جانا۔ اسے رجاء کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں ان دونوں چیزوں کا اہتمام سے تذکرہ کیا گیا۔ امید کا بھی ذکر بھی کیا گیا اور خوف کا بھی۔ فرمایا:

﴿فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُوْنَ﴾ (الاعراف:۹۹)

''اللہ کے داؤ سے وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جو خسارے پانے والے ہیں''

یہ خوف دلانے والی آیت ہے۔ اور امید دلانے والی آیت:

﴿اِنَّهُ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ﴾ (یوسف:۸۷)

''بے شک اللہ کی رحمت سے بے ایمان لوگ مایوس ہوا کرتے ہیں''

تو دونوں آیتیں موجود ہیں۔ جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انسان کے لیے ان

دونوں کیفیات کا ہونا ضروری ہے۔

مومن کے لیے خوف اور امید کی اہمیت:

مشائخ نے فرمایا ہے:

فَاِنَّ الْخَوْفَ اِذَا فَارَقَ الْقَلْبَ خَرِبَ وَ الْغَالِبُ عَلَى النَّفْسِ الْفُتُوْرُ وَالْكَسْلُ عَنِ الطَّاعَاتِ وَ الْمَيْلُ اِلَى الشَّهَوَاتِ

''جب دل سے خوف رخصت ہو جاتا ہے تو دل کی کیفیت خراب ہو جاتی ہے، اور نفس پر فتور غالب آ جاتا ہے اور عبادت میں سستی اور شہوات کی طرف میلان ہو جاتا ہے۔''

تو خوف نہ ہونے کی وجہ سے انسان عبادات کرتا نہیں اور خواہشات کے پیچھے بھاگ رہا ہوتا ہے۔

وَ دَوَاءُ ذٰلِكَ الْخَوْفُ

اس کا علاج خوف کے ذریعے ہوتا ہے۔

فَاَمَّا مَنْ دَامَ عَلَيْهِ الْخَوْفُ حَتّٰى مَالَ اِلَى الْقُنُوْطِ فَيَنْبَغِيْ اَنْ يُّدَاوِيْ بِالرَّجَاءِ وَ يَذْكُرُ سَعَةَ رَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى

''اگر کسی بندے پر خوف ہی طاری رہے، اتنا خوف کہ انسان کے اندر ناامیدی پیدا ہونے لگے، تو اب اس کا علاج امید کے ساتھ کرنا چاہیے۔ اور اللہ تعالیٰ کی وسعتِ رحمت کو یاد کرنا چاہیے۔''

حکما کی زبان میں گرمی اور سردی کے الفاظ بہت استعمال ہوتے ہیں۔ اس کا مزاج گرم، اس کا مزاج ٹھنڈا ہے۔

فَمِثَالُ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ كَمِثَالِ الْحَرَارَةِ وَالْبُرُوْدَةِ۔ فَمَنْ غَلَبَ عَلَيْهِ اَحَدُهُمَا يُدَاوِىْ بِالْاٰخَرِ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلٰى حَدِّ الْاِعْتِدَالِ

''خوف اور امید کی مثال ٹھنڈک اور گرمی کی مانند ہے، ٹھنڈک غالب آئے تو گرم سے علاج کرتے ہیں اور حرارت غالب آئے تو ٹھنڈے سے علاج کرتے ہیں حتی کہ مزاج معتدل ہو جائے''

اس لیے حدیث پاک میں آتا ہے:

لَوْ وُزِنَ خَوْفُ الْمُؤْمِنِ وَ رَجَاءُهٗ لَاعْتَدَلَا

''اگر مؤمن کے خوف اور رجاء کو تولا جائے تو دونوں برابر ہوتے ہیں''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''اگر یہ کہا جائے کہ صرف ایک بندہ جنت میں جائے گا تو میں امید کرتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہوں گا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ صرف ایک بندہ جہنم میں جائے گا تو میں ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ بندہ میں نہ ہوں۔''

امید بھی کامل اور خوف بھی کامل۔

قرآن پاک کی امید افزا آیات:

قرآن مجید کی بہت سی آیات ہیں جن کو پڑھ کر اللہ رب العزت کی رحمت سے امید بندھ جاتی ہے۔

⊙ ......ایک بڑی معروف آیت، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ (زمر: ۵۳)

بڑی امید افزا آیت ہے، وجہ کیا؟ ہم اگر اپنے بیٹے سے خفا ہوں تو بیوی کو کہتے

ہیں کہ "اسے سمجھا دو! یہ ایسا ہو رہا ہے"۔ نام بھی نہیں لیتے، کہتے ہیں: اسے کہہ دو! تخاطب کا انداز بھی بدل جاتا ہے۔"اسے سمجھادو" جیسے اجنبیت ہوتی ہے۔ وہ بندے جنہوں نے گناہ کیا، پروردگارِ حقیقی کے حکموں کو توڑا، اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ان کا تذکرہ فرمایا۔ اجنبیت کا تخاطب نہیں فرمایا: ﴿قُلْ يَا عِبَادِيْ﴾ فرمادیجیے اے میرے بندے! یہ عبادی کا لفظ عجیب ہے، ایک باپ کہے کہ میرے بیٹے! تو محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے گناہوں کے باوجود محبت کے زمرے سے نہیں نکالا قل فرمادیجیے اے میرے بندے! کون سے بندے؟ ﴿اَلَّذِيْنَ اَسْرَفُوا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ﴾ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ﴿لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جانا۔

ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((مَا اُحِبُّ اَنَّ لِيْ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ))

دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے میں پسند نہیں کرتا کہ اس آیت کے بدلے وہ سب کچھ مجھے مل جائے (یہ آیت مجھے اس سے بھی زیادہ عزیز ہے)۔

⊙......بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ قرآن مجید کی سب سے زیادہ آیت الرجاء (امید افزا آیت) وہ ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ﴾

(النساء:۴۸)

اس میں اللہ تعالیٰ نے شرک والے کو تو کہہ دیا کہ معافی کی کوئی صورت نہیں، فرمایا: اس کے سوا جو بھی گناہ ہوگا اللہ تعالیٰ اس گناہ کو معاف فرمادیں گے۔ تو بڑی امید ہے کہ جو بندہ توحید کا اقرار کرے گا اور اس پر جما رہے گا تو اللہ تعالیٰ اسے معافی

عطا فرما دیں گے۔

⊙ ...... بعض بزرگوں نے کہا کہ قرآن مجید کی سب سے زیادہ امید والی آیت ہے:

﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (النساء:۱۱۰)

⊙ ...... امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میرے نزدیک قرآن مجید کی سب سے امید والی آیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾ (ضحیٰ:۵)

''تیرا رب تجھے اتنا عطا کرے گا کہ تو راضی ہو جائے گا''

اپنی زبان میں سمجھنے کے لیے اس آیت کا ترجمہ کریں تو یہ بنتا ہے۔ تیرا رب تجھے اتنا عطا کرے گا کہ تو بس بس کرے گا۔ تو فرماتے ہیں کہ یہ آیت سب سے زیادہ امید والی آیت ہے۔ اور حدیثِ قدسی بھی ہے اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا:

((اِذْهَبْ اِلٰى مُحَمَّدٍ وَ قُلْ لَهٗ اِنَّا سَنُرْضِيْكَ فِيْ اُمَّتِكَ))

بتا دو کہ امت کہ معاملے میں ہم آپ کو راضی کریں گے اور یہ سن کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((فَاِنَّ مُحَمَّدًا لَا يَرْضٰى وَ وَاحِدٌ مِنْ اُمَّتِهٖ فِي النَّارِ))

امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ نبی علیہ السلام کبھی بھی راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ ایک امتی بھی جہنم میں ہوگا۔ بھئی ماں کا بیٹا اگر آگ میں ہو تو وہ کیسے راضی ہو سکتی ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تو اپنی امت پر شفقت اور محبت اس سے بھی زیادہ ہے۔

رجاء اور غرور

دو لفظ ہیں۔ ایک ہے ''الرجاء''، اس کا معنی ہے امید اور ایک ہے ''غرور''۔

غرور کہتے ہیں دھوکے کو۔ ان دونوں میں ایک فرق ہے۔

رجاء کہتے ہیں:

اَلرَّجَاءُ حُسْنُ الظَّنِّ بِاللّٰهِ فِی قَبُوْلِ طَاعَةٍ اَوْ مَغْفِرَةِ سَيِّئَةٍ تُبْتَ مِنْهَا

انسان نیکی کرے تو قبولیت کی امید، گناہ سے معافی مانگے تو معاف ہونے کی امید، اس کو رجاء کہتے ہیں۔

لیکن غرور جو ہے اس کا معنی دھوکا ہوتا ہے۔

اَلْغُرُوْرُ الطَّمَانِيَةُ مَعَ تَرْكِ الطَّاعَاتِ وَ الْاِصْرَارِ عَلَى الْمُخَالِفَاتِ

انسان گناہ کا مرتکب بھی ہو اور پھر تسلی بھی رکھے، اس کو غرور کہتے ہیں۔

اب شیطان انسان کو یہی دھوکا دیتا ہے۔

﴿وَ لَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ﴾ (لقمان:۳۳)

خوف اور حزن

پھر ایک لفظ ہے ''خوف'' اور ایک لفظ ہے ''حزن'' ان دونوں کے درمیان بھی ایک فرق ہے۔ خوف کہتے ہیں باہر کے ڈر کو، خارج سے کوئی ڈر ہو۔ اور حزن کہتے ہیں اندر کا غم۔ اندر سے انسان کو کوئی دکھ ہو، کوئی تکلیف ہو جس کی وجہ سے وہ محزون ہو۔

حزن کا اثر:

حزن کا یہ اثر ہے:

اَلْحُزْنُ يَمْنَعُ عَنِ الطَّعَامِ

''جو بندہ غمگین ہوتا ہے کھانا کھانا چھوٹ جاتا ہے۔

آپ خود دیکھیں کہ عورت کا خاوند فوت ہو جائے، اس کا کھانا کھانے کو دل ہی نہیں کرتا۔ کوئی طالب علم امتحان میں فیل ہو جائے، کھانے کو دل نہیں کرتا۔ کسی بندے کا کاروبار میں بڑا نقصان ہو جائے، کھانے کو دل نہیں کرتا۔ تو جب بھی غم ہو گا تو کھانا چھوٹ جائے گا، طبیعت ہی نہیں کرے گی کھانے کو۔

خوف کا اثر:

اسی طرح

اَلْخَوْفُ یَمْنَعُ عَنِ الذُّنُوْبِ

خوف انسانوں سے گناہوں کو چھڑوا دیتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں ہو تو قدرت کے باوجود انسان گناہ کا مرتکب نہیں ہوتا۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ سانپ دیکھنے میں کتنا ملائم، نرم اور خوبصورت ہوتا ہے، ہاتھ کوئی نہیں لگاتا، خوف ہوتا ہے دل میں کہ ہاتھ لگائیں گے تو یہ کاٹ لے گا۔ بجلی کو کسی نے نہیں ہاتھ لگایا، اگر کہیں بھئی تجربہ کرو! تو کہیں گے تجربہ بھی نہیں کرتے۔ کیوں؟ بجلی کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ پہلی غلطی کو بھی معاف نہیں کرتی۔ تو خوف کی وجہ سے نہ بجلی کی تار کو ہاتھ لگاتے ہیں، نہ سانپ کو ہاتھ لگاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح اگر کسی انسان کو مٹھائی دیں اور کہیں کہ جی یہ آپ کے سامنے دس لڈو ہیں بس اس میں ایک کے اندر تھوڑی سی زہر ہے، تو کوئی بھی ہاتھ نہیں لگاتا۔ بھئی! اتنے خوشبودار اور مزے دار ہیں؟ کہے گا: بس رہنے دو۔ تو معلوم ہوا کہ خوف کی وجہ سے انسان رک جاتا ہے، باز آجاتا ہے۔ اسی طرح اگر اللہ رب العزت کا خوف ہو تو انسان گناہوں سے بچ جاتا ہے۔

امید کا اثر:

امید کیا اثر دکھاتی ہے:

اَلرِّجَاءُ یَقْوِیْ عَلَی الطَّاعَاتِ

امید انسان کو طاعات کے اوپر مجبور کر دیتی ہے۔

انسان کے شوق کو بڑھا دیتی ہے۔ پھر وہ اعمال میں لگ جاتا ہے۔

موت کی یاد کا اثر:

اور ایک ہے موت کا تذکرہ، موت کی یاد، یہ کیا کام کرتی ہے۔

وَ ذِکْرُ الْمَوْتِ یَذْھَبُ بِالْفُضُوْلِ

وہ فضول کاموں کو چھڑوا دیتا ہے، جو موت کو جتنا کثرت سے یاد کرتا ہے اس کے دل میں فضول کام ختم ہوتے جاتے ہیں۔

خوف و امید کی جامع آیات:

کئی ایسی بھی آیات ہیں جن میں خوف اور امید دونوں کو اللہ تعالیٰ نے جمع فرما دیا۔ مثال کے طور پر

◉ ......ارشاد فرمایا:

﴿نَبِّئْ عِبَادِیْ اَنِّیْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ﴾ (حجر:۴۹)

میرے بندوں کو بتا دو کہ بے شک میں بڑا غفور اور بڑا رحیم ہوں۔

جب بھی یہ آیت پڑھتے ہیں تو بچپن کی بات یاد آجاتی ہے۔ اس زمانے میں جب کوئی گھر میں بیمار ہوتا تھا تو علاج معالجہ بھی ہوتا تھا مگر اللہ کے راستے میں صدقہ کرنے کا اہتمام بھی زیادہ ہوتا تھا۔ ہمارے ایک ساتھی تھے ہم نے ان کی بچپن سے

عادت دیکھی، بیمار ہو جاتے تھے تو حکیم کے پاس جاتے تھے اور اس کو پیسے دے دیتے تھے۔ حکیم صاحب! یہ پیسے رکھ لیں، آپ کے پاس جو کوئی بیمار آئے اور فیس نہ بھر سکتا ہو تو اس کی اس کو دوائی دے دیں اس کے بدلے اللہ مجھے صحت عطا فرما دے گا۔ اس حد تک اسوقت رجوع الی اللہ تھا۔ تو بھئی! جیسے دوا سے صحت ملتی ہے، صدقہ سے مصیبت ٹلتی ہے۔

ہم چھوٹے تھے، گھر میں جو بھی کوئی بیمار ہوتا تھا تو والدہ صاحبہ کہتی تھیں، بیٹا جاؤ بچوں کو بلاؤ۔ ہم گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر زور سے آواز لگاتے تھے، بچوں کو بلاتے تھے کہ آؤ پیسے بٹ رہے ہیں اور چھوٹے چھوٹے بچے بھاگے ہوئے آتے تھے، مریض کے ہاتھ میں پیسے پکڑے ہوتے تھے، وہ ایک ایک ہر بچے کو دیتا جاتا تھا۔ اور واقعی ان بچوں کی دعا ایسی ہوتی تھی کہ اللہ اس مریض کو شفاء عطا فرما دیتے تھے۔ اس آیت کو پڑھتے ہوئے مجھے اپنی وہ بات یاد آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں۔

﴿نَبِّئْ عِبَادِیْ اَنِّیْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ﴾

جیسے والدہ کہتی تھیں کہ بچوں کو اطلاع دے دو پیسے تقسیم ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں کہ میرے بندوں کو بتا دو کہ میں بڑا ہی غفور اور بڑا ہی رحیم ہوں۔ اس کا مطلب ہے کہ واقعی اللہ تعالیٰ مغفرت اور رحمت کرنے کا ارادہ فرما چکے ہیں۔ یہ اتنی امید افزا آیت ہے۔ اب اسی میں خوف بھی ہے۔ وہ کیسے؟ آگے یہ کہہ دیا کہ دیکھو میں بتا رہا ہوں کہ میری رحمت سے، مغفرت سے فائدہ اٹھا لو، اور جو بندہ رحمت اور مغفرت سے فائدہ نہیں اٹھائے گا۔

﴿وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ﴾ (حجر:۵۰)

تو اس کا عذاب بھی بڑا دردناک عذاب ہے تو خوف اور امید دونوں کو یکجا کر

دیا۔

◉ ......ایک دوسری آیت: قرآن مجید میں فرمایا کہ اللہ کے نیک بندے وہ ہیں:

﴿يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا﴾ (السجدہ:۱۶)

''وہ پکارتے ہیں اپنے رب کو خوف کے ساتھ اور امید کے ساتھ''

جن لوگوں کے اندر خوف اور امید دونوں ہوتے ہیں ان کے بارے میں قرآن مجید نے فیصلہ دیا:

﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ﴾ (السجدہ:۱۷)

کوئی جی نہیں جانتا کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے اللہ رب العزت نے کیا تیار کر رکھا ہے۔

اللہ سے مایوس کرنے والے کی سزا:

اللہ کے بندوں کو امید دلانی چاہیے۔ کتابوں میں لکھا ہے:

رُوِيَ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ كَانَ يُقَنِّطُ النَّاسَ وَ يُشَدِّدُ عَلَيْهِمْ

بنی اسرائیل میں ایک آدمی تھا وہ لوگوں کو مایوس کرتا تھا اور بڑی سختی کرتا تھا۔ تم جہنم میں جاؤ گے، یہ ہوگا، وہ ہوگا۔ تو وہ لوگوں کو بہت زیادہ ڈراتا تھا اور مایوس کرتا تھا۔

فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَلْيَوْمَ اُوْسِيكَ مِنْ رَّحْمَتِيْ كَمَا كُنْتَ تُقَنِّطُ عَبِيْدِيْ مِنْهَا

آج میں تجھے اسی طرح اپنی رحمت سے مایوس کروں گا جیسے تو میرے بندوں کو میری رحمت سے مایوس کرتا تھا، چنانچہ اسے جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔

اٹھارہ سالہ رحمتِ الٰہی کا درس:

کتابوں میں لکھا ہے کہ شیخ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ کی رحمت کے بارے میں درس دیتے دیتے اٹھارہ سال گزار دیے۔ اٹھارہ سال اللہ رب العزت کی رحمت کا مضمون بیان کرتے رہے، ایک دن اللہ کے عذاب کا مضمون بیان کر دیا۔ کئی لوگ مجمع میں بیہوش ہو گئے، اور چند لوگ تو بیہوشی کے عالم میں فوت ہی ہو گئے، جنازے اٹھے۔ جب ان کو دفن کر کے واپس آ رہے تھے تو اللہ رب العزت نے الہام فرمایا: عبدالقادر جیلانی! تو میرے بندوں کو میرا خوف دلاتا ہے۔ عرض کیا: یا اللہ! میں نے اٹھارہ سال تیری رحمت ہی کا درس دیا۔ تو الہام ہوا کہ کیا اٹھارہ سال میں میری رحمت ختم ہو گئی تھی؟ تو رحمت کا تو معاملہ کچھ اور ہی ہے۔ اللہ اکبر! ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا الہامی مکالمہ:

کتابوں میں ایک واقعہ پڑھا تھا، جسے نقل کرتے ہوئے میں بہت گھبراتا تھا، لیکن اس واقعے کو ایک دفعہ مولانا محمد اسلم ملتانی، جو تبلیغی جماعت کے بڑے نمایاں بزرگوں میں سے تھے، انہوں نے رائیونڈ کے سالانہ اجلاس میں بیان کیا۔ جب سے انہوں نے بیان کیا ہمارے لیے راہ آسان ہو گئی، ہم نے بھی بیان کرنا شروع کر دیا۔

ایک بزرگ گزرے ہیں حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ، اللہ رب العزت سے ان کا بڑا محبت کا تعلق تھا۔ اب جہاں محبت ہوتی ہے وہاں ناز انداز بھی ہوتے ہیں، تو فرماتے ہیں کہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ وضو کر کے مسجد کی طرف چلے، اللہ رب العزت کی طرف سے الہام ہوا: شبلی! ایسا گستاخانہ وضو کر کے میرے گھر کی طرف چلتا ہے؟ شبلی ڈر گئے اور

واپس گھر کی طرف چلے کہ میں دوبارہ وضو کرتا ہوں۔ جب واپس چلے تو پھر الہام ہوا: شبلی! تو ہمارے در کو چھوڑ کر کہاں جائے گا؟ تو شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے زور سے اللہ کی ضرب لگائی۔ تو الہام ہوا: شبلی! تو ہمیں اپنا جوش دکھاتا ہے؟ وہ چپ ہو گئے۔ پھر الہام ہوا شبلی! تو ہمیں اپنا صبر دکھاتا ہے؟ ان کا اللہ سے ایسا معاملہ تھا۔

اب جب یہ ساری باتیں ہوگئیں تو پھر الہام فرمایا: کیا تو یہ چاہتا ہے کہ تیرے عیب لوگوں پہ ظاہر کر دوں؟ تجھے دنیا میں کوئی منہ لگانے والا نہ رہے۔ جب یہ الہام ہوا، وہ بھی آخر محبت کا تعلق رکھنے والے تھے، فوراً کہا: یا اللہ! کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں تیری رحمت کھول کر لوگوں میں بیان کر دوں؟ تجھے دنیا میں کوئی سجدہ کرنے والا نہ رہے۔ جب یہ کہا تو الہام ہوا شبلی نہ تو میری بات کہنا نہ میں تیری بات کہتا ہوں۔ تو رحمت کا تو معاملہ ایسا ہے کہ انسان حیران ہو جاتا ہے۔

اللہ کو مخلوق کا محبوب بنائیں:

جو لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے محبت فرماتے ہیں۔ داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی:

اَحِبَّنِیْ وَ اَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّنِیْ وَحَبِّبْنِیْ اِلٰی خَلْقِیْ

مجھ سے محبت کرو اور جو مجھ سے محبت کرنے والے ہیں ان سے بھی محبت کرو اور مجھے مخلوق کا محبوب بناؤ!

قَالَ: یَا رَبِّ وَ کَیْفَ اُحَبِّبُكَ اِلٰی خَلْقِكَ

انہوں نے عرض کیا: اے پروردگار! میں آپ کو مخلوق کا محبوب کیسے بناؤں؟

فرمایا:

قَالَ اُذْکُرْنِیْ بِا الْحَسَنِ الْجَمِیْلِ اذْکُرْ آلَائِیْ وَ اِحْسَانِیْ وَ

اُذْکُرْهُمْ ذٰلِكَ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْرِفُوْنَ مِنِّیْ اِلَّا الْجَمِيْلُ

اچھے انداز سے میرا تذکرہ کرو، میری نعمتوں کا تذکرہ کرو، میرے احسانات کا تذکرہ کرو، ایسی باتیں کرو کہ وہ اپنے آپ کو مجھ سے اتنی اچھائیاں پانے والے سمجھیں تو وہ مجھ سے صاف ظاہر ہے کہ محبت کریں گے۔

ہم تو زندہ ہیں کہ دنیا میں تیرا نام رہے:

تو واقعی ہمیں ایسا کرنا چاہیے۔ جہاں بیٹھیں اللہ کا تذکرہ چھیڑ دیں جہاں جاتے ہیں ہم تیرا فسانہ چھیڑ دیتے ہیں۔ اس کو زندگی کا اصول بنالیں، لوگ دنیا کی باتیں کرتے ہیں، اِدھر اُدھر کے حالات کا تذکرہ کرتے ہیں، بس ہم اصول بنالیں جہاں بیٹھیں بس اللہ کی نعمتوں کا تذکرہ، اللہ کی رحمتوں کا تذکرہ اور سمجھیں بھی یہی کہ ہم تو زندہ ہیں کہ دنیا میں تیرا نام رہے۔ اللہ زندگی کا مقصد ہی اب یہی ہے کہ تیرا نام دنیا میں رہے۔ چنانچہ ایک بزرگ تھے ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ، ان کے بارے میں لکھا ہے:

كَانَ اَبُوْ عُثْمَانَ يَتَكَلَّمُ فِي الرَّجَاءِ كَثِيْرًا

ابو عثمان لوگوں میں اللہ تعالیٰ کی امید والی باتیں بہت کیا کرتے تھے۔

فَرُوْئِیَ بَعْدَ مَوْتِهٖ فِي الْمَنَامِ فَقِيْلَ لَهٗ كَيْفَ كَانَ قُدُوْمُكَ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى

ان کو خواب میں کسی نے دیکھا تو پوچھا کہ اللہ کے سامنے آپ کا معاملہ کیا ہوا؟

فَقَالَ اَقَامَنِیْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَقَالَ مَا الَّذِیْ حَمَلَكَ عَلٰى مَا فَعَلْتَ

کہنے لگے: اللہ نے اپنے سامنے کھڑا کرلیا اور کہا تجھے کس چیز نے میری رحمت کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنے پر برانگیختہ کیا؟

فَقُلْتُ اَرَدْتُ اَنْ اُحَبِّبَكَ اِلٰى خَلْقِكَ

اے اللہ! میں نے پسند کیا کہ میں آپ کو لوگوں کا محبوب بنا دوں کہ لوگ آپ سے محبت کرنے والے بن جائیں۔

فَقَالَ قَدْ غَفَرْتُ لَكَ ذَنْبَكَ

رب کریم نے فرمایا: میں نے تیرے سب گناہوں کو معاف کر دیا۔

تو میرے اتنے اچھے تذکرے کرتا تھا کہ میرے بندے مجھ سے محبت کرتے تھے۔ ہمیں اپنے بیانات میں، اپنی گفتگو میں اللہ رب العزت کے تذکرے، اسکی مغفرت کے، اسکی مہربانیوں کے، ایسے کرنے چاہئیں کہ بندوں کے دلوں میں اللہ کی محبت گھر کر جائے، بندے اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے بن جائیں۔

کریم سے کرم کی توقع:

قَالَ مَالِكُ بْنُ دِيْنَارٍ رَأَيْتُ مُسْلِمَ بنَ يَسَارٍ بَعْدَ مَوْتِهِ فِي الْمَنَامِ

مالک ابن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے مسلم بن یسار رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی موت کے بعد خواب میں دیکھا:

فَقُلْتُ لَهُ مَا لَقِيْتَ بَعْدَ الْمَوْتِ

میں نے پوچھا کہ مرنے کے بعد آپ کا کیا معاملہ بنا؟

قَالَ مَا تَرَاهُ يَكُوْنُ مِنَ الْكَرِيْمِ اِلَّا الْكَرْمُ

کریم سے کرم ہی کی توقع ہو سکتی ہے۔

حسنِ ظن کے بقدر معاملہ:

رُؤِيَ بَعْضُهُمْ فِي الْمَنَامِ فَقِيْلَ لَهُ بِمَا ذَا قَدِمْتَ عَلَى اِلَيْهِ

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں کسی ولی کو دیکھا تو پوچھا کہ

کیا بنا؟

قَالَ بِذُنُوْبٍ كَثِيْرَةٍ مَحَامَا عَنِّىْ حُسْنَ الظَّنِّ بِااللّٰهِ تَعَالٰى

کہنے لگے گناہ تو بہت تھے لیکن مجھے اللہ سے بڑا احسن ظن تھا، اس حسن ظن کی وجہ سے سب گناہوں کو مٹا دیا گیا۔

تو اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا اور حسن ظن رکھنا...... سبحان اللہ۔

⊙ ...... حسنِ ظن پر ایک بڑے میاں کی بات یاد آئی۔ ہے تو علاقائی زبان میں مگر یہ عاجز اس کا ترجمہ بھی کر دے گا۔ مگر بڑے بوڑھوں کی باتیں ہوتی بڑی عجیب ہیں۔ ایک دفعہ رمضان کی کوئی بڑی رات تھی تو سب لوگ اپنی اپنی دعائیں مانگ رہے تھے، مسجد میں اندھیرا تھا کوئی نفل پڑھ رہا تھا، کوئی دعا مانگ رہا تھا کوئی مراقبہ کر رہا تھا۔ ایک بڑے میاں پاس بیٹھے تھے انہوں نے ایک ایسی دعا مانگی کہ آج تک یاد ہے۔ دعا مانگتے مانگتے کہنے لگے:

''اللہ میاں! اک واری جنت اچ وڑن دیویں اگاں آپے لگا وتساں''

کہ اللہ میاں ایک بار جنت میں داخل ہونے دینا، آگے میں خود پھرتا رہوں گا۔

سبحان اللہ...... اللہ کے ساتھ کیا حسنِ ظن ہے۔

⊙ ...... ایک مرتبہ بڑے میاں کے ہاں ایک پیر صاحب آئے اور پیر صاحب نے واعظ کرنا تھا تو واعظ کے لیے جب بیٹھے تو یہ بڑے میاں کھڑے ہو گئے، کہنے لگے پیر صاحب! میں جاہل، ان پڑھ انسان ہوں۔ اگر آپ کے بیان میں کوئی بات پوچھنے والی ہو تو کیا میں پوچھ سکتا ہوں؟ انہوں نے کہا ہاں ہاں پوچھ سکتے ہو۔ اس نے پہلے ہی اپنا کام پکا کر لیا کہ میں درمیان میں پوچھوں گا۔

اب پیر صاحب نے بیان شروع کیا۔ انہوں نے کہا کہ بھئی! نیکی کرو نیک زندگی

گزارو، قیامت کے دن پل صراط سے گزرنا پڑے گا اور پل صراط تو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ جب بڑے میاں نے سنا تو کہنے لگا: پیر صاحب! ''مینوں لگدا اے کہ ایہہ کوڑا اے'' (مجھے لگتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے)۔ اس نے کہا کہ نہیں یہ کتابوں میں ہے، حدیثوں میں ہے، کتابوں کا حوالہ دیا۔ اس نے کہا کہ آپ یہی کہہ رہے ہیں کہ پل صراط بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز؟ اس نے کہا: ہاں میں یہی کہہ رہا ہوں۔ کہنے لگا: پیر صاحب! ''انج آکھو نا کہ اللہ سائیں دی پار ٹپاون دی نیت کائی نئیں'' (پیر صاحب آپ ویسے ہی کہہ دیں نا کہ اللہ تعالیٰ کی پار اتارنے کی نیت ہی نہیں ہے) بھئی! جب ایسی پل بنائی جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے تو اس کا مطلب ہے کہ پار اتارنے کی نیت نہیں ہے۔ اب جو پیر صاحب کے مرید تھے ان کو بڑا غصہ آیا۔

خیر! پیر صاحب نے آگے بات شروع کر دی۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ بھئی! اگر تم نیکی کرو گے تو سیدھا جنت میں جاؤ گے۔ اور اگر گناہ کرو گے تو پہلے جہنم میں جانا پڑے گا اور جہنم میں جانے کے بعد پھر کوئی وقت آئے گا کہ جب اللہ تعالیٰ جنت میں بھیجیں گے۔ اس پہ وہ بڑے میاں پھر کھڑے ہو گئے، کہنے لگے: پیر صاحب! مینوں لگدا اے ایہہ وی کوڑا اے'' مجھے لگتا ہے یہ بھی جھوٹ ہے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں بھئی! ایسے ہی ہوتا ہے، کتابوں میں لکھا ہے۔ تو پھر بڑے میاں کہنے لگے: ''پیر صاحب! میرے گھر جو کوئی مہمان آوے، تے میں اوہنوں پنج ست لتر ماراں، مڑ آکھاں بھج آ ککڑ کھا لے، او کھا لیسی؟'' (پیر صاحب کہ اگر میرے گھر میں کوئی مہمان آئے اور میں اس کو پانچ سات جوتے لگا دوں اور پھر کہوں کہ آؤ تمہیں مرغی کھلاتا ہوں تو کیا وہ مرغی کھا لے گا؟) ''او پیر صاحب! اللہ سائیں جنہوں جنت بھیجنا اے اس انج ای بھیج

دینا اے''۔ اب پیر صاحب کے جو مریدین تھے ان کا تو پارہ چڑھ گیا کہ بھئی! ہمارے حضرت صاحب کے ساتھ یہ کیا کر رہا ہے۔ اس کو پتہ تھا کہ مجلس ختم ہو گی تو میری تو خیر نہیں جب پیر صاحب نے بیان ختم کیا تو یہ کہنے لگا ''پیر صاحب! میں بد بخت جیا بندا ہاں، بدبختی تے دریاؤں پار ویندی پئی ہووے تے میں آہناں کدے وتنی ایں میں تے اتھے کھلوتاں''۔ میں تو بد بخت آدمی ہوں، جاہل اور اگر بدبختی دریا سے پار جا رہی تو میں اسے کہتا ہوں کہ کدھر جا رہی ہو میں تو یہاں کھڑا ہوں۔ یعنی یہ بات کہہ کر اس نے اپنی بات مکمل کر دی اور لوگوں کے درمیان سے اٹھ آیا۔

بہر حال یہ بات اس لیے بتائی کہ دیکھو اس بندے کا یہ حسنِ ظن تھا کہ رب کریم نے جس کو بخشنا ہے اس کو معاف کر ہی دینا ہے...... اللہ اکبر...... ہمارا بھی حسنِ ظن اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے۔ اس لیے انسان کو خوف بھی ہونا چاہیے اور امید بھی ہونی چاہیے۔

خوف و امید کے محل:

اب یہاں ایک نکتے کی بات کہ

◉ جوانی میں خوف غالب ہونا چاہیے اور بڑھاپے میں امید غالب ہونی چاہیے۔

چونکہ جوانی شہوات کا زمانہ ہے، ان شہوات کو لگام ڈالنے کے لیے خوف کی ضرورت ہے۔ جبکہ بڑھاپے میں مایوسی سے بچنے کے لیے امید کی ضرورت ہے۔

◉ صحت کی حالت میں خوف کی ضرورت اور بیماری کی حالت میں امید کی ضرورت۔

◉ خوشی کی حالت میں خوف کی ضرورت اور غم کی حالت میں امید کی ضرورت۔

◉ اپنے بارے میں خوف کی ضرورت اور دوسروں کے بارے میں امید کی ضرورت

ہے۔

اپنے بارے میں خوف دوسروں کے بارے امید:

یہ سمجھنے والی بات ہے کہ اپنے بارے میں خوف کی ضرورت اور باقی سب کے بارے میں امید کی ضرورت ہے، یہ نکتہ یاد رکھیں۔

شیطان کیا کرتا ہے کہ دوسروں کے تو بال بھی نظر آتے ہیں اور اپنی آنکھ کا شہتیر بھی نظر نہیں آتا۔ حیرت کی بات ہے۔ کسی کے گناہ کے بارے میں شک ہو جائے بندہ اس سے شک کی بنیاد پر نفرت کرنی شروع کر دیتا ہے، اپنے عیب آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں، یقین ہوتا ہے، پھر بھی اپنے نفس سے محبت کرتا ہے۔ دوسروں کے بارے میں بہت جلدی بدگمان ہو جاتا ہے۔ تو علما نے فرمایا کہ دوسروں کے بارے میں پرامید رہو کہ انہوں نے اگر گناہ بھی کر لیا تو ان کا گناہ معاف ہو جائے گا، اور اپنے بارے میں خوف زدہ رہو کہ بھئی! میرا تو یہ چھوٹا سا عمل بھی پتہ نہیں کہیں پکڑ نہ لیا جائے۔ اس کو اگر اصول بنا لیں تو آپ کبھی کسی بندے سے بدگمان ہو ہی نہیں سکتے۔

ہمارے بزرگوں کا دوسروں کے ساتھ حسنِ ظن کا یہ عالم تھا۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خادم تھا۔ کسی آدمی کو اس کے ساتھ ذرا آپس میں مناسبت نہ تھی اور غصہ تھا۔ ایک دفعہ وہ خادم گناہ میں ملوث ہو گیا۔ جب اس کو پتہ چلا تو یہ بہت خوش ہوا کہ اب میں حضرت کے پاس جاؤں گا اور حضرت کو بتاؤں گا کہ یہ جو آپ کے اتنا قریبی ہے، آتا ہے اور خدمت کرتا ہے اس کے یہ لچھن ہیں کہ زنا کا مرتکب ہوا۔ اس نے آکر بڑی تمہید سے بات کی کہ یہ تو کبیرا گناہ کا مرتکب ہوا ہے۔ جب اس نے یہ بات کی تو حضرت حاجی صاحب اسکی طرف دیکھ کر فرمانے لگے: ہاں اللہ تعالیٰ کا ایک اسم مضل ہے، مجھے لگتا ہے کوئی اسکی تجلی اس کے اوپر پڑ گئی ہوگی۔ یعنی

اللہ تعالیٰ ہادی بھی ہیں اور مضل بھی ہیں۔تو اسم مضل کی کوئی تجلی پڑ گئی ہو گی تو اس لیے گناہ کر بیٹھا۔یعنی اتنے بڑے گناہ کے باوجود دل میں بدگمانی نہیں آئی اور اس کو بھی سمجھا دیا کہ تم دوسروں کے بارے میں بدگمان نہ ہو، اپنا معاملہ دیکھو تمہارا کیا ہے۔

تو یہ اصول بنا کہ دوسرے کے بڑے سے بڑے گناہ ہوں تو بندہ سوچے کہ معاف ہو جائیں گے کہ اللہ بڑا کریم ہے اور اپنے بارے میں اپنے نفس کو یہ کہے کہ دیکھو ایک گناہ بھی معاف نہیں ہونا۔کیوں؟ حضرت آدم علیہ السلام جب جنت سے زمین پر اتارے گئے تو ان سے کتنی مرتبہ سہو ہوا؟ ایک ہی مرتبہ ہوا۔تو ایک مرتبہ کے سہو پر اگر وہ جنت سے اتر سکتے ہیں تو ہم ایک بھی گناہ کریں گے تو عین ممکن ہے اللہ کے ہاں جو ایک قرب کا مقام ہے اس سے نیچے گرا دیا جائے۔تو اس لیے اپنے بارے میں خوف اور دوسروں کے بارے میں امید ہو۔یہی سوچے کہ اگر کسی سے گناہ ہو گیا تو اللہ اسے معاف کر دیں گے۔

اللہ کی شانِ رحمت اپنا اظہار چاہتی ہے:

مسلم شریف کی روایت ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

وَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ لَمْ تَذْنِبُوْ وَ تَسْتَغْفِرُوْ لَذَھَبَ اللّٰہُ بِکُمْ وَجَاءَ بِقَوْمٍ یَذْنِبُوْنَ فَیَسْتَغْفِرُوْنَ فَیَغْفِرَ اللّٰہُ لَھُمْ

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اگر تم بالکل گناہ نہ کرو اور نہ استغفار کرو تو اللہ تعالیٰ تم سب لوگوں کو مٹا دیں گے اور تمہاری بجائے ایسے لوگوں کو پیدا کریں گے جو گناہ بھی کریں گے اور استغفار بھی کریں گے۔اللہ ان کو معاف فرما دیں گے۔"

چنانچہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ ایک عجیب بات فرماتے ہیں:

خَلَا لِیَ الْمَطَافُ لَيْلَةً

ایک دن میرے لیے مطاف خالی تھا۔

ایسا موقع ہوتا ہے نہ کہ کبھی مطاف میں طواف کرنے والے تھوڑے ہوتے ہیں، اس وقت تو تھوڑے لوگ جاتے تھے تو اور بھی تھوڑے لوگ ہوں گے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ مطاف کو خالی دیکھا:

فَصِرْتُ اَطُوْفُ بِالْبَيْتِ وَ اَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ اَعْصِمْنِیْ

میں نے طواف کرنا شروع کر دیا: میں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ مجھے گناہ سے بچالے میری حفاظت فرمادے۔

گناہ سرزد ہی نہ ہو مجھ سے بس یہی دعا مانگ رہا تھا، طواف کر رہا تھا، کہتے ہیں:

فَهَتَفَ لِیْ هَاتِفٌ وَ قَالَ يَا اِبْرَاهِيْمُ كُلُّكُمْ تَسْاَلُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰى الْعِصْمَةَ ۔ فَاِذَا عَصَمَتُمْ فَعَلٰى مَنْ يَتَكَرَّمُ

ایک ہاتف نے کہا: اے ابراہیم! تم سارے کے سارے گناہوں کی حفاظت ایسے مانگتے ہو جیسے کبھی صادر ہی نہ ہو، اگر اللہ سب کو ایسا بنا دے تو اللہ اپنا کرم کس پر ظاہر فرمائے گا؟

اس لیے کہ احیاناً لوگوں سے گناہو جاتے ہیں تو دوسروں کے گناہوں کے بارے میں امید رہے کہ معاف ہو جائیں گے اور اپنے گناہ کے بارے میں دل میں خوف رہے۔ دیکھو! آدم علیہ السلام کو ایک غلطی پر اگر آسمان سے زمین پر پہنچا دیا تھا تو میرا بھی ایک گناہ پکڑ کا باعث بن سکتا ہے۔

رحمتِ الٰہی دنیا کیلیے ایک اور آخرت کے لیے ننانوے حصے ہے:

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا کیا اندازہ ہم لگاتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ بڑے رحیم ہیں، بہت

کریم ہیں۔ سنیے! حدیث مبارکہ

اِنَّ اللّٰہَ مِأَۃَ رَحْمَۃً اَنْزَلَ مِنھَا رَحْمَۃً وَّاحِدَۃً بَیْنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَالْبَھَائِمِ وَالْھَوَامِ

اللہ تعالی کی رحمت کے سو حصے ہیں، ان میں سے ایک حصہ انسانوں میں، جنوں میں، چوپائیوں میں اور حشرات میں تقسیم کیا۔

فَبِھَا یَتَعَاطَفُوْنَ وَبِھَا یَتَرَاحَمُوْنَ وَبِھَا تَعْطِفُ الْوُحُوْشُ عَلٰی وَلَدِھَا

''اس رحمت کی وجہ سے وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نرمی کرتے ہیں، ایک دوسرے پر وہ محبت کرتے ہیں اور جانور بھی اپنے بچوں پر اسی کی وجہ سے محبت کرتے ہیں۔''

دنیا کی تمام محبتیں اللہ کی شانِ رحمت کا پرتو ہیں:

یعنی جو محبتیں آپ کو دنیا میں نظر آتی ہیں یہ ساری اس ایک رحمت کی وجہ سے ہیں۔

جانوروں میں محبت

انسانوں میں محبتیں تو نظر آتی ہیں، جانوروں میں نہیں محسوس ہوتیں حالانکہ جانوروں میں بھی ہوتی ہیں۔ چنانچہ جنگل میں جو لوگ جاتے ہیں ان کو یہ تجربہ ہے کہ جس جانور کا بچہ اسکے ساتھ ہو وہ جانور سب سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے، اپنے قریب کسی کو نہیں آنے دیتا، چونکہ بچے کی حفاظت مطلوب ہوتی ہے۔

⊙ ......ہمیں ایک مرتبہ اس کا اس طرح تجربہ ہوا۔ ایک ملک میں جنگل میں سے گزر

رہے تھے تو آگے ہاتھی تھے تو ہم نے گاڑی کو کھڑا کر لیا کہ ہاتھی گزر جائیں۔ ہمیں یہ اندازہ نہیں تھا کہ ایک ماں کے ساتھ بچہ بھی ہے۔ اب اس ماں نے جب گاڑی کی آواز سنی نہ تو وہ گاڑی کی طرف لپکی۔ گاڑی کا جو ڈرائیور تھا اس نے بیک گیئر لگانا تھا مگر اس پر خوف اتنا طاری ہوا کہ اُس سے بیک گیئر نہیں لگ رہا تھا اور وہ ہاتھی بالکل قریب پہنچ گیا۔ ہاتھی میں تو اتنی طاقت ہوتی ہے کہ وہ چاہے تو سونڈ سے پوری گاڑی کو اٹھا کر پھینک دے۔ جب اتنا قریب آ گیا تو اللہ کی شان کہ گیئر لگ گیا اور گاڑی پیچھے جانے لگی اور ہاتھی رک گیا۔ ڈرائیور کہنے لگا: حضرت! مجھے تو دو لٹر پسینہ آ گیا۔ تو جس ماں کے ساتھ بچہ ہو وہ جانور اتنا محتاط ہوتا ہے کہ بچے کے بارے میں رسک نہیں لیتا۔ یہ محبت ہوتی ہے بچے کی۔

◉......ایک مرتبہ ہم نے ایک جانور ہائیپو کو دیکھا، جسے ہم دریائی گھوڑا کہتے ہیں۔ یہ ہائیپو بہت بڑا اور موٹا ہوتا ہے۔ اتنا بڑا اس کا منہ ہوتا ہے، ہر وقت کھاتا رہتا ہے اور ایسا جسم ہوتا ہے کہ لگتا ہے یہ سارا کا سارا پیٹ ہے جس کو اللہ نے چار ٹانگیں لگا دی ہیں، اتنا گول مٹول سارا کا سارا ڈھول۔ اللہ کی شان کہ وہ گزر رہا تھا اور جہاں سے گزر رہا تھا وہاں کیچڑ تھا، دلدل تھی تو کیچڑ میں پھنس گیا۔ جتنا وہ زور لگاتا کیچڑ سے نہ نکل پاتا تھا اور دھنستا جاتا تھا۔ وہ اتنا دھنس گیا کہ اب اس کی موت یقینی تھی۔ اللہ کی شان دیکھیں کہ کچھ وقت کے بعد ہاتھیوں کا ایک ریوڑ قریب سے گزرا، ان میں سے جو ایک بڑا ہاتھی تھا اس نے پہچان لیا کہ یہ اس وقت مصیبت میں گرفتار ہے۔ وہ ہاتھی باقیوں کو وہیں چھوڑ کے اکیلا آیا اور پیچھے کھڑے ہو کر اس نے اپنی سونڈ آگے بڑھائی اور پورے کے پورے ہائیپو کو ٹانگ میں سونڈ ڈال کے نکال کر باہر کھینچ لیا اور پھر اپنی جگہ پر واپس چلا گیا۔ تو جانوروں کے اندر بھی یہ ملاطفت ہوتی ہے، محبتیں ہوتی ہیں،

رحم ہوتا ہے، انسان تو پھر انسان ہے۔

تو ساری دنیا میں، انسانوں میں، جنوں میں، چوپائیوں میں، پرندوں میں، حشرات میں جو محبتیں ہیں، یہ تمام محبتیں اس وجہ سے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک رحمت کو مخلوق میں تقسیم فرمایا۔

وَ اَخَّرَ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ رَحْمَةً يَّرْحَمُ بِهَا عِبَادَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

''اللہ تعالیٰ نے ننانوے رحمتوں کو باقی رکھ لیا، ان ننانوے رحمتوں کو قیامت والے دن ایمان والے بندوں پر رحم فرمائیں گے۔''

اللہ اکبر کبیرا۔ پروردگار کتنا رحیم و کریم ہے۔

اللہ کی بندوں سے محبت ماں سے بھی زیادہ:

عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ ایک حدیث روایت کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

قَدِمَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ بِسَبْيٍ فَاِذَا امْرَأَةٌ مِنَ السَّبْيِ تَبْغِيْ

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس کچھ قیدی لائے گئے، ان میں ایک قیدی عورت تھی جس کا بچہ گم ہو گیا تھا۔

اب جس ماں کا بچہ گم ہو جائے اس کی کیا حالت ہوتی ہے، یہ عورتیں بہتر سمجھ سکتی ہیں اور مرد بھی سمجھتے ہیں۔ اب وہ عورت اپنے بچے کو ڈھونڈتی پھر رہی تھی، ایک عجیب اضطرار کی کیفیت تھی اس پر۔ چنانچہ

اِذَا وَجَدَتْ صَبِيًّا فِي السَّبْيِ اَخَذَتْهُ فَاَلْصَقَتْهُ بِبَطْنِهَا فَاَرْضَعَتْهُ فَقَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

اس عورت کو جب بیٹا مل گیا تو بیٹے کو اس نے اٹھایا اور اپنے سینے سے لگایا اور اسے اس نے دودھ پلانا شروع کر دیا۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم (صحابہ رضی اللہ عنہم)

سے پوچھا:

اَتُرَوْنَ هٰذِهِ الْمَرْأَةُ طَارِحَةً وَلَدَهَا فِي النَّارِ؟

کیا تم گمان کرتے ہو کہ یہ عورت اپنے بیٹے کو (جس کے بارے میں یہ اتنی اضطرار کی حالت میں تھی اور یوں محبت سے سینے سے لگا رہی ہے اور دودھ پلا رہی ہے، اس کو) آگ میں ڈال دے گی؟

قُلْنَا لَا وَاللّٰهِ وَ هِيَ تَقْدِرُ عَلٰى اَنْ لَا تَطْرُحَهٗ

''ہم نے جواب دیا ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا، کبھی بھی یہ اس کو آگ میں نہیں ڈال سکتی''

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنْ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا

''اللہ کے حبیب ﷺ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس ماں سے زیادہ مہربان ہیں''

جتنا اس ماں کو اس بچے سے محبت ہے، رحمت کا تعلق ہے، اللہ کو اپنے بندے سے اس سے زیادہ رحمت کا تعلق ہے۔ جو ماں بچے کو گرم ہوا لگنا پسند نہیں کرتی، دعائیں دیتی ہے میرے بیٹے تجھے کبھی تپتی ریت پہ پاؤں نہ رکھنا پڑے، تجھے گرم ہوا بھی نہ لگے، تو وہ ماں اپنے بچے کو آگ میں کیسے ڈال سکتی ہے؟ یہی معاملہ اللہ رب العزت کا ہے۔ اللہ رب العزت بہت کریم ہیں۔

روزِ محشر اللہ کی رحمت:

اس کی رحمت کا معاملہ دیکھیے کہ ایک حدیث مبارکہ ہے:

اِنَّ رَجُلَيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُخْرَجَانِ مِنَ النَّارِ

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دو بندوں کو جن کو جہنم میں ڈالا گیا ہوگا، جہنم کی آگ

سے نکالیں گے۔

فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَهُمَا كَيْفَ وَجَدْتُمَا مَقِيْدَ كُمَا وَ سُوْءِ مَيْصِرِ كُمَا؟

اللہ تعالیٰ ان دونوں سے فرمائیں گے کہ تم نے اپنے ٹھکانے کو اور اپنی اس جگہ کو کیسا پایا؟

فَيَقُوْلَانِ شَرٌّ مَقِيْلٍ وَ اَسْوَأُ مَيْصِرٍ

وہ جواب دیں گے یہ جہنم بہت برا ٹھکانہ ہے۔

فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمَا ـ وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ

''تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہی ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں سے آگے بھیجا تھا (تم نے گناہ کیے، برائی کی اسی وجہ سے تمہیں جہنم میں ڈالا گیا) اور میں اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں''

فَيَأْمُرُ بِرَدِّهِمَا اِلَى النَّارِ

''اللہ تعالیٰ ان دونوں بندوں سے فرمائیں گے: جاؤ واپس جہنم میں!''

فَاَمَّا اَحَدُهُمَا فَيُبَادِرُ اِلَيْهَا وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَيَتَوَقَّفُ

''جو ان میں سے ایک ہوگا وہ تو بھاگ پڑے گا جہنم کی طرف دوسرا چلے گا تو سہی مگر پیچھے مڑ مڑ کے دیکھے گا۔''

فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى لِلَّذِىْ بَادَرَ مَا حَمَلَكَ عَلٰى مَاصَنَعْتَ ؟

تو اللہ تعالیٰ جو بھاگ کر جا رہا ہوگا اسے بلائیں گے، بھئی تو کیوں بھاگ پڑا؟

فَيَقُوْلُ عَصَيْتُكَ فِى الدُّنْيَا اَفَاَ عْصِيْكَ فِى الْاٰخِرَةِ ؟

تو وہ کہے گا: اللہ! دنیا میں تو تیری نافرمانی کی، کیا آخرت میں بھی تیری نافرمانی کروں؟

چونکہ آپ نے فرمادیا کہ جاؤ! جہنم میں تو میں بھاگ پڑا کہ یہ حکم تو مان لوں۔ ... پیچھے مڑ مڑ کے دیکھ رہا تھا کھڑا تھا۔ اس سے پوچھا بھئی! تو نے ایسا کیوں کیا؟

فَيَقُوْلُ حُسْنُ ظَنِّيْ بِكَ يَا رَبِّ حِيْنَ اَخْرَجْتَنِيْ مِنْهَا اَنْ لَّا تُعِيْدَنِيْ اِلَيْهَا

وہ کہے گا: اے اللہ! آپ کے ساتھ حسنِ ظن کی وجہ سے رک گیا کہ ایک دفعہ جو تو نے جہنم سے نکال لیا، مجھے تیری رحمت سے گمان ہے کہ دوبارہ مجھے جہنم میں نہیں ڈالے گا۔

فَيَرْحَمُهُمَا وَيَأْمُرُ بِهِمَا اِلَى الْجَنَّةِ

اللہ دونوں پر رحم فرمائیں گے اور دونوں کو کہیں گے کہ جاؤ جنت میں چلے جاؤ۔

وہ اتنے کریم پروردگار ہیں اور اتنا ان کی رحمت کا معاملہ ہے۔

شیطان کو اللہ کی رحمت سے امید:

ایک حدیث مبارکہ ہے بہت توجہ سے ذرا سنیئے گا، دل کے کانوں سے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَيَغْفِرَنَّ اللّٰهُ تَعَالٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَغْفِرَةً مَا خَطَرَتْ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَيَغْفِرَنَّ اللّٰهُ تَعَالٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَغْفِرَةً يَتَطَاوَلُ لَهَا اِبْلِيْسُ رَجَاءَ اَنْ تَنَالَهٗ

''اس ذات کی قسم کہ محمد کی جان جس کے قبضۂ قدرت میں ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں کی اتنی مغفرت فرمائیں گے کہ اس کا گمان ہی

بندے کے دل میں نہیں گزرا۔ اور اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے
اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اتنی مغفرت فرمائیں گے اور وہ اس حد تک بڑھ
جائے گی کہ شیطان کو بھی امید لگ جائے گی کہ وہ بخشا جائے گا''

ہم سوچ ہی نہیں سکتے، اتنا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مغفرت کا معاملہ فرمائیں گے۔، تو اس حدیثِ مبارکہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو باتیں فرمائیں: ایک بات تو یہ کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے، تمہارے دل میں گمان ہی نہیں آسکتا اتنا مغفرت کا معاملہ ہوگا۔ اور پھر آگے بات کو کھول دیا دوبارہ قسم کھا کے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اتنی مغفرت فرمائیں گے کہ اس کی رحمت کا ایک ایسا بھی وقت آئے گا کہ شیطان بھی سر اٹھا کر دیکھے گا کہ شاید میری بھی مغفرت کر دی جائے۔ اللہ اکبر کبیرا! اتنی رحمت کا ظہور ہوگا۔ اللہ آپ اتنے کریم ہیں! اللہ اکبر!۔ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اتنی کہ شیطان بھی امید لگا بیٹھے گا۔

سب سے بڑی خوف کی بات:

لیکن یہاں ایک نکتے کی بات ہے، سمجھنے والی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ یہ رحمت کا معاملہ ان کے ساتھ پیش آئے گا ﴿وَكَانَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا﴾ جو دنیا سے ایمان بچا کر آخرت میں پہنچ گئے ہوں گے، ایمان کے ساتھ چلے گئے ہوں گے۔ اب مسئلہ تو یہ ہے کہ یہ گارنٹی کون دے کہ ہم ایمان کے ساتھ جائیں گے۔ جب اس نکتے کو سوچتے ہیں تو پھر خوف شروع ہو جاتا ہے۔ رحمت کو دیکھتے ہیں تو امید لگ جاتی ہے کہ اللہ مہربانی فرما دیں گے لیکن جب اس نکتے کو سوچتے ہیں کہ ہم ایمان کے ساتھ جائیں گے یا نہیں تو اللہ سے وعدہ تو کوئی نہیں لے سکا ایمان پر خاتمے کا۔ کیا خبر کہ آخر وقت میں حال کیا ہو؟ کوئی نہیں جانتا۔ لہٰذا جب اس نکتے کو سوچتے ہیں تو اب دل میں

اللہ تعالیٰ کا خوف آنا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر انسان ڈرتا ہے۔

علما نے لکھا ہے زندگی میں انسان جو گناہ بار بار، بار بار کر رہا ہوتا ہے اور وہ نہیں چھوڑتا اس کی نحوست آخری وقت ظاہر ہوتی ہے کہ انسان کا نام ایمان والوں کی فہرست سے خارج کر دیا جاتا ہے۔ اس لیے کہا کہ کتنے لوگ ہیں کہ ساری زندگی ان کا نام مسلمانوں کی فہرست میں رہتا ہے اور جب موت کا وقت آتا ہے تو مسلمانوں کی فہرست سے نام خارج کر دیا جاتا ہے۔ تو یہ نکتہ ہے جو پھر مؤمن پر خوف طاری کر دیتا ہے کہ پتہ نہیں ہمارے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ اس پر پھر مؤمن اللہ کے سامنے ڈرتا ہے، روتا ہے، اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہے اور پھر اس پر خوف طاری ہو جاتا ہے۔

جبرئیل علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کی جلالتِ شان سے ڈرنا:

حدیث مبارکہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

مَا جَاءَنِیْ جِبْرِیْلُ قَطُّ اِلَّا وَ هُوَ یَرْعَدُ فَزَعًا مِنَ الْجَبَّارِ عَزَّ وَ جَلَّ

میرے پاس جبرائیل کبھی نہیں آئے مگر اس حال میں کہ وہ اللہ کی عظمت اور جلالتِ شان کی وجہ سے کانپ رہے ہوتے تھے۔

اللہ اکبر! جبرئیل علیہ السلام اللہ کی عظمت شان کی وجہ سے کپکپی طاری ہوتی تھی۔ ہمیں ایک دفعہ اس کا تجربہ اس طرح ہوا کہ جنگل سے گزر رہے تھے اور قدرتی بات ہے کہ ہم تو سوچ رہے تھے کہ ہم باہر نکلیں گے اور کچھ دیر ٹھہریں گے۔ ایک جگہ ڈرائیور نے بریک لگائی، شیشے، سے جو دیکھا تو پتہ چلا کہ دو یا تین گز کے فاصلے پر شیر بیٹھا ہوا ہے۔ اتنا قریب اچانک شیر کو دیکھ کر جو اس وقت سب کی حالت ہوئی بیان سے باہر ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی جبرائیل علیہ السلام کی حالت، جب وہ اللہ کے حضور جاتے ہوں گے کیا ہوگی؟ شیر نے کہا تو کچھ نہیں مگر اچانک اس کو اتنا قریب دیکھ کر سب کے

دلوں پر ایک عجیب خوف تھا...... اللہ اکبر! اس وقت میں سوچ رہا تھا: یا اللہ! یہ مخلوق ہے اور اس کا ڈر اتنا ہے تو تیرے جلال کا معاملہ کیا ہوگا؟

تو فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام جب بھی میرے پاس آئے وہ اللہ تعالیٰ کی جلالتِ شان کی وجہ سے کانپ رہے ہوتے تھے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خوف:

جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں کوئی آندھی آتی تھی، یا سورج گرہن لگتا تھا، یا آسمان پہ بادل آجاتے تھے تو اللہ کے حبیب کا چہرہ متغیر ہو جاتا تھا۔

وَكَانَ اِذَا تَغَيَّرَتِ الرِّيحُ تَغَيَّرَ وَجْهُهٗ وَيَتَرَدَّدُ خَارِجًا وَّ دَاخِلًا خَوْفًا عَلٰى اُمَّتِهٖ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى

”جب ہوا میں کچھ تبدیلی آتی چہرہ بدل جاتا، کبھی نکلتے کبھی داخل ہوتے کہ امت پر عذابِ الٰہی کے آجانے کا خوف ہوتا“

تھوڑی سی آندھی کی ہوا چلتی تھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چہرہ خوف کی وجہ سے متغیر ہو جاتا تھا کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں جاتے تھے کبھی باہر نکلتے تھے، یہ آنا جانا کیوں ہوتا تھا؟ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں خوف ہوتا تھا کہ کہیں میری امت کے اوپر عذاب نہ آجائے۔ اب ذرا سوچیے کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ پہلی قوموں پر بھی بادل آئے تھے اور وہ قومیں سوچتی تھیں کہ ان سے بارش برسے گی، لیکن ان بادلوں میں سے ان پر پتھروں کی بارش برسادی گئی، آگ کی بارش ان کے اوپر برسادی گئی۔ تو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ذرا بادل کو دیکھتے یا تیز ہوا کو دیکھتے تھے تو آپ کا چہرہ متغیر ہو جاتا تھا۔ آج ہم سوچیں کیا ہمارے دل کی حالت ایسی بنتی ہے؟ معلوم ہوا کہ ہم اس نعمت سے محروم ہیں، ہمارے دل میں وہ خوف نہیں جو ہونا چاہیے تھا۔ جب تک یہ خوف دل میں نہیں

ہو گا اس وقت تک انسان گناہوں سے نہیں بچ سکے گا۔

اس لیے حدیث پاک میں ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا وَقَفَ يُصَلِّى اللَّيْلَ يُسْمَعُ لِدَمْعِهٖ وَقْعٌ كَوَكْفِ الْمَطَرِ

''اللہ کے حبیب جب رات تہجد کی نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو آپ کے آنسو مبارک کے ٹپکنے کی آواز ایسے آتی تھی جیسے بارش کے برسنے کی آواز آرہی ہو۔''

اتنے تواتر سے آنسو گرتے تھے، اتنے زیادہ آنسو گرتے تھے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے لگتا تھا کہ بارش برس رہی ہے۔ اللہ کے حبیب ﷺ کے دل پر اللہ کی جلالتِ شان کا یہ حال تھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا ڈرنا:

حدیث پاک میں آتا ہے:

بَكٰى دَاوٗدُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا سَاجِدًا لَا يَرْفَعُ رَأْسَهٗ

حضرت داؤد علیہ السلام اللہ کے سامنے چالیس دن روتے رہے اور چالیس دن سجدے میں پڑ کے معافی مانگتے رہے اور چالیس دن گزرنے کے بعد کہا:

يَا رَبِّ اَمَا تَرْحَمُ بُكَائِيْ

اے اللہ! میرے اس رونے دھونے پر آپ رحم نہیں فرماتے۔

اَوْحَى اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَيْهِ يَا دَاوٗدُ نَسِيْتَ ذَنْبَكَ وَ ذَكَرْتَ بُكَائَكَ

اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی نازل فرمائی اور کہا: اے داؤد! تجھے اپنا رونا یاد ہے اور اپنی غلطی تجھے یاد نہیں؟

چالیس دن روتے رہے...... اللہ اکبر کبیرا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جلالِ الٰہی سے ڈرنا:

رُوِیَ اَنَّ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامَ کَانَ کَثِیْرَا الْبُکَاءُ

سیدنا ابراہیم علیہ السلام بہت کثرت سے روتے تھے۔ (اللہ کے خلیل بھی ہیں)

فَاَتَاہُ جِبْرِیْلُ وَ قَالَ لَہُ الْجَبَّارُ یُقْرِؤُكَ السَّلَامَ وَیَقُوْلُ ھَلْ رَاَیْتَ خَلِیْلًا یَخَافُ خَلِیْلَہٗ

جبرئیل علیہ السلام ان کے پاس آئے اور کہا کہ اللہ رب العزت آپ کو سلام فرماتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ کیا آپ نے کسی دوست کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے دوست سے ڈر رہا ہو، خوف کھا رہا ہو؟

فَقَالَ یَا جِبْرِیْلُ اِذَا ذَکَرْتُ خَطِیْئَتِیْ نَسِیْتُ خُلَّتِیْ

انہوں نے جواب دیا: اے جبرئیل! میں اپنی غلطی کو یاد کرتا ہوں تو مجھے اپنی خلت بھول جاتی ہے۔

اب غلطی کیا تھی یہ بھی سن لیجیے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں تین ایسے مواقع آئے جہاں انہیں ایسی بات کرنی پڑی کہ وہ مصیبت پانے سے بچ جائیں۔

ایک تو یہ کہ قوم بتوں کی پوجا کرتی تھی، وہ میلے پر جا رہی تھی اور انہوں نے کہا کہ جی آپ ہمارے ساتھ چلیں! تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا: میں بیمار ہوں۔ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بندے کی طبیعت جس چیز کو ناگوار سمجھے تو جانے کو جی نہیں نہ چاہتا تو وہ کہہ سکتا ہے جی میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، میرا جی نہیں چاہ رہا۔ تو یہ سچ بات تھی کہ طبیعت کراہت کر رہی تھی، تنگی تھی کہ وہاں جا کے شرک کرتے ہیں تو اللہ کے نبی علیہ السلام وہاں کیسے جا سکتے تھے؟ چنانچہ انہوں نے کہہ دیا کہ ﴿اِنِّیْ سَقِیْمٌ﴾ مگر چونکہ لفظ استعمال کیا

کہ میں بیمار ہوں، بیمار کے لفظ کی وجہ سے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ سے ڈر لگتا ہے کہ کہیں میری پکڑ نہ ہو جائے...... اللہ اکبر! انسان حیران ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک تو یہ کوئی بات ہی نہیں ہوتی۔ ہم تو جھوٹ اس یقین سے بولتے ہیں کہ جس یقین سے مؤمن اللہ کے دین کی دعوت دے رہا ہوتا ہے، پھر بھی ڈر نہیں لگتا۔ مگر اللہ کے جو مقربین ہوتے ہیں، دیکھو! تھوڑی سی بات ہے مگر خلاف واقع نظر آتا ہے کہ انہوں نے لفظ کہا کہ میں بیمار ہوں۔ حالانکہ طبیعت خراب ہو یا طبیعت اچھا Feel نہ کر رہی ہو تو انسان کہہ سکتا ہے کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، میں بیمار ہوں۔ مگر اس لفظ کے کہنے پر بھی اللہ سے ڈرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جب مجھے یہ بات یاد آتی ہے اس وقت میں بھول جاتا ہوں کہ میں اللہ کا خلیل ہوں۔

قرآن پڑھتے ہوئے اکابر کا رونا:

امت کے اکابر جب قرآن مجید پڑھتے تھے تو قرآن مجید کی وہ تمام آیتیں جو آخرت کے بارے میں ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کے بارے میں ہیں، ان کو پڑھتے تھے تو روتے رہتے تھے، بار بار پڑھتے تھے اور ان کے دلوں کی کیفیت اس وقت عجیب ہوتی تھی۔ آج کا تو حال یہ ہے کہ جتنا مرضی کوئی اچھا قرآن پڑھے مشکل ہی سے کسی کی آنکھ سے آپ آنسو ٹپکتا دیکھیں گے۔ ہاں کوئی بندہ شعر پڑھنا شروع کر دے، سب رونا شروع کر دیں گے۔ رباعی پڑھ دے، کوئی ایسی نظم پڑھ دے سب رونا شروع کر دیں گے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ کبھی کسی نے سوچا؟ وجہ یہ ہے کہ جن کے دل اللہ کی محبت سے بھرے ہوتے ہیں، جب اللہ کا کلام ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو ان کی آنکھوں سے پھر ٹپ ٹپ آنسو گر رہے ہوتے ہیں اور جن کے دل مخلوق کی محبتوں سے بھرے ہوتے ہیں، ان کے سامنے مخلوق کا کلام پڑھا جاتا ہے تو ٹپ ٹپ

آنسو گرنے لگ جاتے ہیں۔

قرآن پڑھتے ہوئے صحابہ کی کیفیت:

صحابہ رضی اللہ عنہم کی حالت یہ تھی کہ قرآن پڑھنا شروع کرتے تھے اور ان کی رونے کی حالت عجیب ہو جاتی تھی۔

◉ چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ایک آیت پڑھی ﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ اور جب پہنچے ﴿وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ﴾ عمر رضی اللہ عنہ نے آیت پڑھی بے ہوش ہو کر گر گئے۔ یہ کیفیتیں آج ہمیں انوکھی نظر آتی ہیں۔

◉ ایک دفعہ عمر ابنِ خطاب رضی اللہ عنہ کسی کا قرآن سن رہے تھے تو جب قاری نے پڑھا:

﴿اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَالَهٗ مِنْ دَافِعٍ﴾ (طور:۷)

''تمہارے پروردگار کا عذاب واقع ہو کر رہے گا''

اس آیت کو سنا، بیمار ہو گئے، ایک مہینے تک ان کی بیماری چلتی رہی۔ آیت کو پڑھ کے دل پر ایسا غم لگا۔

◉ ایک صحابی ہیں زرارہ بن اوفی رضی اللہ عنہ، انہوں نے فجر کی نماز پڑھی۔ جب قرأت میں آیت سنی:

﴿فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ○ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ○﴾ (المدثر:۸۔۹)

''جب صور پھونکا جائے گا، وہ دن مشکل کا دن ہوگا''

آیت کو سنا دل پہ ایسا اثر ہوا، نیچے گرے اور ان کی روح پرواز کر گئی۔

◉ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیت سنی:

﴿وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ (الحجر:۴۳)

''ان سب کے وعدے کی جگہ جہنم ہے''

فرماتے ہیں کہ اتنا ان کے اوپر گریہ طاری ہوا کہ اس آیت کو سن کر ان کی چیخیں نکل گئیں۔

◎ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فجر کی نماز پڑھا رہے ہیں اور امامت کرا رہے ہیں، اس دوران انہوں نے یہ آیت پڑھی:

﴿اِنَّمَا اَشْکُوْ بَثِّیْ وَ حُزْنِیْ اِلَی اللّٰہِ﴾ (یوسف:۸۶)

''میں اپنے غم واندوہ کا اظہار اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں''

صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں پچھلی صف میں کھڑا تھا، ان کی آہیں بھرنے کی آواز مجھے پچھلی صف میں آ رہی تھی۔

یہ کیفیتیں ہمارے لیے کیوں اجنبی ہیں؟ ہم سوچیں نا زندگی کے ستر سال گزر گئے علم پڑھا بھی سہی اور علم پڑھایا بھی سہی، کبھی نفل پڑھتے ہوئے، قرآن پڑھتے ہوئے ہمارے آنسو ٹپکے؟ کبھی ہم پر یہ کیفیت آئی اگر نہیں آئی تو اِنَّھَا اَعْظَمُ مِنْ مَصَائِبِ تو یہ بڑی مصیبت ہے۔ ہمیں کیوں رونا نہیں آتا ان آیتوں پر؟ جب ہم جانتے بھی ہیں، ان کے معنی بھی سمجھتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے Something is seriously wrong somewhere کچھ گڑبڑ ضرور ہے کہ ہم سے رونا چھین لیا گیا۔

◎ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے آیت پڑھی:

﴿وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہِ﴾ (البقرہ:۲۸۴)

''تم اپنے دل کی باتوں کو ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تم سے حساب لے گا''

کئی گھنٹے اس آیت کو پڑھ کر روتے رہے۔

◎ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے آیت پڑھی:

﴿يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (المطففين: ۶)

''وہ دن جس دن انسان اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے''

جب یہ آیت پڑھی، کہتے ہیں کہ ان پر ایسا اثر ہوا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر گئے۔ اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کا تصور ان کو بدل کے رکھ دیتا تھا۔

◎ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ایک آیت پڑھی:

﴿وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدُ﴾ (ق: ۱۹)

''اور موت کی بے ہوشی تو آ کر رہے گی، یہی ہے وہ جس سے تو بھاگتا تھا''

اتنا روئے کہ آگے ان کے لیے تلاوت کرنی مشکل ہوگئی۔

◎ امام قاسم رحمۃ اللہ علیہ ہمارے سلسلہ عالیہ کے بزرگ ہیں۔ قاسم بن محمد بن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ ان کو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تربیت ملی اور وہ حجرۂ عائشہ کے اندر پلے بڑھے اور فقہاء سبعہ مدینہ میں سے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ دیکھا کہ پھوپھی جان نماز پڑھ رہی تھیں، اشراق یا چاشت یا کوئی بھی دن کی نماز ہوگی تو وہ کہنے لگے کہ ایک آیت کو بار بار پڑھ رہی تھیں اور رو رہی تھیں۔ میں بہت دیر سنتا رہا وہ بار بار پڑھتی رہیں اور روتی رہیں۔ کہنے لگے کہ مجھے بازار سے کچھ لانا تھا میں بازار چلا گیا، جب میں بازار سے چیز لے کر آیا تو میں نے دیکھا اس وقت بھی اس آیت کو پڑھ کر وہ رو رہی تھیں، اتنی دیر ان کو روتے گزر گئی۔ وہ آیت کیا تھی:

﴿فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُومِ﴾ (طور: ۲۷)

''اللہ نے ہم پر احسان فرمایا اور ہمیں لو کے عذاب سے بچا لیا''

اللہ اکبر کبیرا۔

◎ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ یہ آیت پڑھی:

﴿يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ﴾ (الانفطار: ۶)

''اے انسان تجھے کس نے کریم پروردگار سے دھوکے میں ڈال دیا''

اس آیت کو پڑھ کر رو پڑے اور اس سے آگے ان کے لیے تلاوت کرنا مشکل ہو گیا۔

◉ ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری:

﴿اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ۝ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ۝﴾ (النجم:۵۹،۶۰)

''کیا تم اس کلام سے تعجب کرتے ہو؟ ہنستے ہو اور روتے نہیں''

تو اصحابِ صفہ اتنا روئے کہ ان کے رونے کی آوازیں مسجد سے باہر تک سنی جاسکتی تھیں۔

اور روایت میں آیا ہے ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک آیت پڑھی اور آپ بہت دیر اس آیت کو بار بار پڑھتے رہے، روتے رہے، پڑھتے رہے، وہ آیت کیا تھی؟

﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (المائدہ:۱۱۸)

''اللہ! اگر آپ ان کو عذاب دیں تو یہ آپ ہی کے تو بندے ہیں اور اگر بخش دیں تو آپ غالب اور حکمت والے ہیں''

◉ تمیم داری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ ساری رات یہ آیت پڑھتے رہے:

﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ (جاثیہ:۲۱)

''کیا گناہ کرنے والوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم انہیں ایمانداروں نیک کام کرنے والوں کے برابر کردیں گے''

◉ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے، جب

انہوں نے یہ آیت پڑھی:

﴿يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ۔ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنفُوشِ﴾ (القارعۃ:۴۔۵)

''جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے اور پہاڑ دھنی ہوئے روئی کی طرح ہونگے''

تو کپکپی طاری ہوگئی اوران سے مزید قرآن پاک پڑھنا ممکن نہ رہا۔

◎ مقاتل بن حبان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا، آیت پڑھ رہے تھے، کپکپا رہے تھے اور رو رہے تھے۔ میں نے قریب ہو کر سنا تو وہ بار بار اس آیت کو دھرا رہے تھے

﴿وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ﴾ (صافات:۲۴)

''انہیں روک لو ان سے پوچھ گچھ ہوگی''

ان کو روک لیجیے، ہم نے ان کا ٹرائل کرنا ہے۔ ایئر پورٹ سے گزرتے ہوئے ایک سکیننگ مشین ہوتی ہے۔ اگر کسی کی جیب میں کوئی میٹل کی بنی چیز ہو تو اس کو وہاں جو سیکورٹی والے ہوتے ہیں، کہتے ہیں: ''جی ذرا ادھر آجائیں ہم نے آپ کی جیبیں چیک کرنی ہیں''۔ بالکل اسی طرح قیامت کے دن ہر بندہ اللہ کے سامنے پیش ہوگا ایک سکیننگ مشین ہوگی جو اس بندے کے دل کو سکین کرے گی۔ اور پھر قرآن مجید کی آیت ہے کہ فرشتہ کہے گا ﴿وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ﴾ اس کو روک لیجیے۔ ہم نے تفتیش کرنی ہے ان کا ٹرائل لینا ہے۔ یہ دیکھنے میں صوفی نظر آتے تھے۔ اوپر سے میاں تسبیح تھے اندر سے میاں کسبی تھے۔ ان کو روک لو ہم نے پوچھ گچھ کرنی ہے۔ وہ پروردگار تو سینوں کے بھید جانتا ہے۔ جب اس کے سامنے سے انسان گزرے گا اور دل کے اندر گناہوں کا زنگ ہوگا، گناہوں کی ظلمت سامنے ہوگی تو پھر اللہ رب

العزت بندے کو کھڑا کریں گے۔ اچھا بھئی بتاؤ تم نے دنیا میں زندگی کیسے گزاری ہے ؟ تم لوگوں کو دھوکے دیتے تھے۔ اللہ کے بندوں کے لیے وبال جان بنے ہوتے تھے ذرا رکو تو سہی تا کہ ہم تمہاری تفتیش کریں۔

اور حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ قیامت کے دن جس بندے کی تفتیش شروع ہو گئی، اس کو یقیناً عذاب ہوگا، کوئی ماں کا بیٹا بچ نہیں سکتا۔ تو عافیت اسی میں ہے کہ اللہ بغیر حساب کے ہی گزار دے۔ اسی لیے وہ اکابران آیات کو پڑھتے تھے، ان پر خوف طاری ہو جاتا تھا۔

◎ ابوبکر عیاش رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ یہ آیت پڑھی:

﴿وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (الزخرف:۷۶)

''ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا مگر وہ خود ہی ظالم ہیں''

وہ ساری رات اس آیت کو پڑھ کر روتے رہے۔

◎ منظر سعید اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ پڑھا:

﴿يَا اَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ﴾

''اے لوگو تم سب کے سب اللہ کے ہاں فقیر ہو''

پھر رونا شروع کر دیا۔ پوری رات اس کو بار بار پڑھتے رہے اور روتے رہے۔

قاسم بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ عشاء کے بعد انہوں نے نماز شروع کی، ایک آیت کو وہ بار بار پڑھتے رہے اور روتے رہے۔ آیت کیا تھی:

﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ﴾ (القمر:۴۶)

''بلکہ قیامت ان کے وعدے کا وقت ہے، اور قیامت زیادہ دہشت ناک اور تلخ چیز ہے''

یہ نہیں تھا کہ صرف مرد ہی ایسا کرتے تھے۔ اس زمانے کی عورتیں بھی علم والی تھیں۔ وہ بھی تہجد باقاعدگی سے پڑھتی تھیں اور ان کے دل میں اللہ کی خشیت ہوتی تھی۔ چنانچہ

◉ ام عمار فرماتی ہیں کہ میں نے منیفہ بنت طارق کو دیکھا کہ انہوں نے تہجد کی نیت باندھی اور وہ اس آیت کو پڑھ کر روتی رہیں حتیٰ کہ سحری کا وقت ہو گیا:

﴿وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (ال عمران:۱۰۱)

تو یہ ایک نعمت ہے جو ہمیں اللہ سے مانگنی چاہیے۔ آج اللہ سے مال مانگنے والے بہت ہیں، اولاد مانگنے والے بہت ہیں، اچھا عہدہ مانگنے والے بہت ہیں، دنیا کی عزتیں مانگنے والے بہت ہیں، آج اللہ سے ان نعمتوں کو مانگنے والے بہت تھوڑے ہیں۔ کیا کبھی کسی کو روتے دیکھا کہ یا اللہ اپنی محبت دے دیجیے، اپنا خوف دے دیجیے، گناہوں سے میری جان چھڑا دیجیے؟ بہت کم ہو گئی یہ چیز۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے خوف کی کیفیت:

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے:

اِذَا جَلَسَ كَاَنَّهٗ اَسِيْرٌ قُدِّمَ لِيُضْرَبَ عُنُقُهٗ وَ مَكَثَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً لَمْ يَضْحَكْ

جب بیٹھتے تھے تو یوں لگتا تھا کہ یہ وہ قیدی ہیں کہ جس کو ابھی پھانسی چڑھا دیا جائے گا، چالیس سال تک ان کو کسی نے مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔

اتنا اللہ رب العزت کا خوف ان کے دل میں تھا۔

طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کے خوف کی کیفیت:

طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آیا ہے:

كَانَ طَاؤُسُ يَفْرُشُ فِرَاشَهُ وَ يَضْطَجِعُ عَلَيْهِ فَيَقَلّٰى كَمَا تَتَقَلّٰى الْحَبَّةُ فِي الْمِقْلَاةِ

اپنا بستر بچھاتے تھے اسکے اوپر لیٹتے تھے اور بستر کے اوپر کروٹیں اس طرح بدلتے تھے جیسے کہ کسی کڑاہی کے اندر بھننے والا چنا اچھل رہا ہوتا ہے۔

ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَطْوِيْهِ وَ يُصَلِّيْ اِلَى الصُّبْحِ وَ يَقُوْلُ طَيَّرَ ذِكْرُ جَهَنَّمَ نَوْمَ الْخَائِفِيْنَ

''پھر کھڑے ہو جاتے تھے، بستر لپیٹ دیتے تھے اور صبح تک پھر نماز پڑھتے رہتے تھے اور کہتے تھے جہنم کے خوف نے خوف والوں کی نیندوں کو اڑا کے رکھ دیا۔

اب خوف والوں کے کچھ مراتب ہیں۔

﴿۱﴾ خوف المومنین:

ایک ہے عوام الناس کا خوف یعنی میرا اور آپ کا خوف۔ ہمارا خوف یہ ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے گناہوں پہ سزا کا ڈر ہوتا ہے۔ ہمارا خوف بچے والا ہے۔ جیسے بچے نے شیشے کا برتن توڑا ہو تو وہ ڈر رہا ہوتا ہے کہ امی کو پتہ چلے گا تو مجھے تھپڑ لگے گا۔ ہمارے خوف کی مثال ایسی ہے کہ چونکہ ہم نے گناہ کیے، تو ہم کئی مرتبہ ڈرتے بھی ہیں

کہ یا اللہ! ان گناہوں کی وجہ سے ہمارے ساتھ بنے گا کیا؟ یہ ہے عوام الناس کا خوف۔

۲ خوف الصادقین:

اور ایک ہے اولیا اللہ کا خوف، عارفین کا خوف۔ وہ یہ ہے کہ یا اللہ! اس وقت تو سینے میں ایمان کی نعمت آپ نے عطا کی ہوئی ہے، معلوم نہیں کہ یہ موت تک سلامت رہے گی یا نہیں رہے گی۔ اس کو کہتے ہیں ''سوءِ خاتمہ کا خوف''۔ یہ اولیاء اللہ کے دلوں میں ہوتا ہے۔

۳ خوف الانبیاء:

اور ایک خوف انبیاء میں ہوتا ہے۔ خَوْفُ اِجْلَالٍ وَّ تَعْظِیْمٍ اللہ کی جلالت شان کی وجہ سے خوف۔ یہ خوف جبرائیل علیہ السلام کو بھی تھا، جلالتِ شان کا خوف، انبیاء کو بھی یہی خوف ہوتا ہے۔ جو کامل اولیاء اللہ ہوتے ہیں وہ اللہ کی بے نیازی سے ڈر رہے ہوتے ہیں کہ پتہ نہیں ہمارا ایمان بھی سلامت رہے یا نہ رہے۔

جبرائیل و میکائیل علیہما السلام کا جلالِ الٰہی کے خوف سے رونا:

چنانچہ بات سننے والی ہے،

وَلَمَّا مَکَرَ بِاِبْلِیْسَ لَعْنَہُ اللّٰہُ طَفِقَ جِبْرَائِیْلُ وَ مِیْکَائِیْلُ عَلَیْہِمَا السَّلَامُ یَبْکِیَان

جب اللہ نے شیطان کو اپنے دربار سے دھتکار دیا، نکال دیا تو اس کو جب رب نے فرمایا فاخرج منہا (دفعہ ہو جاؤ میرے دربار سے) تو اس بات کو دیکھ کر جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام رونے لگ گئے۔

فَاَوْحَی اللّٰہُ تَعَالٰی اِلَیْھِمَا مَا لَکُمَا تَبْکِیَانِ کُلَّ ھٰذَا الْبُکَاءِ

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں سے یہ پوچھا: تم کیوں رو رہے ہو؟

ان دونوں نے آگے سے جواب دیا:

قَالَا یَا رَبِّ مَا نَامَنُ مَکْرَکَ

کہنے لگے: اے پروردگار ہم آپ کی تدبیر سے بچے ہوئے نہیں۔

اے اللہ! ہمیں آپ کی تدبیر سے ڈر لگتا ہے کہ پتہ نہیں ہمارا انجام کیا ہوگا؟

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی ھٰکَذَا کُوْنَا لَا تَأْمَنَا مَکْرِیْ

رب کریم نے فرمایا: ایسا ہی ہونا چاہیے، تمہیں میری بے نیازی سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیے۔

میں بے نیاز ہوں جس کا چاہوں حشر جیسے کروں۔ اللہ اکبر۔

ایک مغرور عابد کا عبرت انگیز انجام:

کہتے ہیں:

خَرَجَ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ یَوْمًا وَ مَعَہٗ عَابِدٌ مِنْ عُبَّادِ بَنِیْ اِسْرَائِیْل فَتَبِعَھُمَا رَجُلٌ عَاصٌ

عیسیٰ علیہ السلام ایک دن نکلے اور ان کے ساتھ بنی اسرائیل کا بڑا عبادت گزار بندہ بھی تھا۔ ان دونوں کے پیچھے ایک گناہ گار چل پڑا۔

فَمَقَتَہُ الْعَابِدُ وَ قَالَ اللّٰھُمَّ لَا تَجْمَعْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ ھٰذَا الْعَاصِیْ

اب جب عبادت گزار نے اس گناہ گار کو دیکھا تو اس نے ناپسند کیا اور اس نے کہا: اللہ مجھے اور اس گناہگار بندے کو قیامت کے دن اکٹھا نہ کرنا۔

اس کے دل میں اپنی عبادت کا مان تھا اس لیے اس نے کہا: اے اللہ! مجھے اور

اسکو قیامت کے دن اکٹھا نہ کرنا۔

فَقَالَ الْعَاصِيْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ

گناہگار نے کہا: اللہ مجھے بخش دے۔

فَاَوْحَى اللّٰهُ تَعَالٰى اِلٰى عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَام قَدْ اِسْتَجَبْتُ دُعَاءَ هُمَا فَرَدَدْتُ الصَّالِحَ وَ غَفَرْتُ لِلْمَحْرُوْمِ

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ میں نے دونوں کی دعاؤں کو قبول کرلیا، نیک بندے کو محروم کردیا اور برے کو بخش دیا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میں نے اس گناہ گار کی دعا کو قبول کرلیا، اس نے دعا مانگی تھی اللہ میری بخشش کردے تو میں گناہ گار کی دعا کو قبول کرلیا اور اُس نے دعا مانگی تھی اللہ اس کے ساتھ اکٹھا نہ کرنا، لہٰذا میں نے اسکے لیے جہنم کا فیصلہ کردیا۔ اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی بندے کو رلا دیتی ہے۔

خاتمہ بالخیر کی گارنٹی نہیں:

اس لیے حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ رو کر کہتے تھے:

مَنْ خَتَمَ لَهٗ بَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔

اِذَا صَعِدَتِ الْمَلَائِكَةُ بِرُوحِ الْمُؤمِنْ تَقُوْلُ الْمَلَائِكَةُ كَيْفَ سَلِمَ هٰذَا مِنْ دَارِ فِتَنٍ فِيْهَا خِيَارُنَا۔

جس کا اختتام لا الہ الا اللہ پر ہوگیا، جنت میں داخل ہوگیا۔

ثُمَّ يَبْكِيْ وَيَقُوْلُ: وَمَنْ لِيْ بِاَنْ يَخْتِمَ لِيْ بَلَا اِلٰهَ اِلَا اللّٰه

پھر روتے تھے اور کہتے تھے: کون ہے یہ گارنٹی دینے والا کہ میرا انجام لا الہ الا اللہ پر ہوگا۔

تو ڈر تو اس بات کا ہے۔اس لیے کتابوں میں لکھا ہے، کتنے لوگ ہوں گے ان کا نام ساری زندگی مسلمانوں کی فہرست میں ہوگا جب موت کا وقت آئے گا ان کا نام مسلمانوں کی فہرست سے خارج کر دیا جائے گا۔انجام کیا ہوگا؟ یہ مستقل ایک خوف ہوتا ہے مؤمن کے دل میں۔

اللہ کی خفیہ تدبیر:

اس لیے وہ قرآن مجید کی آیتیں پڑھتے ہیں اور ان کو ڈر لگتا ہے۔

قرآن مجید کی ایک آیت ہے، اللہ فرماتے ہیں:

﴿ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴾ (قلم:۴۴)

''ہم درجہ بدرجہ ان کو اتاریں گے اور انہیں خبر بھی نہ ہوگی''

یہ نیکی پہ مان کرنے والے، مسنون دعائیں پڑھنی چھوٹ گئیں، تکبیر اولیٰ کی عادت چھوٹ گئی، تہجد قضاء ہونے لگ گئی، باوضو رہنے کی عادت چھوٹ گئی۔

﴿ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴾

اب فونوں پہ وقت زیادہ گزرتا ہے، اب لوگوں میں وقت زیادہ گزرتا ہے، اب دنیا کی چکا کوند اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔آہستہ آہستہ۔اللہ فرماتے ہیں: آہستہ آہستہ ان کو ایسے ہٹائیں گے کہ ان کو پتہ ہی نہیں چلے گا۔

﴿وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ﴾ (قلم:۴۵)

''ہم اپنی رسی ڈھیلی کر دیں گے، ہماری تدبیر بڑی پکی ہے''

اللہ اکبر! اور واقعی ایسا ہوتا ہے۔ایک طرف لوگوں کی واہ واہ ہوتی ہے، دولت ہوتی ہے، اختیارات ہوتے ہیں اور دوسری طرف گناہ بھی بہت ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا﴾ جب وہ خوش ہو گئے کہ ان کو کیا دنیا کی

نعمتیں مل گئیں ﴿اَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً﴾ ہم نے اچانک ان کو اپنی پکڑ میں لے لیا۔ تو بزرگوں نے لکھا ہے جب کسی بندے پر اللہ دنیا کے دروازے کھول دے اور پھر وہ ساتھ گناہوں پہ بھی جرأت کرنے والا بن جائے تو سمجھ لے کہ یہ اللہ کی خفیہ تدبیر ہے، موت کے وقت مجھے ایمان سے محروم کر دیا جائے گا۔

گورکن کا مشاہدہ:

ایک گورکن تھا جو قبر کھودتا تھا، مردوں کو دفن کرتا تھا۔ وہ توبہ تائب ہو کے بڑا نیک بن گیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ بھئی! آپ کی توبہ کا سبب کیا بنا؟ اس نے جواب دیا: بعض وجوہات کی وجہ سے میں نے سو بندوں کی قبروں کو دوبارہ کھولا، میں نے دیکھا کہ ان کے چہرے قبلے کی طرف سے پھرے ہوئے تھے۔

آخر وقت کلمہ نصیب کی بات ہے:

ملتان کے ایک ڈاکٹر صاحب ہیں، کافی عرصہ پہلے موت کے بارے میں ان کی ایک کتاب پڑھی تھی۔ وہ لکھتے ہیں: مجھے زندگی بھر ایمرجنسی وارڈ میں ڈیوٹی دینے کا موقع ملا۔ انہوں نے لکھا کہ اتنے سال میں لگا تار ایمرجنسی وارڈ میں ڈیوٹی کرتا رہا۔ اب بڑے ہسپتال میں دو چار اموات تو روز ہی آجاتی ہیں۔ تو وہ کہتے ہیں کہ جب بھی میرے پاس کوئی بندہ آتا جو آخری لمحوں پہ ہوتا تو میں اسے سمجھاتا کہ کلمہ پڑھو، کلمہ پڑھو! وہ لکھتے ہیں کہ میں نے سو میں سے صرف دس بندوں کو اونچا کلمہ پڑھتے سنا، نوے بندے کہتے تھے کہ زبان نہیں چلتی، پڑھا نہیں جاتا۔ موت کے وقت زبان پہ فالج ہو جاتا ہے۔ ہم تو کہتے ہیں نا کہ آج وقت ہے اس کلمے کا ورد کر لیجیے، ایک وقت آئے گا جب زبان پڑھنے پر قادر نہیں ہوگی۔

وہ کہتے ہیں کہ ایک بندے کو میں نے سمجھایا کہ موت کے وقت اگر پڑھنے میں دقت ہو تو میں تیرے سامنے یہ لکھا ہو کر دوں گا دیکھ کر پڑھ لینا۔ نہ پڑھا جائے تو آنکھ کا اشارہ کر دینا کہ میں پڑھنا چاہتا ہوں پڑھ نہیں پا رہا۔ اب اسکے اوپر موت کا وقت آیا تو میں نے اسے کہا: پڑھو! اس نے آنکھ کے اشارے سے کہہ دیا کہ اب مجھ سے کلمہ پڑھا نہیں جا رہا۔ یہ جو چیز ہے نا کہ اس کے گناہوں کی وجہ سے انسان کا ایمان چھن جائے تو یہ چیز اللہ والوں کو رلا دیتی ہے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کا بارگاہ الٰہی میں گڑگڑانا:

اسی لیے ایک دفعہ جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بیت اللہ کے قریب تھے، جبرائیل علیہ السلام نے دعا مانگی:

اِلٰهِي لَا تُبَدِّلْ جِسْمِيْ وَ لَا تُغَيِّرْ اِسْمِيْ

''اے اللہ! میرے جسم کو تبدیل نہ کرنا اور نام کو''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا کہ جبرئیل یہ کیسی دعا مانگ رہے ہو؟ کہنے لگے: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! جب سے میں شیطان بدبخت کو دیکھا کہ اللہ کے دربار سے دھتکارا گیا مجھے اپنے انجام کی فکر رہتی ہے۔ اس لیے میں دعا کرتا ہوں: الٰہی! نہ میرے نام کو بدل دینا، نہ میرے جسم کو بدل دینا۔

دراصل شیطان کا نام پہلے طاؤس الملائکہ تھا، فرشتوں میں ایسا مقام تھا۔ اور جب برباد ہو گیا، بدبخت ہو گیا تو اس کا نام شیطان پڑ گیا۔ اللہ نے نام بدل دیا۔ پہلے عبادت کرتا تھا اب نافرمانی کے اوپر لگ گیا۔ لہٰذا اس کے انجام کو دیکھ کر جبرئیل علیہ السلام یہ دعا کر رہے تھے۔

چار سو سال کی عبادت کے باوجود کتے سے تشبیہ:

بلعم باؤر کی مثال قرآن مجید میں ہے۔ بنی اسرائیل کا وہ بندہ جس کی ہر دعا قبول ہوتی تھی۔ مفسرین نے لکھا کہ چار سو سال اس نے عبادت کی۔ اب بتائیں! چار سو سال جو بندہ عبادت کرے تو یہ زندگی کا کتنا لمبا عرصہ ہے۔ ایک گناہ کر بیٹھا کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کر دی۔ اب نتیجہ کیا نکلا؟ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اسکے بارے میں فرمایا: ﴿مَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ﴾ ''اس کی مثال کتے کی مانند ہے''۔ جب یہ آیت پڑھتے ہیں تو کپکپا جاتے ہیں۔ یا اللہ! چار سو سال سجدے تو اس نے کیے تھے نا! آپ کی شان بے نیازی کہ اس نے ایک غلطی کی اور آپ قرآن مجید میں فرماتے ہیں کہ اس کی مثال کتے کی مانند ہے؟

﴿وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ﴾ (الاعراف:۱۷۶)

یا اللہ! آپ کی شان کتنی بڑی ہے کتنا ڈرنا چاہیے ہمیں اپنے گناہوں کی وجہ سے۔

حضرت عبداللہ اندلسی رحمۃ اللہ علیہ کا سبق آموز واقعہ:

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل سے ایک واقعہ لکھا ہے، امید ہے یہ واقعہ اس مضمون کو سمجھا دے گا۔ وہ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات اتنی چھوٹی سی غلطی پہ بھی پکڑ آ جاتی ہے جس کو ہم غلطی ہی نہیں سمجھتے۔ اور وہ حضرت عبداللہ اندلسی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ لکھتے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ یہ اندلس کے ایک بزرگ تھے، لاکھوں مریدین تھے اور وہ حافظ

الحدیث تھے، ایک لاکھ حدیثیں ان کو یاد تھیں۔انکے لاکھوں مریدین تھے اور متبع شریعت وسنت تھے۔ایک مرتبہ اپنے مریدین کے ساتھ کہیں سفر پہ جا رہے تھے، ایک عیسائیوں کی بستی کے قریب سے گزرے اور عیسائیوں نے اپنے گھروں کے اوپر صلیب لگا رکھی تھی۔ان کی نظر صلیب پر پڑی۔آگے انہوں نے لوگوں کو کہا کہ بھئی! کنوئیں پہ رکو ہم وضو کر کے نماز پڑھیں گے۔جب کنوئیں پہ لوگ رکنے کے لیے گئے تو چند لڑکیاں وہاں پانی بھر رہی تھیں، وہ پانی بھر کر چلی گئیں۔لوگوں نے وضو کیا تو ان سے کہا کہ حضرت آپ بھی وضو کر لیں، نماز پڑھیں۔کہنے لگے کہ بھئی! تم نماز پڑھو اور جاؤ! اب میرے اندر کچھ نہیں رہا۔حضرت! کیا مطلب؟ کہنے لگے کہ بس تم مجھے میرے حال پہ چھوڑ دو۔ایک دن تک ان کے شاگرد روتے رہے، بالآخر وہ آگے چلے گئے۔یہ ایک دن وہاں خاموش بیٹھے رہے، پھر اس کے بعد بستی کی طرف چلے، لوگوں سے پوچھا فلاں کپڑے پہننے والی جو لڑکی تھی وہ کون تھی؟ انہوں نے کہا کہ بستی کا جو نمبر دار تھا نہ اس کی بیٹی ہے۔یہ اس کے پاس گئے، کہنے لگے: کیا آپ اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کر سکتے ہیں؟ اس نے کہا: بھئی! آپ اجنبی ہیں ہمارے پاس رہیں ایک دوسرے سے (Interact) گھلنے ملنے کا موقع ملے، طبیعتیں مانوس ہو جائیں تو پھر سوچیں گے اور دوسری بات یہ کہ جو ہمارے دین پہ ہوتا ہے ہم تو اسی سے نکاح کرتے ہیں۔انہوں نے کہا: ٹھیک ہے، میں یہیں رہتا ہوں۔انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے آپ گھر کے فرد بن کے رہیں گے تو یہاں آپ کو کام بھی کرنا پڑے گا۔ہمارا سؤروں کا ریوڑ ہے۔(جیسے ہم بکریاں پالتے ہیں وہاں بعض جگہوں یہ سور پالتے ہیں) تو سور ہم نے پالے ہوئے ہیں ان کو چرانا پڑے گا۔وہ اس کے لیے بھی تیار ہو گئے۔اب یہ روزانہ صبح اٹھتے اور سؤر چرانے چلے جاتے۔اور سارا دن سؤر چرا کر

واپس آجاتے۔

ادھر ان کے باقی ہمسفر مرید اور طلبا جب واپس گئے اور انہوں نے لوگوں کو بتایا کہ شیخ کے ساتھ تو عجیب مسئلہ بنا، وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس تو کچھ نہیں ہے، چلے جاؤ مجھے میرے حال پہ چھوڑ دو، تو لوگوں کا تو رو رو کے حال برا ہو گیا۔ ایک سال اسی طرح گزر گیا۔ ان کے متعلقین میں ایک شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ ان کے دل میں خیال آیا کہ میرے شیخ متبع سنت تھے۔ وہ حافظ القرآن تھے، حافظ الحدیث تھے۔ میں اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں، میں جا کر ان کا حال تو دیکھوں۔ وہ وفادار تھے، واپس آئے۔ لوگوں سے پوچھا کہ جی اس طرح کے نوجوان کے بارے میں کچھ بتائیں؟ انہوں نے کہا: ہاں وہ سؤر چرانے جاتا ہے، آپ، فلاں جگہ پر جاؤ وہ سؤر چرا رہا ہوگا۔ وہ کہتے ہیں کہ جب میں گیا میں نے دیکھا: وہی جبہ، وہی امامہ، وہی عصا ہاتھ میں اور سؤروں کے پیچھے چل رہے ہیں۔ جس جبے اور امامے کے ساتھ وہ جمعہ کا خطبہ دیا کرتے تھے، اللہ کے بندوں کو دین کی طرف بلایا کرتے تھے، آج اس حال میں ہیں کہ وہ سوروں کو چراتے پھر رہے ہیں؟ وہ کہتے ہیں: میں قریب ہوا۔ میں ان سے سلام دعا کے بعد پوچھا: حضرت! آپ تو قرآن مجید کے حافظ تھے۔ کیا قرآن مجید ابھی یاد ہے؟ تو کہتے ہیں کہ وہ تھوڑی دیر سوچتے رہے، پھر کہنے لگے: میں سارا قرآن بھول گیا ہوں، بس ایک آیت یاد ہے۔ میں نے پوچھا کون سی آیت؟ کہنے لگے:

﴿وَمَنْ يُهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُكْرِمٍ﴾ (الحج:۱۸)

”جسے اللہ تعالیٰ ذلیل کرنے پہ آتا ہے اسے عزت دینے والا کوئی نہیں ہوتا“

سارا قرآن بھول گئے صرف ایک آیت یاد رہی: ”جسے اللہ ذلیل کرنے پہ آتا ہے اسے عزت دینے والا کوئی نہیں ہوتا“۔ میں نے پوچھا: حضرت! آپ تو حدیث

کے حافظ بھی تھے، کوئی حدیثیں یاد ہیں؟ کہنے لگے: سب بھول گیا ہاں ایک حدیث یاد آتی ہے پوچھا کون سی؟ کہنے لگے:

((مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ))

''جو دین اپنے کو بدل دے اس بندے کو قتل کر دینا چاہیے''

اس پر شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے رونا شروع کیا اور ان کو روتا دیکھ کر اللہ کی رحمت جوش میں آئی شیخ کے دل سے بھی وہ جو ایک غلاف چڑھ گیا تھا وہ اتر گیا اور شیخ نے بھی رونا شروع کر دیا اور روتے روتے انہوں نے اتنے الفاظ کہے: ''اللہ میں نے کبھی آپ سے یہ گمان تو نہیں کیا تھا؟'' جب انہوں نے یہ الفاظ کہے تب اللہ کی رحمت جوش میں آئی، اللہ نے ان کے دل کی گرہ کو کھول دیا اور ان کی کیفیات کو واپس لوٹا دیا۔ اللہ کی شان قرآن مجید بھی پھر یاد ہو گیا، احادیث بھی پھر یاد آ گئیں۔ لوٹ کے آئے اور اللہ نے باقی ساری زندگی پھر اسی طرح لوگوں کا شیخ بنا کر گزارنے کی توفیق عطا فرمائی۔

شبلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ حضرت! آپ پر یہ امتحان آیا کیسے؟ تو شیخ نے کہا: جب میں بستی سے گزر رہا تھا تو صلیبیں دیکھیں، میرے دل میں یہ خیال آیا: کتنے کم عقل لوگ ہیں، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بناتے ہیں۔ اس بات پر پکڑ ہو گئی کہ میرے بندے اگر تو ایمان پر ہے تو یہ تیری عقل کا کمال ہے یا میرے فضل کا کمال ہے؟ اللہ نے میرے دل پہ گرہ ڈال دی، دیکھ تیری عقل تجھے کہاں پہنچاتی ہے۔ میری عقل نے مجھے سوروں کو چرانے پہ لگا دیا۔ پھر میں رویا تو اللہ کو رحم آ گیا، اے میرے بندے! تجھے لوٹا دیتا ہوں۔ اب سوچیے کہ اتنی معمولی سی بات کہ عیسائیوں کی بستی کو دیکھ کر دل میں یہ خیال آ گیا کہ یہ کتنے بیوقوف لوگ ہیں کہ خدا کے ساتھ کسی

کو شریک ٹھہراتے ہیں، اللہ نے فرمایا: تم اسے عقل کا کرشمہ مت سمجھو، تم اگر ایمان پر ہو تو یہ تمہارا کمال نہیں، یہ تو میرا کمال ہے۔

اللہ کی شانِ بے نیازی سے ڈریں:

تو اب سوچئے کہ جب اتنی چھوٹی چھوٹی بات پہ بھی پکڑ آسکتی ہے تو پھر ہم کس کھیت کی گاجر مولی ہیں؟ بھئی! ہمارے تو اتنے بڑے بڑے گناہ ہیں، اللہ اکبر! لہٰذا ہمارے اوپر جو خوف ہے وہ اللہ رب العزت کی اس شان کی وجہ سے کہ کہیں ہم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب نہ آجائے۔ چنانچہ ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف متوجہ ہوں اور رحمت کا جو مضمون بیان کیا وہ اپنے دلوں میں رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے اور آئندہ ہم گناہوں سے بچیں کہ ہم نے اپنی زندگی میں بہت خطائیں کیں۔ اب ان کے اوپر ساری عمر بھی روتے رہیں تو کافی نہیں۔ اتنے گناہ کیے بس پروردگار ان گناہوں کو معاف فرمادے۔ رب کریم مہربان ہے۔ بندہ جب اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو پھر اللہ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی سے ڈرنا ضرور چاہیے۔ ہر وقت دل میں ڈر رہنا چاہیے۔ اسی لیے کوئی بھی عبادت گزار بندہ کسی کو برا نہیں سمجھ سکتا۔ کیا پتہ اللہ اسکو ہدایت دے دے، کسی کی توبہ قبول کر لے، کیا پتہ اس کو اللہ قبول کر لے اور ہمیں کسی غلطی پر رد فرمادے۔ چونکہ قرآن مجید کی آیت ہے:

﴿وَ بَدَا لَهُمْ مِّنَ اللهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ﴾ (زمر: ۴۷)

اور قرآن مجید کی ایک آیت ہے جس کو پڑھ کے بہت ڈر لگتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ قَدِمْنَا إِلَى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ وَ جَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنْثُورًا﴾ (فرقان: ۲۳)

''ہم متوجہ ہوئے اور ان کے کیے ہوئے عمل کو ریت کی مانند بنا دیا''

تو ہماری عبادتیں کیا حیثیت رکھتی ہیں۔ تو ڈر ذہن میں رہے کہ جتنی بھی عبادت کریں اللہ رب العزت کی پکڑ پتہ نہیں کس بات پہ ہو جائے۔ لہٰذا کبھی دل کے اندر احساس برتری نہ آئے، کسی کو اپنے سے کم نہ سمجھیں، کبھی بڑا بول نہ بولیں۔ اور اپنے نفس پر نظر رہے، یہ بدبخت کہیں ہمیں گناہ کا ارتکاب نہ کروا دے۔

اللہ کی شانِ رحمت سے فائدہ اٹھالیں:

بس اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت کو مانگیں، رب کریم مہربان ہے، وہ فرماتے ہیں میرے بندے! تو اگر مجھ سے رحمت طلب کرے گا

يَا عَبْدِيْ لَا تَقْنَطْ فَاِنَّكَ اِنْ كُنْتَ بِالْعُذْرِ مَوْصُوْفًا فَاَنَا بِالْجُوْدِ مَعْرُوْفٌ

اے میرے بندے! تو عذر کے ساتھ موصوف ہے، میں جود و کرم کے ساتھ معروف ہوں۔

وَ اِنْ كُنْتَ ذَا خَطَايَا فَاَنَا ذُوْ عَطَايَا

اگر تو خطاؤں والا ہے تو میں عطاؤں والا ہوں۔

فَاِنْ كُنْتَ ذُوْ جَفَاءٍ فَاَنَا ذُوْ وَفَاءٍ

اگر تو جفا والا ہے تو میں وفا والا ہوں۔

وَ اِنْ كُنْتَ ذَا اِسَاءَ ةٍ فَاَنَا ذُوْ اِنَاءَ ةٍ

اگر تو برائی والا ہے تو میں بردباری والا ہوں

وَ اِنْ كُنْتَ ذَا غَفْلَةٍ وَ سَهْوَةٍ فَاَنَا ذُوْ عَفْوٍ وَّ رَحْمَةٍ

اگر تو غفلت والا اور بھولنے والا ہے تو معافی والا اور رحمت والا ہوں۔

وَاِنْ كُنْتَ ذَا خَشْيَةٍ وَاِنَابَةٍ فَاَنَا ذُوْ قَبُوْلٍ وَاَجَابَةٍ

اور اگر تو خشیت اور رجوع والا ہے تو میں قبول کرنے والا ہوں۔

لَا تَقْنُطْ مِنْ رَحْمَةِ مَنْ جَادَ بِالْمَغْفِرَةِ عَلَى السَّحَرَةِ وَجَعَلَهُمْ مِنَ الْبَرَرَةِ

اے بندے! میری رحمت سے مایوس نہ ہونا، جو سحر میں مجھ سے مغفرت طلبی کے ساتھ رجوع کرتا ہے میں اسے (گناہوں سے) بری کر دیتا ہوں۔

میں تو بہت کریم ہوں، میں تو وہ پروردگار ہوں میری رحمت کی نظر اٹھ گئی میں نے فرعون کے جادوگروں کو ایمان سے متصف کر دیا، ان کا نام نیکوں کی لسٹ میں شامل فرما دیا۔

بھئی! جب اللہ رب العزت اتنے کریم اور مہربان ہیں تو ہمیں اس کی رحمت سے امید رکھنی چاہیے اور اپنے گناہوں کی وجہ سے اللہ سے ڈرنا چاہیے اور آئندہ زندگی کے لیے اللہ سے یہ عہد کرنا چاہیے کہ ہم گناہوں سے بچیں گے، نیکوکاری میں زندگی گزاریں گے۔ رب کریم ہمارے اوپر رحمت کی نظر فرما دے۔ اپنی طرف سے تو کوشش کریں نا! ہم اپنی طرف سے اچھائی کریں، آگے اللہ تعالیٰ قبول کرنے والے ہیں۔ اللہ اکبر۔ کہنے والے نے کیا عجیب بات کہی:

رحمت دا دریا الٰہی تے ہر دم وگدا تیرا
تے جے اک قطرہ مل جائے مینوں، کم بن جاوے میرا
تے ہر کوئی آکھے تیرا تیرا ، تے میں وی آکھاں تیرا
تیرا کجھ نئیں جانا مولا ، جے تو کہہ دیں میرا

ہر کوئی کہتا ہے میں اللہ کا ہوں، میں اللہ کا ہوں۔ عمر گزر گئی یہ

کہتے کہتے کہ ہم اللہ کے ہیں، اے اللہ ایک مرتبہ تو آپ بھی کہہ دیجیے کہ تم میرے ہو۔ صرف ایک مرتبہ...... اللہ! ایک مرتبہ...... رب کریم! ایک مرتبہ فرما دیجیے کہ تم میرے ہو۔ اے اللہ! یہ آپ کے ان بندوں کا مجمع ہے جو مدارس میں، مساجد میں زندگی گزارنے والے ہیں، میرے مولا! چٹائیوں پر بیٹھ بیٹھ کر ان کے گھٹنوں، ٹخنوں پہ نشان پڑ گئے، اگر آپ کی طرف سے بخشش کا معاملہ نہ ہوا تو پھر ہم میں اور جانوروں میں کیا فرق رہا۔ ان کے بھی گھٹنوں ٹخنوں پہ نشان پڑتے ہیں، ہمارے بھی پڑ گئے۔ اے اللہ! اگر کوئی کسی مندر سے نکل کر جہنم میں جائے، اس پر تو کوئی حسرت نہیں، حسرت تو اس پر ہے جس نے مدرسے میں زندگی گزاری، مسجد میں زندگی گزاری اور پھر آپ کے ہاں قبولیت نہ ہوئی اور آپ نے مسجد سے نکال کے اس کو جہنم میں ڈال دیا۔ میرے مولا! ہم آج آپ کے گھر میں جمع ہیں، ہم آپ کو منا کر اٹھنا چاہتے ہیں، آپ کے گھر سے خالی نہیں جانا چاہتے۔ میرے کریم آقا! اگر اختیار میں ہوتا ساری زندگی سجدے میں سر ڈال کے پڑے رہتے، اس وقت اٹھاتے جب یقین ہوتا آپ راضی ہو گئے۔ ہم کمزور ہیں، اللہ! ہماری اسی محنت کو قبول کو لیجیے اور ہماری توبہ کو قبول کر لیجیے اور اللہ پچھلے سب گناہوں کو معاف کر کے آئندہ نیکو کاری، پرہیز گاری کی زندگی عطا فرما دیجیے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

﴿وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ (العنکبوت:٦٩)

سلوکِ نقشبندیہ

بیان: محبوب العلما والصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 10 جولائی 2011ء بروز اتوار ۹ شعبان، ۱۴۳۲ھ

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

موقع: خصوصی تربیتی مجالس برائے علما وطلباء (بعد نمازِ مغرب)

اقتباس

تو یہ دو طریقے ہیں، جو نفس کی اصلاح کا طریقہ تھا وہ تو متقدمین کا طریقہ تھا اور جو قلب کی اصلاح کا طریقہ ہے وہ متاخرین کا طریقہ۔ اب یوں سمجھیں کہ ایک نفس ہے اور ایک قلب ہے جو ہمارے متقدمین تھے وہ نفس سے چلتے تھے اور قلب کی اصلاح تک پہنچتے تھے اور آج کے زمانے میں قلب کی اصلاح کی طرف سے چلتے ہیں اور نفس کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ فاصلہ ایک جیسا ہے، مقصود ایک جیسا ہے مگر کام اس میں ذرا آسان ہو جاتا ہے۔

اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيْعٌ

''محب جس سے محبت کرتا ہے اس کی اتباع آسان ہو جاتی ہے''

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

سلوکِ نقشبندیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾

(العنکبوت:۶۹)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

دو نعمتوں کا ورثہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دو نعمتیں امت میں منتقل ہوئیں ایک کو کہتے ہیں تعلیماتِ نبوی اور دوسری کو کہتے ہیں، کیفیاتِ نبوی ۔ جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سکھایا، بتایا، سمجھایا، اس کو تعلیماتِ نبوی کہتے ہیں ۔ اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب مبارک میں توکل، تسلیم، رضا والی جو نعمتیں تھیں یہ کیفیات نبوی ہیں اور یہ بھی امت کو منتقل ہوئیں ۔ صحابہ رضی اللہ عنہم تعلیماتِ نبوی اور کیفیات نبوی دونوں کے جامع تھے لیکن وقت کے ساتھ امت میں جب یہ نعمتیں آگے چلیں تو تفصیلات بڑھیں اور کچھ لوگ تعلیماتِ نبوی کے وارث بن گئے اور کچھ لوگ کیفیاتِ نبوی کے وارث بن گئے ۔ جو تعلیمات نبی کے وارث بنے ان کو علماء کہا گیا اور جو کیفیات نبوی کے وارث بنے ان کو مشائخ کہا گیا۔ چنانچہ جن جگہوں پر تعلیماتِ نبوی کی تعلیم ہوتی ہے ان کو مدارس کہتے ہیں اور جہاں کیفیاتِ نبوی سکھائی

جاتی ہیں ان کو خانقاہیں کہا جاتا ہے۔

ابتداء میں یہ دونوں نعمتیں اکٹھی ہوتی تھیں، ان کے حاملین مرج البحرین ہوتے تھے لیکن اب یہ نعمتیں الگ الگ ہوگئیں۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ ابتدا میں ایک ہی ڈاکٹر ہوتا تھا، ہر مرض کا علاج وہی کرتا تھا۔ جب تفصیلات بڑھ گئیں تو سپیشلائزیشن ہوگئی، جلدی امراض کا ڈاکٹر الگ ہو گیا، امراضِ چشم کا ڈاکٹر الگ ہو گیا اور آرتھوپیڈک کا سرجن الگ ہوگیا۔ تو امت کے اندر اس وقت سے یہ دونوں نعمتیں چل رہی ہیں اور قیامت تک چلتی رہیں گی۔ تعلیماتِ نبوی مدارس کے ذریعے سے پھیل رہی ہیں اور کیفیاتِ نبوی مشائخ کے ذریعے، خانقاہوں کے ذریعے سے پھیل رہی ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنی باطنی کیفیات کا احساس:

......صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنی کیفیات کا بڑا لحاظ رہتا تھا، بڑا خیال رہتا تھا۔ حنظلہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، گھر میں بیٹھے ہیں، اچانک اٹھ کھڑے ہوئے، کہنے لگے: نَافَقَ حَنْظَلَةُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ (حنظلہ منافق ہوگیا، حنظلہ منافق ہوگیا)۔ یہ کہتے ہوئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں چلے۔ راستے میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، انہوں نے کہا حنظلہ کیا کہتے ہو؟ تو جواب دیا یہی کہ جی ''نافق حنظلۃ'' حنظلہ تو منافق ہوگیا۔ بھئی کیسے؟ کہنے لگے کہ جو کیفیت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محفل میں ہوتی ہے جب گھروں میں جاتے ہیں تو وہ کیفیت نہیں رہتی تو یہ جو فرق ہے اس کا مطلب ہے کہ میرے اندر منافقت آ گئی۔ تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں یہ تو پوچھنے والی بات ہے۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آ کر پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ حنظلہ! اگر تمہاری یہ کیفیت ہر وقت رہے جو میری محفل میں ہے تو فرشتے تمہارے ہاتھوں سے مصافحہ کیا کریں۔

یہ تو کسی کسی وقت ہوتی ہے۔

علمی نکتہ: اب یہاں ایک نکتہ سمجھنے والا ہے، علمی نکتہ ہے کہ کیا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محفل میں ان کی کیفیت بڑھ جاتی تھی؟ اور گھروں میں کیفیت گھٹ جاتی تھی؟ نہیں، ایمان وہی تھا مگر مجلس اور غیر مجلس میں فرق یوں محسوس ہوتا تھا۔ جیسے سمندر کے اندر آپ نے تجربہ کیا ہوگا کہ جب چاند کے اعتبار سے مہینے کا پہلا دوسرا دن ہوتا ہے تو سمندر بہت خاموش ہوتا ہے اور جب چودہ، پندرہ کا دن آتا ہے تو ہائی ٹائیڈ (جزر) ہوتا ہے، پانی بہت اچھل رہا ہوتا ہے۔ اسکی کیا وجہ؟ سمندر کا پانی تو اتنا ہی ہے جو پہلے تھا۔ دراصل پہلی تاریخ کو چاند سامنے نہیں ہوتا تو اسکی جو **Gravitaional Force** کشش ثقل ہے وہ نہ ہونے کی وجہ سے کھچاؤ نہیں ہوتا، لہٰذا کامن ٹائیڈ (مد) ہوتا ہے اور جب چودہ، پندرہ کو چاند بھرپور ہوتا ہے تو اس کی کششِ ثقل کی وجہ سے بیس فٹ تک کی لہریں اوپر چڑھ رہی ہوتی ہیں۔ ہو بہو یہی مثال ہے کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے چاند موجود ہوتے تھے، اس وقت ان کے دل کی مقناطیسیت صحابہ کے دل کے اندر ایمان کو متلاطم کر دیا کرتی تھی اور جب وہاں سے وہ اپنے گھروں میں جاتے تھے تو اس وقت کیفیت ذرا نارمل ہو جاتی تھی۔ فرق نہیں تھا۔ اس واقعے سے یہ پتہ چلا کہ صحابہ ہر وقت اپنے قلب کی کیفیت پر نظر رکھا کرتے تھے۔

◉...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ایک صحابی حارثہ سے پوچھا:

كَيْفَ اَصْبَحْتَ يَا حَارِثَه "اے حارثہ! تم نے کیسے صبح کی؟"

انہوں نے کہا:

اَصْبَحْتُ مُؤْمِنًا حَقًّا "میں نے پکا مؤمن ہونے کی حالت میں صبح کی"

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ہر چیز کی علامت ہوتی ہے، تیرے ایمان کی علامت کیا

ہے؟

انہوں نے جواب دیا: اے اللہ کے نبی! میرے دل کی کیفیت یہ ہے کہ جیسے میں اللہ رب العزت کے سامنے ہوں، میزان قائم ہے، کچھ لوگ جنت میں جارہے ہیں، کچھ لوگ جہنم میں جارہے ہیں۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا: تونے بات کو سمجھ لیا اس پر پکا رہنا۔

تو معلوم ہوا صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے قلب کی کیفیت کے بارے میں بہت فکر مند رہتے تھے۔

⊙......اسی لیے ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے علم کے دو کنگن حاصل کیے۔ایک علم وہ ہے جو میں تم میں تقسیم کرتا ہوں، روایت کرتا ہوں۔اور ایک علم وہ ہے جو میں اگر بیان کروں تو گلے پہ چھری پھر جائے۔تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ وہ کون سا علم ہے؟ تو کہنے لگے: جو ظاہر شریعت کے احکام ہیں وہ میں تمہارے اندر بتاتا ہوں اور جو اللہ کی معرفت کا علم ہے وہ میں ہر ایک کے سامنے نہیں کہہ سکتا۔

⊙......جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ان کو جب دفن کیا گیا تو عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ افسوس دس میں سے نو حصے علم آج دفن ہوگیا۔تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے حیرانگی کا اظہار کیا کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کیا کہتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: اس سے میری مراد حیض و نفاس کا علم نہیں، میری مراد علم باللہ کی ہے، عمر رضی اللہ عنہ کے سینے کے ساتھ اللہ کی معرفت کا علم چلا گیا۔تو معلوم ہوا کہ یہ ایک علم تھا اللہ کی معرفت کا جو کہ عمر رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پایا اور یہی پھر آگے چلا۔

نبوت اور ولایت:

اب ایک اور بات کہ ہر نبی، نبی بھی ہوتے ہیں اور ولی بھی ہوتے ہیں۔نبوت

وہبی چیز ہے۔ وہبی سے مراد کہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے کہ جس کو چاہا انہوں نے عطا کر دیا۔ اور یہ جو ولایت ہے یہ کسبی چیز ہے، Achievable ہے۔کوئی بھی بندہ نیت کر لے کہ میں نے اللہ کا ولی بننا ہے، وہ نیکی کرے، تقویٰ اختیا کرے، اللہ کی عبادت کرے اس کو ولایت کا نور حاصل ہو جائے گا۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ جیسے کوئی بندہ یہ نیت کر لے کہ میں مارشل آرٹ سیکھتا ہوں اور اس کے لیے وہ واقعی کلب میں جانا شروع کر دے، اچھی غذا کھائے، تو چند دن کے بعد وہ مارشل آرٹ کا ماہر بن جائے گا، سیکھ جائے گا۔ اسی طرح ولایت بھی کسبی ہے۔کوئی بھی بندہ نیت کر لے کہ میں نے اللہ کا ولی بننا ہے، وہ پچھلے گناہوں سے توبہ کر لے، آئندہ نیکی کی زندگی کو اپنائے، اللہ کی عبادت میں لگ جائے تو یہ بندہ اللہ کا ولی بن سکتا ہے۔تو نبوت وہبی ہے اور ولایت کسبی ہے۔

ہر نبی، نبی بھی تھے اور ولی بھی تھے۔ نبی اس لیے تھے کہ اللہ نے ان کو نبوت عطا فرمائی اور ولی اس لیے تھے کہ ان کو بھی اللہ سے محبت تھی۔ جیسے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے محب بھی تھے اور اللہ کے محبوب بھی تھے۔تو محبوب تو نبوت کی وجہ سے بنے اور آپ کے دل میں جو اپنے مالک و خالق کی محبت تھی جس کی وجہ سے ساری ساری رات عبادت کرتے تھے تو وہ ایک ولایت کا درجہ بھی تھا۔

کمالاتِ نبوت اور کمالاتِ ولایت:

دو قسم کے کمالات ہوتے ہیں ایک کو کہتے ہیں کمالاتِ نبوت اور دوسرے کو کہتے ہیں کمالاتِ ولایت۔ اور یہ دونوں کمالات امت کے اندر آگے چلے۔

کمالاتِ ولایت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زیادہ حاصل کیے:

مگر ایک نکتے کی بات یہ ہے کہ کمالاتِ ولایت سب سے زیادہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حاصل کیے۔اس لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُھَا))

''میں علم کا شہر ہوں،علی اس کا دروازہ ہے''

تو یہ کمالاتِ ولایت تھے جو علی رضی اللہ عنہ کو ملے اور ان کے ذریعے سے یہ کمالات پھر آگے امت میں پھیلے۔ چنانچہ روحانیت کے چار سلسلے ہیں ان میں سے تین سلسلے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جا کر ملتے ہیں، پھر ان کے ذریعے سے نبی علیہ السلام تک پہنچتے ہیں۔

کمالات نبوت حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے زیادہ حاصل کیے:

کمالاتِ نبوت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سب سے زیادہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حاصل کیے۔تو قرآن فہمی جتنی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اندر تھی صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی اور کے اندر ایسی نہیں تھی۔مثال کے طور پر:

جب سورۃ نصر کی آیتیں اتریں، سب صحابہ رضی اللہ عنہم خوش ہو رہے ہیں کہ یہ فتح کی خوشخبری آگئی اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رو رہے ہیں۔پوچھا: ابوبکر! رو کیوں رہے ہیں؟ فرمانے لگے کہ انبیاء کسی مقصد کے لیے بھیجے جاتے ہیں، جب مقصد پورا ہو جاتا ہے تو اللہ ان کو اپنے پاس بلا لیتے ہیں۔آپ لوگوں کو ان آیتوں سے فتح اور نصرت کی خوشخبری مل رہی ہے، مجھے ان آیتوں میں اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے جدائی کی جھلک نظر آرہی ہے۔

اسی طرح جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پردہ فرمایا تو بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم اس وقت شاک (صدمے) کی کیفیت میں تھے۔اس کیفیت میں کہنے لگے کہ نبی علیہ السلام کی وفات نہیں ہوئی۔حتیٰ کہ عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کہہ دیا کہ جو یہ کہے گا کہ نبی علیہ السلام فوت ہو گئے میں تلوار سے اس کی گردن کو اڑا کر رکھ دوں گا۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے اوپر صدمہ تھا

Situation (صورتحال) کو پوری طرح نہ سمجھ سکے، اس وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے سب کو اکٹھا کر کے کہا:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾

صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیتیں تلاوت کیں، ہمیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ آج قرآن میں اتر رہی ہیں۔ تو کمالاتِ نبوت سب سے زیادہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حاصل کیے۔

سلسلہ نقشبندیہ کا اعجاز:

ایک نقشبندیہ سلسلہ وہ سلسلہ ہے جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جا کر ملتا ہے۔ چنانچہ جو سلسلے اس وقت پوری امت کے اندر ہیں ان میں باقی سلاسل کے اندر کمالات ولایت غالب ہیں کیوں کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے چلتے ہیں اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے اندر کمالاتِ نبوت غالب ہیں کیونکہ وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے آگے چلتا ہے۔

سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ اور معیتِ کبرٰی:

یہ کمالات نبوت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کیسے حاصل کیے؟ اس کی ایک وجہ ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے معیتِ کبری کا مقام حاصل تھا۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں فرما دیا ان دو کے بارے میں جن کا تیسرا اللہ ہے۔

﴿مَا ظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُهُمَ﴾

تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾

”مت غمگین ہوئیں اللہ ہمارے ساتھ ہے“

تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو معیتِ کبریٰ کا مقام حاصل ہے، یہ ایک خصوصیت ہے جو اللہ نے ان کو عطا فرمائی۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک زندگی میں اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مبارک زندگی میں اتنی مشابہت ہے بالکل یوں محسوس ہوتا ہے کہ

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نا گوئید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

یہ تعلق تھا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا۔

سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کمالِ مشابہت

چند چھوٹے چھوٹے نکات جو سمجھ میں آنے والے ہیں وہ آپ کے سامنے اس لیے پیش کرنے ہیں کہ دل کو سکون اور تسلی ہو کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے معیت کا مقام کیسے حاصل تھا؟

⊙ ......سب سے پہلی بات : نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب غارِ حرا سے واپس تشریف لائے تو خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو کیا محسوس ہو رہا ہے جو آپ کہتے ہیں زَمِّلُوْنِیْ، زَمِّلُوْنِیْ مجھے کمبل پہنا دو۔ تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اپنی جان پہ خوف محسوس ہوتا ہے۔ تو یہ سن کر خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں کہا:

كَلَّا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَ تَحْمِلُ الْكَلَّ وَ تَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ ، وَ تُقْرِیءُ الضَّيْفَ وَ تُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ

’’ہرگز نہیں، آپ صلہ رحمی کرنے والے ہیں، لوگوں کا بوجھ اٹھانے والے ہیں، جس کے پاس کچھ نہ ہو اس کو کما کر دینے والے ہیں، مہمان نوازی کرنے والے ہیں اور آپ اچھی باتوں میں لوگوں کی پشت پناہی کرنے والے ہیں‘‘

یعنی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کچھ صفات کا تذکرہ کیا کہ چونکہ آپ کے اندر یہ صفات ہیں لہٰذا اللہ آپ کو ضائع نہیں ہونے دیں گے۔یعنی ان کو Appreciate (حوصلہ افزائی) کیا۔ بتایا کہ آپ کی ان صفات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آپ کو ضائع نہیں ہونے دیں گے۔اب دیکھیے یہ Comments (کلمات) زوجہ دے رہی ہیں نبی علیہ السلام کے بارے میں۔ پھر ایک وقت آیا کہ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی تو ان کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت مل گئی۔تو نبی علیہ السلام کی اجازت کے ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ جب جانے لگے تو مکہ مکرمہ کی باؤنڈری کے اوپر ان کو ایک قریشِ مکہ کا رئیس ملا جس کا نام ابن الدغنہ تھا۔اس نے پوچھا: ابوبکر! کہاں جا رہے ہو؟ تو بتایا کہ بھئی! یہ لوگ اتنی زیادتی کرتے ہیں، ظلم کرتے ہیں تو میں حبشہ کی طرف جا رہا ہوں۔اس نے کہا کہ ابوبکر! تم ہرگز نہیں جا سکتے۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ ایک کافر کے Comments (الفاظ) یہ تھے۔

اِنَّکَ تَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ، وَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْکَلَّ وَ تُقْرِیءُ الضَّیْفَ وَ تُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ

جو صفات نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے بیان کی تھیں ہو بہو وہی صفات ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک کافر نے بیان کی تھیں۔اتنی شخصیت میں ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت تھی۔

⊙...... چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رؤوف اور رحیم فرمایا:

﴿ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴾ (التوبہ:۱۲۸)

''آپ تو اہلِ ایمان پر مہربان اور رحیم ہیں''

اور حدیث مبارکہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

((اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْ بَکْرٍ))

میری امت میں سب سے زیادہ رحیم ابو بکر ہیں۔

ایک اور حدیث میں فرمایا:

اَرْاَفُ اُمَّتِیْ اَبُوْ بَکْرٍ (سب سے زیادہ میری امت پر شفیق ابو بکر ہیں)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رحمت اور شفقت کی گواہی دی۔ ادھر محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سعادت ملی کہ اللہ ان کی رحمت کی گواہی دے رہے ہیں، ادھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یہ سعادت ملی کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم گواہی دے رہے ہیں۔

⊙...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام دین کے معاملے میں بہت غیور تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

((اَنَا اَغْیَرُ وُلْدِ آدَمَ وَاللّٰہُ اَغْیَرُ مِنِّیْ))

"میں اولاد آدم میں سب سے زیادہ غیور ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ غیور ہے"

اور ابن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں:

کَانَ اَغْیَرُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ بَعْدَ نَبِیِّھَا اَبُوْ بَکْرٍ

"اس امت میں نبی کے بعد سب سے زیادہ ایمانی غیرت ابو بکر صدیق میں ہے"

⊙...... اللہ کے حبیب کو اللہ نے شعر کا علم نہیں دیا۔ قرآن پاک میں فرمایا:

﴿وَ مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَ مَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ﴾ (یٰسٓ:۶۹)

"اے میرے حبیب! ہم نے آپ کو شعر کا علم نہیں دیا اور یہ آپ کے شایان شان بھی نہیں ہے"

آپ کی شان بہت بلند ہے۔ اور یہی بات صدیق اکبر رضی اللہ عنہ [illegible]

دفعہ [illegible] صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ایک شعر کوٹ کرنا چاہتے تھے تو اس کو نثر

پڑھنا نہیں آتا تھا۔ تو ابن عساکر کی روایت ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہ جاہلیت کے زمانے میں کبھی شعر کہا نہ اسلام لانے کے بعد کبھی شعر کہا''

جو خوبی اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی تھی لگتا ہے کہ ہو بہو اس کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اندر کاپی کر دیا گیا تھا۔

◉ حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوری زندگی شراب کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی آتا ہے، عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اسلام میں یا جاہلیت کے زمانہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قطعی طور پر شراب سے نفرت کرتے تھے، پوری زندگی شراب کو ہاتھ ہی نہیں لگایا۔ تو یہ مشابہت عطا فرمائی۔

◉ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ○ وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ ○﴾

''اپنے کپڑوں کو پاک رکھیے اور ناپاکی سے دور رہیے''

تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اندر صفائی اور طہارت بہت زیادہ تھی۔

اسی طرح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بات دیکھیے کہ جب ہجرت کے لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جا رہے تھے تو مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے ایک جگہ ایسی تھی جہاں اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ بھوک اور پیاس لگی ہوئی تھی۔ تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کسی کے ہاں گئے اور کہا کہ جی بکری کا دودھ چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ بکری تو بوڑھی ہے دودھ نہیں دیتی۔ انہوں نے کہا: بھئی! دودھ دینا نہ دینا الگ بات ہے، دودھ نکالنے کی اجازت دے دو۔ انہوں نے اجازت دے دی۔ روایت میں آتا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پہلے پانی سے بکری کے تھنوں کو اچھی طرح دھویا کیوں کہ پاکیزگی اور

نفاست اللہ نے ودیعت فرمائی تھی۔ پھر جب انہوں نے دودھ نکالا تو حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ دودھ کا جگ یا برتن لے کر نبی ﷺ کے پاس آنے لگے تو کپڑے کے ساتھ دودھ کے برتن کو ڈھانپ لیا کہ مٹی کا کوئی ذرہ دودھ کے اندر نہ جا سکے۔ تو جو پاکیزگی اور طہارت اللہ نے نبی علیہ السلام کو عطا فرمائی، ہو بہو وہی چیز اللہ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی تھی۔

◉ پھر دین کی خاطر قربانیاں دینے میں بھی مشابہت۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک مرتبہ حرم میں تھے تو عقبہ بن ابی معیط نامی ایک کافر آیا اور اس نے آ کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک گلے میں پھندا ڈال کر کھینچنا شروع کر دیا۔ بڑی مشکل سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آ کر نبی علیہ السلام کو اس سے بچایا۔

مشابہت دیکھیے کہ ایک ایسا موقع تھا کہ انہی قریشِ مکہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پیٹنا شروع کیا اور وہ ان کے درمیان پھنس گئے۔ پھر کچھ ایمان والوں کو پتہ چلا تو انہوں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ان سے چھڑایا۔ جو بات ادھر پیش آئی وہی بات ادھر پیش آئی۔

◉ ایک اور مشابہت دیکھیے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جیسے لوگ ایمان لے کر آئے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ترغیب سے سید الشہدا حمزہ رضی اللہ عنہ ایمان لے آئے۔

◉ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب چچا ابو طالب نے کہا کہ میرے اوپر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ جس کو میں برداشت نہ کر سکوں۔ اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا: چچا! اگر یہ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند رکھ دیں تو بھی جو پیغام میں لے کر آیا ہوں اس کو پہنچانے سے میں پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ کیا Commitment ہے، کیا قوت

ارادی ہے۔

اور یہی معاملہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا کہ جب ان کا زمانہ خلافت تھا تو اس وقت عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے اور ان کو جا کر کہا کہ یہ جو مانعینِ زکوۃ ہیں آپ تھوڑا ان کے ساتھ نرمی کر لیں، یہ تو پھر بھی اپنے ہیں جب کہ اس وقت ہمیں تو باہر سے کافروں کی طرف سے دباؤ ہے۔ تو جب انہوں نے یہ کہا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

اَجَبَّارٌ فِی الْجَاهِلِيَّةِ وَ خَوَّارٌ فِی الْإِسْلَامِ

''عمر! تو جاہلیت کے زمانے میں اتنا بہادر تھا اور اسلام میں آکر تو اتنا کمزور ہو گیا''

اور فرمایا:

اَيُنْقَصُ وَ اَنَا حَيٌّ

یہ کیسے ممکن ہے کہ دین کے اندر کمی کر دی جائے اور ابوبکر زندہ رہے۔

کیا مشابہت اللہ نے عطا فرمائی!

◉ پھر دیکھیے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْهُمَا فِی الْغَارِ﴾ ''دو میں سے دوسرا''

اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

((يَا اَبَا بَكْرٍ مَا ظَنُّكَ بِاِثْنَيْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا)) (متفقٌ علیه)

نبی علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ﴾ ''آپ غمزدہ نہ ہوں''

تو نبی کو کس نے فرمایا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اور نبی علیہ السلام نے ہو بہو یہی لفظ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

﴿ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ﴾ (التوبہ:۴۰)

''آپ غم زدہ نہ ہوں اللہ ہمارے ساتھ ہے''

مشابہت دیکھیے کیسی ہے؟

◉ یہ مشابہت ایسی تھی کہ اللہ کی معیت ان کو ناموں میں بھی حاصل تھی۔صحابہ رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتے تھے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بھی نام نہیں پکارتے تھے۔حدیث میں آتا ہے کہ جب وہ خلیفہ بنے تو لوگ کہتے تھے یاخلیفۃ رسول اللہ، یعنی اللہ کا نام ان کو بھی پکارنے میں آتا تھا اور اللہ کا نام ان کو بھی پکارنے میں آتا تھا۔

◉ پھر جب ہجرت کے لیے چلے تو کافروں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ڈھونڈنے کے لیے ایک سو اونٹوں کا انعام مقرر کیا اور کتابوں میں لکھا ہے کہ کافروں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ڈھونڈنے کے لیے بھی ایک سو اونٹوں کا انعام مقرر کیا۔مشابہت دیکھیے۔

◉ بدر کے قیدی جو گرفتار ہوئے تھے۔ان کے معاملے میں عمر رضی اللہ عنہ کی تجویز اور تھی، ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اندر چونکہ رحمت تھی انہوں نے کہا: اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! ان سے فدیہ لے لیا جائے اور ان کو آزاد کر دیا جائے تو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری بھی رائے یہی ہے، اسی پر نبی علیہ السلام نے عمل فرمایا، سوچ بھی بالکل ایک جیسی تھی۔

◉ صلح حدیبیہ کے اندر عمر رضی اللہ عنہ بڑے جلال میں آ گئے، اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! ہم کیا اتنے کمزور ہیں، اتنا پست ہو کر ہم صلح کر رہے ہیں؟ ان کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ بھئی! ہم ہتھیاروں کے ساتھ آئے ہیں تو مکہ کے یہ جو چند لوگ ہیں تو ان سے نمٹ لیتے ہیں۔مگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو صلح حدیبیہ فرمائی ظاہراً دیکھنے میں لگ رہا تھا کہ اس میں مسلمان جیسے کمزور ہیں۔مثلاً ایک شرط تھی کہ اگر کوئی مسلمان کافروں کے ساتھ جا کر ملے گا واپس نہیں لوٹائیں گے، کوئی کافر مسلمانوں کے پاس آئے گا اسے واپس لوٹانا پڑے گا۔تو Afidavit (دستاویز) کو دیکھنے میں تو یہی لگتا ہے کہ مسلمانوں

نے دب کر صلح کی۔ اسی لیے عمر رضی اللہ عنہ پوچھتے تھے کہ کیوں ہم اتنا دب کر صلح کر رہے ہیں؟ روایت میں آیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ ابوبکر! ہم اتنا دب کر صلح کیوں کر رہے ہیں؟ انہوں نے آگے سے جواب دیا کہ تمہیں پتا ہے کہ وہ کون ہیں؟ جی وہ اللہ کے رسول ہیں۔ فرمایا کہ تمہیں پتا ہے کہ وہ وہی کرتے ہیں جو اللہ کا حکم ہوتا ہے۔ جی وہی ہوتا ہے۔ تو فرمانے لگے: اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کیا ابوبکر کی بھی رائے اس کے مطابق ہے۔ یہ مشابہت ہے۔

◉ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ایک جگہ تھی جس کو باغِ فدک کہا جاتا تھا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی آمدنی بنو ہاشم کے اوپر خرچ کرتے تھے۔ اس کے خاندانوں کی شادیاں کرواتے تھے۔ جب نبی علیہ السلام نے پردہ فرمایا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی اس باغ کی آمدنی کا استعمال ہو بہو وہی کیا جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کرتے رہے، ایک جیسا عمل رہا۔

◉ بنو ثقیف طائف کے لوگ تھے۔ وہ آئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آکر کہا: ہم مسلمان ہونا چاہتے ہیں اگر نماز کی چھوٹ دے دیں۔ تو نبی علیہ السلام نے فرمایا: جس دین میں نماز نہیں اس دین میں کوئی خیر نہیں۔ آپ نے ان کو اجازت نہیں دی۔

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنے تو ان کے پاس کچھ لوگ آئے کہ جی باقی سب ماننے کو تیار ہیں بس زکوٰۃ میں ہمیں اجازت دیں کہ یہ ہم بیت المال میں نہیں جمع کروائیں گے ہم خود دیں گے۔ آپ نے ان کو اس کی اجازت نہیں دی۔ عمل کی ہم آہنگی دیکھیں کہ دونوں حضرات کے سامنے کچھ لوگ دین کا ایک رکن معاف کروانا چاہتے تھے۔ لیکن جو عمل اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ثقیف سے کیا وہی عمل صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مانعینِ زکوٰۃ کے ساتھ کیا۔

◉ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غزوہ ذات السلاسل میں عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ کو لشکر کا امیر بنا کر

بھیجا اور جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو ان کے زمانے میں امیرِ لشکر عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ ہی ہوا کرتے تھے۔ان کے بھی امیر لشکر وہی اور ان کے بھی امیر لشکر وہی۔ پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ۹ ہجری میں امیرِ حج بن کر گئے اور نبی علیہ السلام ۱۰ ہجری میں امیرِ حج بن کر تشریف لے گئے۔مشابہت دیکھیے۔

◉ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے کندھے پر اٹھایا کرتے تھے۔روایت میں آتا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں جا رہے تھے، حسن رضی اللہ عنہ چلتے آئے، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسی طرح ان کو اٹھا کر کندھے پر بٹھایا جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بٹھایا کرتے تھے ہو بہو عمل کے اندر مشابہت تھی۔

◉ پھر دیکھیے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے داماد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہ اوّلون سابقون میں سے تھے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے داماد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، وہ بھی سابقون میں سے تھے، یہ بھی مشابہت ہے۔

◉ پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے داماد عشرہ مبشرہ میں سے تھے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے داماد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ وہ بھی عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔

◉ پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بیٹی کے بارے میں فرمایا کہ یہ جنت کی عورتوں کی سردار ہوگی اور نبی علیہ السلام نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی کے بارے میں فرمایا کہ اس کو دنیا کی عورتوں پر ایسی فضیلت ہے جیسی اس دین کو بقیہ ادیانوں پر فضیلت ہے۔ان کی بیٹی کو بھی فضیلت اور انکی بیٹی کو بھی فضیلت۔

◉ پھر دیکھیے! سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں مالی اعتبار سے ہمیشہ تنگی رہی اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہمیشہ مالی تنگی رہی۔واقعات آپ سنتے ہی ہیں کہ وہ اونٹوں کے لیے کھجور کی گٹھلیوں کو پیستی تھیں اور اٹھا کے چارہ لے کر جاتی تھیں۔تو جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیٹی کے ساتھ معاملہ، وہی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی کے

ساتھ معاملہ۔

◉ پھر دیکھیے ! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نواسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت سے انکار فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نواسے عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت سے انکار فرمایا۔ جو ادھر معاملہ ہو رہا ہے وہی معاملہ ادھر ہو رہا ہے۔

◉ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نواسے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو ان کی شہادت سے پہلے شامیوں نے اپنے نرغے میں لے لیا تھا۔ اور عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو بھی حجاج نے ان کی شہادت سے پہلے نرغے میں لے لیا تھا۔

◉ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے سے پہلے آپ کے قریبی رشتہ دار جو تھے وہ پہلے شہید ہوئے ، بعد میں سیدنا حسین شہید رضی اللہ عنہ ہوئے۔ اور عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا کہ پہلے ان کے عزیز شہید ہوئے اور بعد میں وہ خود شہید ہوئے۔

◉ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے صَاحِبُکُمْ فرمایا:

﴿وَ مَا صَاحِبُکُمْ بِمَجْنُوْنٍ﴾

تو صَاحِبُکُمْ کا لفظ اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قرآن میں استعمال فرمایا۔

حدیثِ پاک میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے صَاحِبُکُمْ کا لفظ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے استعمال کیا۔

◉ پھر دیکھیے ، صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں ایک ایسی نماز بھی تھی کہ اس نماز میں آدھی نماز کے امام اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور بقیہ آدھی نماز کے امام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے۔ مشابہت دیکھیے۔

◉ پھر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کے لیے مجنون کہا گیا، قرآن کی گواہی:

﴿وَ یَقُوْلُوْنَ اِنَّہٗ لَمَجْنُوْنٌ﴾ (القلم:۵۲)

اور حدیث پاک میں ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی قریش مکہ نے کہا تھا

''قَالُوْا هٰذَا ابْنُ اَبِیْ قُحَافَةَ لَمَجْنُوْنٌ''

جوان کو خطاب ملا وہی خطاب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ملا۔

◉ پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب طائف میں تشریف لے گئے تو واپسی پر مطعم بن عدی ایک کافر سردار تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پناہ لی۔

اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب ابتدا میں ہجرت حبشہ کے لیے نکلے اور راستے ہی سے واپس آئے اور انہوں نے ابن الدغنہ کی پناہ لی، جو حالات وہاں وہی حالات یہاں پیش آرہے ہیں۔

◉ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں حدیث پاک میں ہے:

((اَنَا اَتْقٰی وُلْدِ اٰدَمَ وَاَكْرَمُهُمْ عَلَى اللّٰهِ))

''کہ میں انسانوں میں سب سے زیادہ متقی اور اللہ کا مکرم ہوں''

اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں:

﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقٰى﴾

جو اتقی کا لفظ اللہ کے حبیب کے لیے استعمال ہوا وہی اتقی کا لفظ ان کے لیے استعمال فرمایا اور اللہ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾ (الحجرات:۱۳)

تو معلوم ہوا تقویٰ میں، اکرام میں اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نعمت ملی، اللہ نے وہی نعمت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی عطا فرمائی۔

◉ پھر ایک اور بات دیکھیے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾ (الضحیٰ:۵)

''(اے میرے حبیب!) اللہ آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے''

اللہ کی طرف سے رضا ملنے کی خوشخبری۔ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ﴿وَلَسَوْفَ يَرْضٰى﴾ ''اوران کوراضی کردیا جائے گا''۔جو محبوب کے لیے بشارت وہی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لیے بشارت۔

◉ اللہ تعالیٰ نبی علیہ السلام سے فرماتے ہیں:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (آل عمران:۳۱)

''اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو، میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت فرمائیں گے''

اور اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! اگر تم دین کے اوپر مستقل مزاجی سے عمل نہیں کرو گے تو پھر

﴿فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ﴾ (المائدۃ:۵۴)

''اللہ تعالیٰ جلد ہی ایک قوم لے آئے گا جو اس سے محبت کرے گی اور اللہ ان سے محبت کرے گا''

اور مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس آیت کے یہ الفاظ۔صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لشکر کے لیے آئے۔اللہ نے دیکھو کیا ان کو ان کے ساتھ مشابہت عطا فرمائی۔

◉ پھر دیکھیے! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات مبارکہ جو ہوئی وہ ظاہر میں تو قدرتی تھی لیکن حقیقت میں ایک یہودی عورت نے کسی وقت زہر دیا تھا، آخری وقت میں اس کا اثر زیادہ ہو گیا تھا۔حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ اس زہر کا اثر لوٹ آیا تھا۔اور صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات کا سبب بھی یہی بنا کہ کسی نے ان کو زہر دے دیا تھا۔تو جو سبب ادھر بنا وہی سبب اُدھر بنا۔

◉ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تریسٹھ سال تھی اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک بھی تریسٹھ سال تھی۔

◉ پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ریاض الجنۃ کے اندر مدفون ہوئے، چونکہ ارشاد فرمایا:

مَا بَيْنَ بَيْتِيْ وَمِمْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ

"میرے گھر اور ممبر کے درمیان جو جگہ ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔"

حجرۂ عائشہ میں نبی علیہ السلام دفن ہوئے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی اسی ریاض الجنہ میں دفن ہوئے۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث پاک میں آیا ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے جس مٹی سے میرے جسم کو بنایا تھا وہ بچ گئی تھی پھر اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کے جسم کو بنایا اور فرمایا پھر تھوڑی سی بچ گئی تھی پھر اللہ نے عمر کے جسم کو اس سے بنایا۔"

تو کہتے ہیں جہاں کی مٹی ہوتی ہے، وہیں ملتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے تینوں کو ایک جگہ پر اکٹھا فرما دیا۔

اسی لیے امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے ایک لفظ استعمال کیا ہے ہم خانۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ کیا مطلب؟ وہ مکتوباتِ شریف میں لکھتے ہیں کہ جنت میں اللہ کے حبیب کا گھر گویا ڈبل سٹوری ہوگا اوپر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم رہیں گے اور بالکل اس کے نیچے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مکان ملے گا۔ اتنی مشابہت تھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے۔

انتقالِ نسبت کی زبانِ نبوت سے تصدیق:

یہ جو نکات بیان کیے ان سے معلوم ہو گیا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مشابہت عادات وخصال میں، فکر و ذہن میں اور ظاہر و باطن میں ہر طرح سے تھی۔ چنانچہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیات کو حاصل کرنے میں درجہ کمال رکھتے تھے۔ اسی لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک بات فرمائی، حدیثِ مبارکہ ہے ذرا توجہ سے سنیے۔

فرمایا:

((مَا صَبَّ اللّٰہُ فِی صَدْرِیْ اِلَّا وَ قَدْ صَبَبْتُہٗ فِیْ صَدْرِ اَبِی بَکْرٍ))

''اللہ نے میرے سینے میں جو ڈالا ہے۔ میں نے اس کو ابو بکر کے سینے میں ڈال دیا''

تو معلوم ہوا کہ یہ جو نور نسبت ہے یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح حاصل کیا کہ گویا یوں سمجھیں کہ کیفیات کاپی ہو کر آ گئیں۔

اسی لیے صحابہ رضی اللہ عنہم میں کمالاتِ ولایت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سب سے زیادہ حاصل کیے اور کمالاتِ نبوت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حاصل کیے۔ اور ہمارے اس سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی ہیں جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایک واسطہ بنتے ہیں۔ یہ کتنی اللہ کی رحمت ہے کہ زبانِ نبوت نے تصدیق کر دی کہ جو اللہ نے میرے سینے میں ڈالا میں نے اسے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سینے میں ڈال دیا۔ یہ وہی نسبت ہے جو آگے امت کے اندر چلی آ رہی ہے۔

شجرہ ہائے سلاسل:

یہ جو سلسلے ہیں نا! جیسے لوگ اپنے شجرے لکھتے ہیں، جی ہم حسنی حسینی سید ہیں، او جی ہمارا سلسلہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، ہمارا سلسلہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ اسی طرح روحانیت کی دنیا میں ہمارے مشائخ کے سلسلے موجود ہیں۔ اس عاجز کو اپنے سے لیکر اوپر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تک بتانا پڑے تو الحمد للہ چند منٹوں میں ان تمام مشائخ کے نام بتا سکتے ہیں جو اس عاجز کے شیخ سے لے کر اوپر چلتے چلتے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ذریعے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جا ملتے ہیں۔ تو باقاعدہ شجرے موجود ہیں۔ لیکن سلاسل میں فرق ہے۔ باقی تینوں سلاسل جو ہیں ان کے سلسلے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مل کر

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہنچتے ہیں اور علی رضی اللہ عنہ سے نبی علیہ السلام کو پہنچتے ہیں۔ ان کے شجرے میں یہ ایک ترکیب ہے۔

ہمارے شجرے کے اندر سارے کے سارے سلسلے، قاسم بن محمد بن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتے ہیں جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پوتے تھے۔ وہ فقہائے سبعہ مدینہ، مدینہ کے سات فقہا میں سے تھے۔ ان کی تربیت ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے حجرے میں کی تھی۔ ہمارے سلسلے کے نام ان تک پہنچتے ہیں اور ان کے اوپر یہ سلسلہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور پھر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

نکتہ: سلسلہ نقشبندیہ میں دو صحابہ کیوں؟

اب یہاں پر ایک نکتے کی بات، ممکن ہے کہ آپ کے ذہن میں بھی یہ بات آئی ہو، آج اس کی تھوڑی وضاحت کر دیتے ہیں۔ نقشبندیہ سلسلہ میں دو صحابہ رضی اللہ عنہما واسطہ بنے اور باقی تمام سلسلوں میں ایک صحابی حضرت علی رضی اللہ عنہ واسطہ بنے۔ یہ فرق کیوں ہوا؟ اس کا راز یہ ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے معیت کبریٰ حاصل تھی، جو کیفیات اللہ کے حبیب کو ملی تھیں اس کی کاپی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مل گئی۔

حضرت مولانا یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک دفعہ طلباء آئے، کہنے لگے حضرت! ایک اشکال وارد ہوتا ہے۔ کیا؟ کہنے لگے: نبی علیہ السلام نے فرمایا:

لَوْ کَانَ بَعْدَ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ

''اگر میرے بعد کوئی نبی آنا ہوتا تو وہ عمر ہوتا''

تو ذہن میں اشکال آتا ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام کیوں نہیں لیا؟ درجے میں تو وہ بڑے ہیں، ان کا نام لینا چاہیے تھا۔ مگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عمر رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ مولانا یعقوب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ دیکھو! صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نبی علیہ السلام سے

معیت کبریٰ کا مقام حاصل تھا، نسبتِ اتحادی حاصل تھی۔ تو وہ تو معیت کی بنا پر نبی ﷺ کے ساتھ جڑے ہوئے تھے، نبی علیہ السلام نے فرمایا: (لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ) بعد میں کس کا نمبر آتا ہے؟ (كَانَ عُمَرَ) عمر رضی اللہ عنہ کا۔ تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہی اور ہے۔ اب چونکہ معیتِ کبریٰ حاصل تھی تو سوچیے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کیفیت حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک صحابی کو ٹرانسفر ہوئی، پھر صحابی سے آگے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو ٹرانسفر ہوئی۔ اور یہاں تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نسبت اتحادی کی وجہ سے کیفیات ہی ایسی ملی تھیں کہ پوٹینشل ایک جیسا تھا، وولٹیج ایک جیسے تھے۔ تو کسی امتی کے اندر اتنی استعداد نہیں تھی کہ ڈائریکٹ اس پوٹینشل کو وہ حاصل کرتا اسے سٹیپ ڈاؤن کرنے کی ضرورت تھی لہٰذا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد سلمان فارسی رضی اللہ عنہ صحابی آئے اور صحابی کے بعد پھر تابعی آئے۔ اس لیے ہمارے سلسلے کے اندر دو صحابی ہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ عشا کے بعد جاتے تھے اور نبی علیہ السلام کے پاس بیٹھ کر اللہ کی معرفت کی باتیں کرتے تھے۔ اتنی دیر مجلس ہوتی تھی کہ ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ ہمیں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے دل کے اندر رشک محسوس ہوتا تھا کہ جتنا ٹائم یہ لے جاتے ہیں کاش کہ ہمیں بھی اتنا ٹائم مل سکتا۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اتنا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پیار کیا۔

قلب، نفس اور دماغ:

ہر انسان کو اللہ نے تین نعمتوں سے نوازا ہے۔ ایک انسان کا نفس، دوسرا انسان کا دل اور تیسرا اسکا دماغ۔ نفس، دل اور دماغ۔ یہ جو دماغ ہے یہ (Thaught Processor) پر ہے۔ اس کا کام کیا ہے؟ کوئی ایک خیال دماغ میں ڈال دو وہ تانے بانے بننا شروع کر دے گا۔ تو اس کی مثال یوں سمجھیں کہ جیسے کمپیوٹر کے اندر

ایک پراسیسر ہوتا ہے اسی طرح اللہ نے انسان کے جسم میں دماغ کو ٹھاٹ پراسیسر کی طرح بنایا ہے۔ باقی رہ گیا نفس اور دل اب ان میں سے کوئی ایک بھی سنور جائے تو بندہ سنور جاتا ہے۔ نفس کے سنورنے سے دل سنورتا ہے اور دل کے سنورنے سے نفس سنورتا ہے۔

اصلاح کے دو طریقے

کسی بھی بندے کے سنورنے کے لیے دو طریقے ہیں۔

۱ نفس کو سنوارنے کا طریقہ (تزکیہ نفس)

یا تو انسان نفس کے اوپر مجاہدے کرے، نفس کے زور کو توڑے حتیٰ کہ نفس شریعت پر عمل کرنے میں رکاوٹ نہ ڈالے، اس کو کہتے ہیں تزکیہ نفس اور یہ متقدمین کی زندگیوں میں تھا۔ پہلے لوگوں میں اصلاح کا یہ طریقہ تھا۔

چنانچہ ان میں نفس کو مارنے کے مجاہدے ہوتے تھے۔ آپ کتابوں میں واقعات پڑھتے ہوں گے کہ ایک بزرگ نے دیکھا کہ پانی دھوپ میں پڑا ہے، کہنے لگے: اے نفس! میں پانی کو اٹھا کر چھاؤں میں نہیں رکھوں گا اس لیے کہ تو اللہ کی اطاعت میں میرے ساتھ ضد کرتا ہے۔ یعنی وہ اپنے نفس کی چاہتوں کو توڑتے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو وفات کے وقت مچھلی کھانے خواہش ہوئی۔ مچھلی تو منگالی، جب کھانے کا وقت آیا، ایک فقیر آیا تو مچھلی اس کو دیدی اور کہا کہ میں اپنے نفس کو پسندیدہ چیز نہیں دوں گا۔ تو ان حضرات کا ایک طریقہ کار محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے نفس کی خواہشوں کو توڑتے تھے۔ بھوک کا مجاہدہ، پیاس کا مجاہدہ، جاگنے کا مجاہدہ۔ اتنے مجاہدات کرتے تھے کہ نفس کمزور ہو کر شریعت پر چلنے کے لیے تیار ہو جاتا۔ اس کو کہتے ہیں نفس کا اصلاح کے

ذریعے شریعت کے اوپر آ جانا۔

۲ قلب کو سنوارنے کا طریقہ (تصفیہ قلب)

ایک طریقہ کار اور بھی ہے، جسے کہتے ہیں قلب کو سنوارنے کا طریقہ۔ وہ یہ ہے کہ جو انسان زیادہ مجاہدے نہ برداشت کر سکتا ہو، جیسے آج کا زمانہ ہے۔ کھانے پینے کے مجاہدے کون برداشت کر سکتا ہے؟ اگر کسی کو کہیں کہ جناب آپ نے سات لقمے ہر روز کھانے ہیں تو وہ تو ویسے ہی بھاگ جائے گا۔ اگر بھاگ نہیں جائے گا تو کمزوری کی وجہ سے، کھڑا ہو گا تو نیچے گر جائے گا۔ چونکہ آج ہم کمزور ہیں، یہ کھانے پینے کی مشقتیں، یہ مجاہدے آج کے دور میں نہیں ہوتے تو اللہ رب العزت نے ہماری کمزوری پر مہربانی فرماتے ہوئے قلب کو سنوارنے کا طریقہ دے دیا۔ یہ آسان کام ہے۔ اس کے ذریعے سے شریعت پر چلنا آسان ہو جاتا ہے۔

چنانچہ ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں بھوک پیاس کا کوئی مجاہدہ نہیں۔ کسی نے آ کر حضرت خواجہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حضرت! میں کتنا کھاؤں؟ تو فرمایا کہ بھئی! تو اچھا کھا اور کام اچھی طرح کر، یعنی اگر تم شریعت پر عمل کرتے ہو تو تمہیں اچھی غذا کھانے میں کیا رکاوٹ ہے۔ بھئی! بے شک صبح و شام آئس کریم کھائیں، کس نے روکا ہے آپ کو؟ ہاں شریعت کے اوپر چلیں یہ ایک شرط ہے۔ تو ہمارے سلسلے میں نفس کو توڑنے کے لیے بھوک، پیاس، لوگوں سے نہ ملنا، بات نہ کرنا، وہ مجاہدے نہیں ہیں۔ لوگوں میں رہیں، ان کے ساتھ ملیں جلیں، مگر شریعت کے مطابق۔ اسی کی پابندی کرنی ہے۔ اس کو کہتے ہیں قلب کے ذریعے بندے کی اصلاح ہونا۔ چنانچہ ہم نے دیکھا ہے کہ جب دل کے جذبات بدلتے ہیں تو انسان پورا کا پورا بدل جاتا ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((اِنَّ فِیْ جَسَدِ بَنِیْ اٰدَمَ لَمُضْغَةً اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَ اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ))

''انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ سنورتا ہے تو پورا جسم سنور جاتا ہے، وہ بگڑتا ہے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے، جان لو کہ وہ انسان کا دل ہے۔''

یعنی دل کے سنورنے سے انسان سنورتا ہے۔

اور نفس کے بارے میں بھی یہی کہا کہ نفس جب سنور جاتا ہے تو انسان سیدھا ہو جاتا ہے۔ نفس کے سنورنے کی مثالیں۔ جب انسان دل میں کوئی خواہش رکھ لے نہ تو پھر اس کے لیے اپنے آپ کو اس کے مطابق ڈھالنا آسان ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور جب بندہ دل میں یہ سوچ لیتا ہے کہ جی میں نے الیکشن لڑنا ہے۔ اب ایک بات سوچ لی نا اس نے، اب اس کے بعد عاجزی اختیار کرنا اس کے لیے آسان۔ ہم نے دیکھا ہے الیکشن لڑتے ہوئے کہ کئی MNA اور کئی منسٹر ایک عام سادہ سے دیہاتی کے پاس جا کر بیٹھے ہوتے ہیں اور اسی کے گلاس میں پانی پی رہے ہوتے ہیں۔ یہ کیا چیز ہے؟ دل میں خواہش پیدا کر لی اور اب نفس نے اپنے آپ کو اس کیلیے تیار کر لیا۔

تو یہ دو طریقے ہیں، جو نفس کی اصلاح کا طریقہ تھا وہ تو متقدمین کا طریقہ تھا اور جو قلب کی اصلاح کا طریقہ ہے وہ متاخرین کا طریقہ۔ اب یوں سمجھیں کہ ایک نفس ہے اور ایک قلب ہے جو ہمارے متقدمین تھے وہ نفس سے چلتے تھے اور قلب کی اصلاح تک پہنچتے تھے اور آج کے زمانے میں قلب کی اصلاح کی طرف سے چلتے ہیں اور نفس کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ فاصلہ ایک جیسا ہے، مقصود ایک جیسا ہے مگر کام اس میں ذرا آسان ہو جاتا ہے۔

اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُحِبُّ مُطِیْعٌ

''محبّ جس سے محبت کرتا ہے اس کی اتباع آسان ہو جاتی ہے''

جب اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں آجاتی ہے تو پھر شریعت کے اوپر عمل کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ اسی لیے تو سلسلے میں بندہ جب بیعت ہوتا ہے تو چند دن میں اسکی کیفیت بدل جاتی ہے، آنکھوں سے دیکھتے ہیں ۔ وہ بڑے بڑے گناہ جن کو کسی زمانے میں چھڑوانے کے لیے اولیاء اللہ کی دعاؤں کی ضرورت ہوا کرتی تھی وہ آرام سے چھوڑ دیتے ہیں ۔کوئی شراب چھوڑتا ہے، کوئی زنا چھوڑتا ہے، کوئی فلاں چیز چھوڑتا ہے، اس لیے کہ دل بدل جاتا ہے تو دل بدلنے سے انسان کا بدلنا آسان ہو جاتا ہے۔

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں اصلاح دل سے ہوتی ہے:

ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں ابتداء کرتے ہیں انسان کے دل سے، چنانچہ جب کوئی بندہ بیعت ہوتا ہے تو اس کو مراقبہ سکھایا جاتا ہے۔ مراقبہ کیا چیز ہے؟ انسان دس پندرہ، بیس منٹ بیٹھے اور یہ سوچے، اللہ رب العزت کی رحمت آرہی ہے، میرے دل میں سما رہی ہے، دل کی ظلمت اور سیاہی دور ہو رہی ہے اور میرا دل اللہ اللہ کہہ رہا ہے۔ اس مراقبہ کے کرنے سے دل کے اندر نور آتا ہے۔

مراقبہ......دل کی بیٹری کا چارجر:

آج کے دور میں اس کی مثال سمجھنا آسان ہے۔ آپ جب سیل فون استعمال کرتے ہیں تو استعمال کرنے کی وجہ سے اس کی بیٹری ڈاؤن ہو جاتی ہے تو آپ کو پھر بیٹری روز چارج کرنی پڑتی ہے۔ اگر آپ بیٹری چارج کرنا بند کر دیں تو بیٹری بلینک (خالی) ہو جائے گی اور سیل فون ڈیڈ ہو جائے گا۔ بالکل اسی طرح ہم سارا دن لوگوں

کے ساتھ Interact (میل جول) کرتے ہیں تو ہمارے دل کی بیٹری ڈاؤن ہو جاتی ہے۔اب ہمیں چاہیے کہ اس بیٹری کو روز چارج کریں۔تو چارجر کے طور پر ہمارے مشائخ نے مراقبہ بتایا۔مراقبہ میں دل کا تعلق کدھر جوڑتے ہیں؟ وہ جو اصل پاور ہاؤس ہے یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قلبِ اطہر۔ادھر سے پھر بجلی چارج کرنے کے لیے آتی ہے۔تو یہ مراقبہ اپنے دل کی بیٹری کو روزانہ چارج کرنے کا طریقہ ہے۔جو روزانہ پابندی سے مراقبہ کرتا ہے اس کے دل کی بیٹری فل ہوتی ہے، اس کے لیے تہجد آسان، نماز آسان، نگاہوں کی حفاظت آسان، سچ بولنا آسان، سارے کام کرنے آسان بن جاتے ہیں۔

آج کے زمانہ میں نورِ نسبت حاصل کرنے میں آسانی:

ہمارے بزرگوں نے اللہ رب العزت سے یہ نعمت مانگی کہ اللہ! اب کمزوری کا زمانہ آ گیا، اب وہ مجاہدے نہیں ہوسکتے جو پہلے لوگ کیا کرتے تھے، اب تو آسانی والا معاملہ کر دیجیے۔تو اللہ رب العزت نے یہ قلب کی محنت والا سلسلہ ظاہر فرما دیا۔اس لیے ترتیب میں، چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ، یہ تینوں سلسلے پہلے ظاہر ہوئے اور نقشبندیہ سلسلہ سب سے آخر میں آیا۔کیونکہ اللہ نے اس دفعہ متأخرین سے کام لینا تھا۔اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیے۔

ایک مثال سے بھی سمجھ لیں۔پہلے زمانے میں سفر کرنا بہت مشکل تھا، گھوڑوں پر سفر ہوتا تھا اور اونٹوں پر سفر ہوتا تھا تو لوگ روزانہ بیس پچیس میل تک ہی سفر کر سکتے تھے۔اب اگر کسی نے یہاں سے کراچی جانا ہوتا تو کراچی جانے کے لیے اونٹ اور گھوڑے پہ ایک مہینہ لگتا۔اور آج کے زمانے میں اگر کراچی جانا ہو تو ڈیڑھ گھنٹے کی بات ہے۔جس پروردگار نے انسانوں کی کمزوریوں کا لحاظ کرتے ہوئے ظاہری سفر

کے لیے آسانیاں پیدا کر دی ہیں، اس پروردگار نے ان کی کمزوریوں پر رحمت فرما کر ان کے روحانی سفر میں بھی آسانیاں پیدا فرما دی ہیں۔آج کے دور میں اللہ کو پانا کوئی مشکل نہیں۔سادہ سی ایک بات ہے، زندگی شریعت کے مطابق بنا لو ولایت میں مقام مل جائے گا۔وہ تو پہلا زمانہ تھا جب جنگلوں میں جاتے تھے، غاروں میں جاتے تھے، کئی کئی دن مراقبوں میں رہتے تھے۔آج کے دور میں اتنا مجاہدہ کون کر پاتا۔اللہ رب العزت نے ٹارگٹ کو حاصل کرنا آسان کر دیا کہ تم شریعت پر عمل کر لو تمہیں ولایت کا نور نصیب ہو جائے گا۔چنانچہ اب انسان کو ولایت کا نور آسانی کے ساتھ مل جاتا ہے۔

فنائے قلب اور فنائے نفس:

اب یہاں پر دو باتیں اور ہیں وہ سمجھ لیں۔ایک ہے قلب کی فنا اور ایک ہے نفس کی فنا۔فنا سے مراد یہ ہے کہ ذکر کرتے کرتے انسان کے دل کی کیفیت ایسی ہو جائے کہ دل ذکر کے اندر بالکل ڈوب جائے، غفلت کا نام ونشان مٹ جائے، یوں سمجھ لیں کہ اس کو فنا کا مقام کہتے ہیں۔

ایک ہے فنائے قلب اور ایک ہے فنائے نفس۔فنائے قلب سے کیا ملتا ہے۔انسان کا دل شہوات کا مقام ہے لہٰذا جب اس کو قلب کی فنا مل جاتی ہے تو قلب کے اندر سے غیر شرعی شہوات ختم ہو جاتی ہیں۔تو فنائے قلب کا مقام ملنے سے بندے کے اندر پاکیزگی آجاتی ہے، جو خلافِ شرع شہوتیں ہیں وہ ساری کی ساری ختم ہو جاتی ہیں۔اور جب نفس کی فنا ملتی ہے تو وہ ایک اور اونچا مقام ہے۔وہ یہ ہے کہ انسان کے دل سے ارادہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔کیا مطلب؟ مطلب کہ کوئی ارادہ شریعت کے خلاف پیدا ہی نہیں ہوتا۔جو شریعت نے کہا وہی من کی چاہت بن جاتی ہے۔اس کو

فنائے نفس کہتے ہیں۔

مثال اسکی یوں سمجھ لیجئے کہ غیر محرم عورت جارہی ہے، دل میں ایک داعیہ پیدا ہوا کہ اسے دیکھو، بندہ نہیں دیکھتا تو اس کا مطلب یہ کہ اس کے ذہن میں تحریک تو ہوئی مگر اس نے اس پر عمل نہیں کیا۔ تو اب اس کو ولایتِ صغریٰ کا مقام مل گیا۔ یہ شریعت پر چلتا ہے باوجود نفس کے تقاضے کے۔ اور ایک یہ کہ طبیعت ہی شریعت کے مطابق ڈھل جائے۔ طبیعت میں ہی کسی خلافِ شرع کام کا تقاضا نہ ہو۔ مثلاً اس بات کو سمجھنا آسان ہے۔ ہم لوگ تو پیدائشی مسلمان ہیں۔ ہمارے اندر ایک بلٹ ان چیز ہوتی ہے کہ ہمیں سور کے نام سے نفرت ہوتی ہے۔ ایک بندہ کتنا ہی بھوکا ہو، پیاسا ہو آپ اس کو کہیں کہ جی یہ سور پکا ہوا ہے، کھالے، وہ کہے گا میں نہیں کھاتا۔ تو فوراً کراہت محسوس ہوگی، طبعاً اس انسان کو بہت بری محسوس ہوگی کہ یہ کیا ہے؟ میں نہیں کھاتا۔ چاہت نہیں ہوگی کراہت ہوگی۔ اچھا اسی طرح جو لوگ نیکی کی زندگی گزارتے ہیں ان کو موسیقی کے سننے سے ایسے ہی کراہت ہوجاتی ہے۔ کچھ تو وہ ہیں جو موسیقی کو روح کی غذا بتاتے ہیں اور کچھ تو وہ ہیں کہ موسیقی کی آواز ان کو کان میں پڑنا ہی پسند نہیں۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ مسجد میں اگر لوگ نماز پڑھ رہے ہوں اور کسی کی سیل فون کی بیل (گھنٹی) بجنے لگ جائے تو دوسرے لوگوں کی بڑی عجیب سی کیفیت ہوتی ہے۔ کہتے ہیں: مسجد میں آنے سے پہلے بند کیوں نہیں کی؟ ان کو کراہت محسوس ہورہی ہوتی ہے کہ یہ مسجد میں شور کیوں ہورہا ہے؟۔ تو جس طرح شراب کے بارے میں، سور کے بارے میں، موسیقی کے بارے میں ہم لوگوں کو ایک طبعی کراہت محسوس ہوتی ہے، اللہ والوں کو ہر گناہ کے بارے میں ایسے ہی کراہت محسوس ہورہی ہوتی ہے۔ ان کی طبیعت متوجہ ہی نہیں ہوتی گناہ کرنے کی طرف۔ چنانچہ وہ شریعت پر بے ساختہ عمل کرتے ہیں۔ جو شریعت کا حکم اسی کے اوپر عمل۔ جیسے کوئی سدھایا ہوا اونٹ ہوتا ہے نا

پیچھے چلتا رہتا ہے، وہ ایسے شریعت کے پیچھے پیچھے چلتے رہتے ہیں۔

یہی تصوف کا مقصود ہے کہ ہمیں دل کی ایسی کیفیت مل جائے کہ ہم حکمِ خدا پر نکیل ڈالے ہوئے جانور کی طرح پیچھے پیچھے چلتے جائیں۔ ہماری طبیعت سے انانیت اور سرکشی ختم ہو جائے اور ہمارے اندر اطاعت اور فرمانبرداری آ جائے یہی تصوف کا بنیادی مقصد ہے۔

معمولاتِ نقشبندیہ کا پیٹنٹ نسخہ:

اسی لیے کہتے ہیں کہ معمولات کیے جائیں، یہ جو معمولات ہوتے ہیں درود شریف پڑھنا، استغفار پڑھنا، قرآن مجید پڑھنا، وقوفِ قلبی کا خیال رکھنا اور مراقبہ کرنا ان کو آپ معمولی نہ سمجھیں۔ یہ دیکھنے میں لگتے ہیں جی آسان سے کام ہیں۔ مگر عجیب بات ہے کہ یہ آسان سے کام بندے کے دل کو بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ ہم نے اپنی زندگی میں ہزاروں کو نہیں، لاکھوں کو یہ معمولات بتائے اور الحمدللہ لاکھوں کی زندگیوں کو اپنی آنکھوں سے بدلتا ہوا دیکھا۔ آج تو اتنا یقین ہے کہ جیسے انجینئر ہونے کے ناطے دو اور دو چار پہ یقین ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یقین ہے کہ جو بندہ ان معمولات کی پابندی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل کی دنیا کو یقیناً بدلتے ہیں اور یہ بات کرتے ہوئے عاجز کے پاؤں کے نیچے چٹان ہے۔ اتنے یقین سے یہ بات کہتا ہوں۔ کیا شرابی، زانی، جوئے باز، ڈاکو، معلوم نہیں کس قسم کے ظالم سلسلے میں بیعت ہوتے ہیں اور ان کی زندگی بدل جاتی ہے۔ لوگ حیران ہوتے ہیں کہ یہ بندہ اتنا بدل گیا! جی ہاں! نسخہ ہی ایسا ہے۔

نسخے کا فائدہ استعمال سے ہوتا ہے:

اب کمزوری کہاں ہے کہ ہم نسخہ سن تو لیتے ہیں، نسخہ استعمال نہیں کرتے۔ اب

آپ بتائیں کہ کوئی بندہ بڑے ہارٹ سپیشلسٹ سے جا کر نسخہ لکھوا لے اور جیب میں ڈال لے اور پھر سال بعد کہے کہ ڈاکٹر صاحب! میری طبیعت تو ٹھیک نہیں ہوئی تو ڈاکٹر صاحب کہیں گے کہ بھئی! آپ نے نسخے کو استعمال کیا؟ ڈاکٹر صاحب! میں نے نسخہ جیب میں ڈالا ہوا تھا، وہ کہے گا: کمبخت تو نے پیٹ میں ڈالنا تھا، تب تجھے فائدہ ہوتا۔ صرف معمولات کے سن لینے سے فائدہ نہیں ہوتا، معمولات کو پریکٹیکلی کرنے سے فائدہ ہوتا ہے۔ آپ کر کے دیکھیں اثرات محسوس نہ ہوں تو پھر بات ہے۔ الحمدللہ ان کے اثرات بہت سریع ہیں، بندہ جلدی محسوس کرتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا:

مَنْ لَا وِرْدَ لَهٗ لَا وَارِدَ لَهٗ

''جو اوراد و وظائف نہیں کرتا، اس کے اوپر کیفیات نہیں آتیں''

کیفیات تو اوراد و وظائف کی وجہ سے آتی ہیں۔ تو ہمیں چاہیے کہ ہم اوراد و وظائف کو کریں تا کہ ہمارے دل سنوریں۔

اپنے سنورنے سے ابتدا:

یہی مقصد ہے ہمارا یہاں اکٹھا ہونے کا کہ ہم سنوریں۔ اپنے سنورنے سے ابتداء ہوتی ہے۔ آج تو انسان کہتا ہے کہ بس ساری دنیا سنور جائے اور اپنے آپ کو Ignore کر جاتا ہے، اس لیے سنور کوئی نہیں رہا۔ ہم ادھر سے شروع کریں کہ ہم سنوریں گے تو پوری دنیا سے ایک برا بندہ تو کم ہو جائے گا۔ ادھر سے ابتدا کریں اس کے لیے یہ اوراد و وظائف کرنے پڑیں گے، اور دل کی حالت سنور جائے گی۔ اسی لیے ہمارے مشائخ نے فرمایا:

''اگر بر ہوا روی مکسِ باشی'' اگر تم ہوا میں اڑتے ہو تو مکھی کی مانند ہو

''اگر بر آب روی خسِ باشی'' اگر تم پانی پہ چلتے ہو تو تنکے کی مانند ہو،

''دل بدست آور تا کسے باشی'' تم دل کو اپنے قابو میں لے لو تا کہ تم کچھ تو بن جاؤ۔

تو ہوا میں اڑنا، پانی پہ چلنا، یہ کون سا کمال کا کام ہے۔ کمال کا کام تو یہ ہے کہ ہر حال میں انسان کا عمل شریعت کے مطابق ہو جائے۔ یہ کمال کا کام ہے، یہ نعمت ہمیں اللہ سے مانگنی ہے۔

تصوف کا مقصود:

چنانچہ تصوف کا مقصود کیا ہے؟ ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے:

''ہم نے اڑنا ہے نہ اڑانا ہے، نہ رونا ہے نہ رلانا ہے، ہم نے تو اپنے بچھڑے یار کو منانا ہے''

یہ تصوف کا اصل مقصود ہے۔ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک بندہ آیا: کہنے لگا کہ حضرت! تصوف کا مقصود کیا ہے؟ تو حضرت نے فرمایا کہ تصوف کا مقصود یہ ہے کہ انسان کے انگ انگ اور ریشے ریشے سے گناہوں کا کھوٹ نکل جائے۔ اور واقعی جو ذکر واذکار کرتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ پاکیزہ زندگی دے دیتے ہیں۔ اتنی اس کے اندر شرافت آجاتی ہے، نیکی آجاتی ہے کہ فرشتے بھی ان کے اوپر حیران ہوتے ہیں۔ یہ کیسے لوگ ہیں جو اپنے نفس کو زنجیر ڈال کر اللہ کے حکموں کے مطابق زندگی گزار دیتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو ایسی زندگی دیتے ہیں کہ ان کے اندر سے دورنگی ختم ہو جاتی ہے۔

ہے تو سچ مگر بات ہے رسوائی کی:

آج کے دور میں ہمارے اندر جو بڑی بڑی کمزوریاں ہیں نہ ان میں سے ایک بڑی کمزوری یہ بھی ہے کہ ہماری زندگی سچ کی زندگی نہیں ہے۔ ایک بات مجمعے میں کہہ

رہا ہوں، بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی۔ کیا؟ پوری دنیا کے چالیس، پچاس ملکوں میں سفر کرنے کے بعد ایک نتیجہ جو اخذ کیا ہے وہ یہ کہ باہر ملکوں میں کفار نے اسلام کی تعلیمات میں سے فائدے دیکھتے ہوئے انہیں Impliment (لاگو) کیا تو وہ چیزیں Implimented (لاگوشدہ) نظر آتی ہیں۔ ہمارے اندر اگرچہ آج علم موجود ہے، تعلیمات Impliment ہوتی نظر نہیں آتیں۔

مثال کے طور پہ، تجربہ کے طور پر۔ دس مسلمان بچوں کو آپ اگر کوئی چیز دیں، شاید ہی کوئی ایک ہوگا جو آپ کا شکریہ ادا ہوگا۔ اور باہر کے ملک میں ذرا سا کسی بچے کو کچھ دیں، فوراً Thank you کہے گا، کیوں؟ گھٹی میں پڑا ہوا ہے۔

مجھے ایک مرتبہ پیرس سے نیو یارک کا سفر کرنا تھا۔ میرے ساتھ والی کرسی پر ایک امریکن لڑکی آکر بیٹھ گئی، جس کے پاس دو سال کی بیٹی تھی، کھانے کا وقت آیا تو میں نے معذرت کر لی کہ میں نے نہیں کھانا۔ ائر ہوسٹس نے اس کے سامنے کھانا رکھ دیا، اب میں کتاب پڑھ رہا تھا، مگر بندے کو اتنا اندازہ تو ہوتا ہے نا کہ سائیڈ پہ کیا ہو رہا ہے۔ میں نے دیکھا کہ اس بچی نے اپنی بیٹی کے منہ میں تھوڑے سے چاول ڈالے اور کہا Say thank you، اس نے کہا: Mom! Thank you ۔ پھر دوسرا لقمہ ڈالا اور کہا Say thank you، اس نے کہا Thank you ۔ ہر لقمہ پہ کہلواتے کہلواتے ایک ایسا وقت آیا کہ کچھ چاول اس ماں کے کپڑوں پر گر گئے۔ تو بچی نے کہا: !Mom تو ماں نے ان چاولوں کو صاف کیا اور اپنی بیٹی کو کہا: Thank you ۔ ماں بیٹی کا شکریہ ادا کر رہی ہے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ ایک کھانے کے دوران اس لڑکی نے اپنے بیٹی سے تقریباً پینتیس مرتبہ شکریہ کا لفظ کہلوایا۔

آج کوئی مسلمان ماں ایسی ہے جو کھانے کے بعد ایک دفعہ بھی شکریہ کا لفظ کہنے

کی تعلیم دیتی ہو؟ نہیں! ہمارے اندر شکریہ کی تعلیم ہی نہیں ہے۔ بڑا بھائی کتنی ہی قربانیاں کر لے، چھوٹے بھائی کی زبان پر کبھی شکریہ کا لفظ نہیں آیا۔ خاوند بیوی کے لیے جو مرضی خرچ کر دے، شکریہ کا لفظ نہیں آیا۔ خدا کے بھی ناشکرے بن گئے، بندوں کے بھی ناشکرے بن گئے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ))

جو انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا، وہ خدا کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔

سوچیں کہ ہمیں کتنی شکریہ کہنے کی عادت ہے، ہم کبھی کہتے ہیں کسی کو؟ ہمارے دین میں جَزَاكَ اللّٰهَ کا لفظ ہے تو اس کے کہنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ ہر بات پہ کہنا چاہیے۔ ہم نہیں کہتے، کیوں؟ تربیت نہیں ملی، ماحول نہیں ہے، ہمارا وہ سیٹ اپ نہیں ہے جو ہونا چاہیے۔ تو ہماری نشو نما میں میں کچھ بنیادی غلطیاں ہیں، کمزوریاں ہیں، تبھی تو ہم پس رہے ہیں دنیا کے اندر۔

اور ان اچھائیوں کو انہوں نے استعمال کر لیا۔ ان میں سے ایک اچھائی سچ بولنا ہے۔ ہمارے اس ماحول میں معذرت کے ساتھ جس بچے سے بات کرو یقین نہیں ہوتا کہ یہ سچ بول رہا ہے یا آدھا سچ بول رہا ہے اور آدھا جھوٹ ملا رہا ہے، یقین نہیں ہوتا۔ باہر ملکوں میں شرابی، زانی، کبابی، وہ لڑکا سب کچھ ہوگا لیکن جو دل میں ہوگا وہی کہے گا Straight Forward ہوگا۔ ہم نے تو ہزاروں کو آزما کے دیکھا۔ وہاں لڑکے سے پوچھ لیں تو جو کچا چٹھا کیا ہے کھول دیتے ہیں۔ کرتے ہیں تو ٹھیک اور نہیں کرتے تو نہیں۔ کبھی بدل کے بات کرنا، بنا کے بات کرنا، یہ چیز ہے ہی نہیں وہاں۔ اور جن لوگوں کو باہر سفر کرنے کا موقع ملتا ہے وہ بھی اس کی تصدیق کریں گے کہ واقعی ایسا ہے۔ ہم ایک بڑا فرق محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے ماحول کا پلا ہوا لڑکا، نوجوان

اور وہاں کے ماحول کا پڑھا ہوا نوجوان۔ اس کے اندر بڑی نیکیاں ہوگی مگر برائیاں بھی ہیں اس کے اندر بڑی خامیاں ہوں گی مگر اچھائیاں بھی ہیں اور ایک اچھائی پتا نہیں کیوں ہم Split Personality (دوہری شخصیت) ہوتے ہیں۔ ایک دماغ میں دو دماغ ہوتے ہیں۔ خاوند کو بیوی پہ یقین نہیں ہوتا، بیوی کو خاوند پہ یقین نہیں ہوتا۔ ہم Honest (امانت دار) نہیں ہوتے۔ اتنی بڑی کمزوری ہے ہماری زندگی میں۔

دورنگی چھوڑ دے، یک رنگ ہو جا:

اللہ کے حبیب ﷺ تو سچ کی زندگی دکھانے کے لیے آئے۔ فرمایا:

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُ تَمِّمَ مَکَارِمَ الْاِخْلَاقِ

''میں مکارمِ اخلاق کی تعلیم دینے کے لیے دنیا میں آیا ہوں''

اور مکارم اخلاق دس تھے، پہلا تھا سچ بولنا اور دوسرا تھا سچائی کا معاملہ کرنا۔ ان دس میں سے پہلے دو پر ہی ہمارے میں عمل نہیں۔ ہم اپنی زندگیوں کو خود دیکھیں نا، ہم اپنی بیگم کے ساتھ کتنے Honest (وفادار) ہیں۔ ہم بدنظری کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ وفادار نہیں ہیں۔ ہم اگر سیل فون کے اوپر غیر محرم سے باتیں کرتے ہیں، میسج کرتے ہیں، تعلق رکھتے ہیں تو ہم وفادار نہیں ہیں۔ مخلوق کو تو آپ مطمئن کر لیں گے، خدا کو کیسے مطمئن کریں گے جو سینوں کے بھید جانتا ہے۔ یہ دورنگی نہیں چلے گی۔ وہ پروردگار سینوں کے بھید جانتا ہے، جس نے ہم سے حساب لینا ہے۔

اس کا ایک ہی حل ہے کہ ہم دورنگی چھوڑ کے یک رنگی اختیار کر لیں ۔

دو رنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا
سرا سر موم ہو جا یا سنگ ہو جا

اور تصوف وسلوک کی بنیادی محنت یہی ہے کہ انسان کے اندر سے جھوٹ نکل

جائے اور زندگی میں سچ آجائے۔ ایسا بندہ ماں باپ کے لیے رحمت، رشتہ داروں کے لیے رحمت، محلے کے لیے رحمت، اللہ کے بندوں کے لیے رحمت ہوتا ہے۔ تو گویا تصوف وسلوک کا مقصد یہ ہوا کہ انسان کو انسان کامل بنانا ہے، بندے کا پتر بنانا ہے، یہ تصوف کا مقصد ہے۔ تو اس کی ضرورت تو ہم میں سے ہر بندے کو ہے کہ ہم انسان کے بچے بن کر زندگی گزاریں۔ یہ جھوٹ کی زندگی، منافقت کی زندگی، دھوکے کی زندگی، یعنی بندہ بات کر رہا ہوتا ہے، پتہ نہیں ہوتا کہ یہ کہاں سے بول رہا ہے، سچ بھی ہے یا نہیں، کدھر کی بات کدھر کر رہا ہوتا ہے۔

سچ کی زندگی گزارنے والے لوگ:

جب ہم صحیح معنوں میں مسلمان تھے، ہماری زندگی سچ کی زندگی تھی۔ اس وقت کے مسلمانوں کی زندگیوں کو دیکھیں تو بالکل ہر سائیڈ سے اوپن ہوا کرتے تھے۔ لگتا ہے کہ واقعی وہ ہر کام اللہ رب العزت کی رضا کے لیے کرتے تھے۔

⊙ ...... چنانچہ مدائن فتح ہوا تو امیرِ لشکر نے اعلان کروایا کہ جس کے پاس جو مالِ غنیمت ہے وہ سب کا سب جمع کروا دو۔ بہت مال غنیمت جمع کروا دیا گیا۔ امیر لشکر بڑے خوش ہیں کہ اللہ رب العزت کی اتنی مدد آئی کہ اب ہم اس کو لوگوں میں تقسیم کریں گے۔ تیسرا دن گزرا تو ایک ایسا بھی بندہ آیا جس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے، اس کا مطلب غریب بندہ تھا، بس Hand to mouth (کسمپرسی) کی زندگی گزار رہا تھا۔ اس کی معاشی حالت اتنی خراب تھی لیکن اس نے کسی کپڑے میں کوئی چیز لپیٹی ہوئی تھی، وہ لایا اور لا کر امیر کے سامنے رکھ دی۔ امیر نے پوچھا یہ کیا؟ اس نے کہا کہ دشمن کے بادشاہ کو میں نے قتل کیا اور یہ اس کا تاج ہے جو میں نے سنبھال لیا تھا اور اب میں یہ آپ کو دینے کے لیے آیا ہوں، جب امیرِ لشکر نے تاج دیکھا، ایسے ڈائمنڈ

(ہیرے) جڑے ہوئے تھے، قیمتی پتھر لگے ہوئے تھے، سونا لگا ہوا تھا۔ حیرت ہوئی کہ پورے لشکر میں کسی کو پتہ نہیں، اگر یہ نوجوان اس کو اپنے پاس رکھ لیتا اور اس کے ہیرے ایک ایک کر کے بیچتا تو پوری زندگی کھاتا لیکن یہ لایا اور لا کر اس نے واپس کیا۔ امیرِ لشکر نے حیران ہو کر پوچھا کہ نوجوان! تمہارا کیا نام ہے؟ تو جب اس نے نام پوچھا، اس نوجوان نے ٹرن لیا، دو قدم اٹھائے اور یہ کہا: امیرِ لشکر جس رب کو راضی کرنے کے لیے میں یہ تاج لایا ہوں وہ میرا نام بھی جانتا ہے اور میرے ماں باپ کا نام بھی جانتا ہے۔ اتنی سچی زندگی تھی۔ اللہ اکبر۔

⊙......نسبت دل کو کیسے بدلتی ہے؟ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ تشریف لے گئے، واپس گھر جانا تھا تو انہوں نے گنے کی گٹھری بھی ساتھ دے دی۔ اب ریل چلنے کا وقت تھا اور یہ جو گنوں کی ٹکٹ بنی تھی، کارگو کی نہیں بنوا سکے، تو حضرت نے اس دینے والے کو کہا کہ نہیں! میں نہیں لے جا سکتا، کیونکہ وقت اب ایک آدھ منٹ رہ گیا ہے گاڑی چل پڑے گی تو میں اس کی ٹکٹ نہیں بنوا سکتا۔ تو ٹکٹ کلکٹر قریب تھا۔ اس نے کہا: کوئی بات نہیں میں ہی ٹکٹ چیک کرنے والا ہوں، آپ اس کو لے جائیں۔ تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اصل میں مجھے آگے جانا ہے، اس نے کہا: کوئی بات نہیں، فلاں جگہ تک میری ڈیوٹی ہے تو آپ آگے بھی چلے جائیں تو میں ساتھ ہوں۔ فرمایا کہ نہیں مجھے اور بھی آگے جانا ہے۔ اس نے کہا: آگے میرا ایک دوست ہے جس کی ڈیوٹی ہے میں اس کو کہہ دوں گا اور وہ آپ کو لے جانے دے گا۔ تو حضرت نے فرمایا کہ نہیں میں نے اس سے آگے جانا ہے۔ اس نے کہا کہ آگے تو ریلوے لائن ہی ختم ہو جاتی ہے تو کہاں جائیں گے؟ حضرت نے فرمایا کہ میں نے تو قیامت کے دن اللہ کے سامنے جانا ہے کیا وہاں بھی مجھے تم چھڑوا لو گے؟ اللہ اکبر۔

⊙...... جب من صاف ہوتا ہے تو بندوں کی خاطر بندہ کام نہیں کرتا، رب کی خاطر کام کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت نے ایک بندے کو خلافت دی۔ ایک دفعہ وہ ملنے کے لیے آئے اور ان کے ساتھ بچہ تھا جو دیکھنے میں قد کا چھوٹا نظر آتا تھا تو حضرت نے پوچھا، عمر کتنی؟ اس نے کہا کہ جی عمر تو اتنی ہے آٹھ نو سال جو بھی تھی۔ حضرت نے فرمایا کہ بھئی ٹکٹ بنوائی تھی؟ کیونکہ بچے کی اور ہوتی ہے اور دوسرے کی اور ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت میں نے ٹکٹ نہیں بنوائی، یہ دیکھنے میں بالکل چھوٹا لگتا ہے تو میں نے کہا کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔ حضرت نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ابھی تک مخلوق کی وجہ سے زندگی گزارتے ہو، رب کی وجہ سے زندگی نہیں گزارتے۔ حضرت نے ان سے خلافت بھی واپس لے لی اور ان کو خانقاہ سے بھی باہر بھیج دیا۔ کیا سمجھ رکھا ہے؟ یہ تصوف و سلوک من کو اتنا صاف کر دیتا ہے کہ انسان ہر کام اللہ کے لیے کرنے والا بن جائے۔

⊙...... مفتی عبداللطیف گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اپنے بچوں اور عورتوں کے ساتھ شادی میں شرکت کے لیے جا رہے تھے۔ اللہ کی شان! وہ گھوڑا گاڑی تھی، ڈاکوؤں نے گھیر لیا۔ جب ڈاکوؤں نے گھیر لیا تو ان کو سمجھ لگ گئی کہ یہ لوٹنے کے لیے آئے ہیں، تو حضرت نے ان کو کہا کہ بھئی! دیکھو یہ پردہ دار عورتیں ہیں، ان پہ تم ہاتھ مت اٹھاؤ، جو تمہیں چاہیے ہم دے دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جو زیور انہوں نے پہنے ہوئے ہیں وہ ہمیں دے دیں۔ حضرت نے عورتوں کو حکم دیا کہ یہ زیور دے دو عزت کی حفاظت اس زیور کی حفاظت سے زیادہ ضروری ہے۔ چنانچہ عورتوں نے خود ہی سارے زیور اتار کے دے دیے، حضرت نے رومال میں ڈالے اور رومال اس کو پکڑا دیا، لو جی یہ لے جاؤ ہاتھ مت لگاؤ۔ وہ ڈاکو بھی بڑے خوش کہ بھئی! خود بخود ہمیں مال مل گیا۔ وہ جانے

لگے، حضرت بھی چل پڑے، ابھی چند قدم آگے گئے تھے کہ ایک عورت نے کہا کہ حضرت! یہ جو میری چھوٹی سی دودھ پیتی بچی ہے، اس کی چھوٹی انگلی میں چھوٹا سا رنگ ڈالا ہوا تھا وہ دینے سے رہ گیا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ تو وعدہ کی خلاف ورزی ہو گئی، تم سواری کو روکو۔ سواری رکوائی، وہ چھوٹی سی بچی کی رنگ اتروائی اور لے کر ان ڈاکوؤں کو دینے کے لیے چلے۔ ڈاکوؤں نے دیکھا، پہلے تو وہ گھبرائے، پھر کہنے لگے ہم زیادہ ہیں، یہ اکیلا ہے کیا کر لے گا؟ قریب آئے تو پوچھا کہ کیوں آئے ہیں؟ تو آنکھوں میں آنسو تھے۔ کہنے لگے: میں نے آپ سے یہ کمٹمنٹ کی تھی کہ آپ کو سارا زیور دے دیں گے، لیکن خیال ہی نہیں رہا، چھوٹی بچی کی انگلی میں چھوٹی سی انگوٹھی رہ گئی تھی۔ اب ماں نے دیکھا تو وہ میں آپ لوگوں کو دینے آیا ہوں۔ حضرت کی بات کا ڈاکوؤں کے دل پہ ایسا اثر ہوا، سب نے سچی توبہ کر کے ڈاکو ہونے سے توبہ بھی کر لی اور زیور بھی حضرت کو واپس لوٹا دیا۔

دو سوکنوں کے کھرے پن کا واقعہ:

ایک وقت تھا کہ ہم اتنے سچے اور کھرے ہوا کرتے تھے۔ بھئی! یہ نہ سمجھیں کہ دو چار مردوں کے ایسے واقعات ہیں۔ مرد اور عورتیں سارے کے سارے اس وقت ایسے ہوا کرتے تھے۔ جب ہم صحیح معنوں میں مسلمان تھے دوغلا پن، دورنگی کی زندگی ہمارے اندر نہیں ہوتی تھی جو کرتے تھے اللہ کے لیے کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بات بتا کر یہ عاجز اپنے مضمون کو مکمل کرتا ہے امید ہے کہ آپ دل کے کانوں سے سنیں گے۔ عورتوں میں اگر سوکنیں ہوں تو ان سوکنوں کے دل میں جو حسد، بغض اور دشمنی ہوتی ہے وہ الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی۔ ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ ایک کے ہاتھ میں اگر گولی ہو تو فورا دوسری کو مارے اور دوسری کے ہاتھ میں ہو تو پہلی کو

مارے۔ایسی ان کی ایک دوسرے کے بارے میں کیفیت ہوتی ہے۔عام طور پر یہی دیکھنے میں آیا ہے۔ ذراسی بات ہو ہر برائی دوسری کے اندر، ہر اچھائی اپنے اندر، یہ عادت ہوتی ہے۔ لیکن پہلے زمانے میں جب ہم صحیح معنوں میں مسلمان تھے اس زمانے کی بات سنیے۔

ایک نوجوان تاجر اجناس کا کام کرتا تھا۔ گندم، کپاس یا چاول اس کی خرید وفروخت، اس قسم کا کام وہ کرتا تھا۔تو اس کو فصل کے زمانے میں کسی دوسرے شہر جا کر فصل خریدنی پڑتی تھی اور پھر سٹاک کر کے وہ آہستہ آہستہ اس کو بیچا کرتا تھا۔ جب وہ دوسرے شہر میں جاتا چار مہینے کے لیے تو وہاں بیوی کے بغیر رہنا اس کے لیے مشکل ہوتا، بدکار وہ تھا نہیں، اس نے دل میں سوچا کہ بھئی کیوں نہ میں یہاں نکاح کرلوں مگر ساتھ یہ بھی سوچا کہ پہلی بیوی کو بتانے کی کیا ضرورت ہے، اس کا دل ٹوٹے گا۔ چنانچہ دوسرے شہر میں اس نے کسی عورت کے ساتھ نکاح کرلیا اور وہاں رہنے لگ گیا۔اب جب وہ واپس اپنی پہلی بیوی کے پاس آیا تو عورتیں اس معاملے میں بہت سمجھدار ہوتی ہیں، اس نے ایک منٹ میں اندازہ کرلیا کہ بدلے بدلے میرے سرکار نظر آتے ہیں، لیکن تھی نیک عورت، وہ خاموش رہی اور کوئی بات نہیں کی۔ خیر یہ اس کے ساتھ رہا جو چار آٹھ مہینے رہنے تھے پھر اس کے بعد اس کو سیزن میں وہاں جانا تھا، تو پھر یہ گیا۔اس بیوی سے اس نے پہلے بات کرلی تھی بھئی! میں یہاں پر اتنے مہینے آکر رہوں گا، اس سے اوپر آپ اپنا حق معاف کردو، اس نے معاف کردیا۔اس پہلی بیوی کے ذہن میں خیال آیا کہ کیوں نہ میں کسی عورت سے ذرا پتہ تو کرواؤں کہ دوسرے شہر میں اس کا وقت گزرتا کیسے ہے؟ اس نے ایک بڑھیا کو بلایا اور کہا کہ بھئی! اتنا میں تجھے انعام دوں گی، ذرا جاؤ فلاں شہر میں، میرا خاوند چار مہینے وہاں رہتا ہے، ذرا دیکھو کہ اس کے دن وہاں کیسے گزرتے ہیں؟ وہ بڑھیا وہاں گئی اور اس نے وہاں ایک دو دن میں

کھوج نکال لیا کہ جی اس کا وہاں گھر ہے، بیوی ہے۔ واپس آگئی اب جب اس پہلی بیوی کو بات کی تصدیق ہوگئی کہ اس نے دوسری شادی کر لی تو دل پہ اس کے صدمہ تو ہوا اور وہ چاہتی تھی کہ میں خاوند سے بات کروں مگر اس نے خاموشی اختیار کی کہ جب میرا خاوند مجھے خود نہیں بتا رہا اور اس کے برتاؤ میں کوئی فرق نہیں آرہا، مجھے سپورٹ کر رہا ہے، مجھے محبت پیار دے رہا ہے، میرے حقوق پورے کر رہا ہے تو مجھے کیا ضرورت ہے اس معاملے کو چھیڑنے کی۔

اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیں کہ اسی دوران ہارٹ اٹیک یا کسی اور وجہ سے اس نوجوان کی اچانک موت آگئی۔ جب اچانک موت آگئی تو اب اس کی میراث کو تقسیم کرنا تھا۔ بوریاں بھر کر درہم و دینار کی اکٹھی کی گئیں۔ اربوں پتی بندہ تھا، پورا صحن بھر گیا بوریوں سے۔ اب علماء نے مال وزر کو تقسیم کیا کہ اولاد کا حصہ یہ اور بیوی کا حصہ یہ۔ اب بیوی کے حصے میں درہم و دینار کی چار بوریاں آئیں، لوگوں نے کہا کہ جی یہ آپ کا حصہ ہے آپ اس کو استعمال کریں۔ اب جب سب لوگ چلے گئے تو اس عورت نے دل میں سوچا کہ بھئی! ان کو تو پتہ بھی نہیں یہ ایک بیوی سمجھ کے تقسیم کرتے رہے، مجھے تو کنفرم ہے نا کہ اس خاوند کی ایک بیوی اور بھی تھی۔ لہٰذا یہ جو چار بوریاں ہیں یہ صرف میری نہیں ہیں، اس میں آدھے کا حق اس دوسری بیوی کا ہے۔ لہٰذا مجھے آدھی بوریاں اس دوسری بیوی کو بھجوانی ہیں۔

چنانچہ اس نے اسی بڑھیا کو بلایا اور کہا کہ بھئی! میں تجھے اتنے پیسے دوں گی یہ دو بوریاں جا کر اس کو دو اور خاوند کے فوت ہونے کی اطلاع بھی پہنچا دو۔ وہ بڑھیا لے کر گئی، اس نے جا کر پہلے بتایا کہ آپ کے خاوند فوت ہو گئے تو وہ بہت روئی کہ اچھا انسان تھا، جدا ہو گیا۔ پھر اس نے دو بوریاں اس کو درہم و دینار کی بھری ہوئی دیں کہ

بھئی! اس کی پہلی بیوی کے حصے میں چار بوریاں آئی تھیں، اس کو اندازہ تھا کہ اس کی کوئی دوسری بیوی بھی ہے اور اس نے سوچا کہ میں دوسرے کا حق نہیں کھا سکتی لہٰذا اس نے دو بوریاں آپ کو بھجوادی ہیں، یہ آپ کا حق ہے آپ لے لیں۔ اب یہ بیوی روتی رہی، روتی رہی، جب بڑھیا اٹھنے لگی تو اس نے اس کو کہا کہ اچھا آپ واپس جا رہی ہیں تو یہ دونوں بوریاں جو درہم و دینار کی ہیں لے جائیں اور پہلی کو دے دیں۔ اس نے کہا کیوں؟ یہ تو آپ کا حق ہے، اس نے کہا: اس لیے کہ آخری دفعہ جب میرا خاوند یہاں سے جا رہا تھا جانے سے آخری دن کوئی بات ہوئی جس پر اس نے مجھے طلاق دے دی، یہ میں جانتی ہوں یا میرا رب جانتا ہے کہ اب میں اس کی بیوی نہیں۔ یہ دو بوریاں پہلی کو دے دو یہ اسی کا حق ہے۔ جب ہم صحیح معنوں میں مسلمان تھے تو سوکنوں کے اندر بھی نباہ بندی تھی۔

ذکر وسلوک کا مقصد نفس کو شریعت کے مطابق ڈھالنا ہے:

تو تصوف وسلوک کا بنیادی مقصد انسان اپنے نفس پر محنت کرے، حتیٰ کہ وہ شریعت کے مطابق ڈھل جائے، اس کا ظاہر و باطن ایک ہو جائے اور سچ کی زندگی نصیب ہو جائے۔ جو انسان یہ محنت کرتا ہے وہ دنیا میں اللہ کی رحمت بن کر جیتا ہے۔ آج جس نے ذکر وسلوک سے کچھ حصہ نہیں پایا وہ کہیں کاروباری پارٹنر کے ساتھ بد دیانتی کر رہا ہوتا ہے، کہیں پڑوسی کے ناک میں دم کیا ہوتا ہے اور کہیں بیوی کا جینا حرام کیا ہوتا ہے۔ اور جو ذکر وسلوک سیکھتے ہیں، ایسی زندگی ہوتی ہے کہ ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی کے حالات زندگی کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی اہلیہ کہا کرتی تھیں کہ شادی کے بعد پوری زندگی میرے خاوند نے کبھی لہجہ بدل کر مجھ سے گفتگو نہیں کی، غصہ کرنا، ڈانٹ ڈپٹ کرنا تو دور کی بات ہے۔ تو ہم اگر ذکر وسلوک سے اپنے من کو صاف

کریں گے تو دنیا کے لیے ایک اچھا انسان بن کر رہیں گے اور اللہ کا ایک اچھا بندہ بن کر رہیں گے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اس مجلس کی حاضری کو قبول فرمائے، پچھلے گناہوں سے سچی توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جانے سے پہلے ہمیں زندگی کو بدلنے کی اور ایک اچھا انسان بننے کی نیت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

﴿وَ اذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيلًا﴾
(المزمل:۸)

راہِ سلوک میں خلوت کی اہمیت

بیان: محبوب العلما والصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 9 ستمبر 2011ء بروز جمعہ ۱۱شوال،۱۴۳۲ھ

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

موقع: بیان جمعۃ المبارک

اقتباس

محبت کی یہ ایک صفت ہے کہ وہ بندے کو تنہائی پسند بنا دیتی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ بس میں اکیلا رہوں، میں ہوں اور میرے محبوب کی یاد ہو، اسی کے تذکرے ہوں اسی کی باتیں ہوں اور میں اسی میں مگن رہوں...... اگر کوئی بات بھی کرے تو اللہ کی کرے ورنہ پھر ہم سے گفتگو ہی نہ ہو۔ تو محبت انسان کو تنہائی پسند بنا دیتی ہے۔ آپ دنیا کی محبتوں کا اندازہ لگا لیں کہ جن سے نفسانی تعلقات ہوتے ہیں لوگوں سے ہٹ کر ایک طرف گفتگو کرتے ہیں۔ او جی فون کر رہے ہیں، ایک ایک گھنٹہ باتیں ہو رہی ہیں۔ تو محبت کی یہ صفت کہ وہ چاہتی ہے کہ محبّ اپنے محبوب کے ساتھ وقت گزارے۔ اللہ تعالیٰ بھی یہی چاہتے ہیں کہ میرے بندے! تم میرے ساتھ وقت گزارو۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

راہِ سلوک میں خلوت کی اہمیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o
﴿وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا﴾
سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ o وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

قرآن پاک میں یکسوئی اختیار کرنے کا حکم:

قرآن مجید فرقانِ حمید میں اللہ رب العزت نے بعض مقامات پر کسی کام کا حکم صادر فرمایا ہے۔عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جب قرآن مجید پڑھتے ہوئے تم امر کا صیغہ دیکھو! امر کے صیغہ سے مراد کہ جس میں حکمِ خدا ہو تو تم ذرا سنبھل کر بیٹھو، اللہ کی عظمت کو اپنے پیش نظر رکھو اور یہ سوچو کہ یہ میرے مولیٰ کا مجھے حکم ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا﴾

''ذکر کر اپنے رب کے نام کا اور سب سے کٹ کر اللہ کی طرف آؤ''

تَبَتَّلْ کہتے ہیں کہ مخلوق سے کٹنا اللہ سے جڑنا، ماسوا سے کٹو اللہ سے جڑو۔یعنی ذکر کو تم اس نکتے تک پہنچاؤ کہ تمہارا دل ہر ایک سے کٹ جائے، ایک اللہ کے ساتھ جڑ جائے۔ ذکر کا مقصد فقط گنتی پوری کرنا نہیں، تسبیح پھیرنا نہیں، بلکہ اس ذکر کا مقصد لیا

ہے؟ ﴿وَ تَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا﴾ کہ تمہیں ''تبتّل''نصیب ہو۔ ماسوا سے کٹ جاؤ
اللہ سے جُڑ جاؤ۔ پھر اللہ کی نسبت سے مخلوق سے تعلق رکھو۔

اللہ کی محبت کے لیے دل کی صفائی ضروری ہے:

تو ذکر کو اس نکتے تک پہنچانا کہ دل ہر طرف سے کٹ جائے اور دل میں فقط اللہ رب العزت کی ذات کی محبت ہو، دل اللہ کی محبت سے لبریز ہو جائے۔ اور یہ دل محبت الٰہی سے اس وقت تک لبریز نہیں ہوتا جب تک نازیبا حرکتوں سے باز نہ آجائے۔
جب تک قلب نازیبا حرکتوں سے باز نہ آئے، اس میں انوار و تجلیات کو جذب کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ جب تک قلب نفسانی شیطانی شہوانی وساوس میں گھرا ہوا ہے، یہ اللہ سے دور ہے، دل کو سنوارنا پڑے گا۔

آپ کے پاس کوئی آدمی دودھ لینے کے لیے آئے، برتن نجس ہو، گندا ہو تو آپ کبھی دودھ نہیں ڈالیں گے، تو جس دل کے اندر گناہوں کی ظلمت ہو، نجاست ہو، اللہ اس دل میں اپنی پاک تجلیات کو کیسے ڈالیں گے؟ اس لیے فرمایا کہ دل کو صاف کرو! اب صاف کرنے کا طریقہ ﴿وَ اذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ﴾ ذکر کر اپنے رب کے نام کا۔

محبت پہچانی جاتی ہے:

ایک آدمی اگر بیمار ہو تو ایک نظر دیکھنے سے پتہ چل جاتا ہے کہ فلاں آدمی بیمار ہے۔ کیونکہ عام معمول سے اس کی حرکات سکنات ذرا جدا ہوتی ہیں۔ اسی طرح جس بندے کا دل محبتِ الٰہی میں رچ بس جائے ایک نظر کے دیکھنے سے پہچانا جاتا ہے۔
کہتے ہیں کہ عشق اور مشک یہ چھپے نہیں رہتے، اظہار چاہتے ہیں۔ تو جس بندے کے دل میں محبتِ الٰہی بھر جائے اس کے ماتھے پہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی، ایک نظر سے

پڑھا جاتا ہے۔ اسی لیے تو فرمایا کہ اللہ والوں کی پہچان کیا؟ حدیث پاک میں آیا ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ اِذَا رُؤُوْہُ ذُکِرَ اللّٰہَ﴾

''تم دیکھو تمہیں دیکھنے سے اللہ یاد آجائے''

محبت انسان کو تنہائی پسند بنادیتی ہے:

محبت کی یہ ایک صفت ہے کہ وہ بندے کو تنہائی پسند بنادیتی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ بس میں اکیلا رہوں، میں ہوں اور میرے محبوب کی یاد ہو، اسی کے تذکرے ہوں اسی کی باتیں ہوں اور میں اسی میں مگن رہوں۔ ع

یا تیرا تذکرہ کرے ہر شخص ورنہ پھر ہم سے گفتگو نہ کرے

اگر کوئی بات بھی کرے تو اللہ کی کرے ورنہ پھر ہمسے گفتگو ہی نہ ہو۔ تو محبت انسان کو تنہائی پسند بنادیتی ہے۔ آپ دنیا کی محبتوں کا اندازہ لگالیں کہ جن سے نفسانی تعلقات ہوتے ہیں لوگوں سے ہٹ کر ایک طرف گفتگو کرتے ہیں۔ او جی فون کر رہے ہیں، ایک ایک گھنٹہ باتیں ہورہی ہیں۔ تو محبت کی یہ صفت کہ وہ چاہتی ہے کہ محبّ اپنے محبوب کے ساتھ وقت گزارے۔ اللہ تعالیٰ بھی یہی چاہتے ہیں کہ میرے بندے! تم میرے ساتھ وقت گزارو۔ جس طرح اللہ رب العزت عملِ مشترک کو پسند نہیں فرماتے اسی طرح اللہ رب العزت قلبِ مشترک کو بھی پسند نہیں فرماتے۔ جس عمل میں شرک ہو ٹھکرا دیا جاتا ہے، تو جس قلب میں غیر کا کچھ حصہ ہو اس قلب کو بھی ٹھکرا دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ بندے! تیرا دل میرے لیے ہے، میں دلوں کا بیوپاری ہوں، میں تجھ سے تمہارا دل چاہتا ہوں تمہارا جسم جہاں مرضی رہے مجھے غرض نہیں، دل میرے پاس ہونا چاہیے۔ جبکہ دنیا کی محبتوں کا حال یہ کہ وہ چاہتے ہیں کہ دل تمہارا

جہاں رہے جسم میرے پاس ہونا چاہیے۔ یہ نفسانی محبتوں کا حال ہے۔ اللہ رب العزت چاہتے ہیں: میرے بندے! تم مسجد میں ہو، بازار میں ہو، گھر میں ہو، کاروبار میں ہو، جہاں بھی ہو، دل میرے پاس ہونا چاہیے۔

محبت کی جزائے معجّل:

تو تنہائی میں محبّ کو مزہ ملتا ہے کیونکہ اس کو محبوب کی یاد میں وقت گزارنا ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ رب العزت کی محبت کی جو جزا ہے، وہ دنیا میں بھی ملتی ہے۔ کیا جزا ملتی ہے؟ مناجات کی لذت نصیب ہو جاتی ہے۔ عمل کرنے والوں کے لیے لذتِ مناجات کے دروازے کھل جانا، اللہ کی طرف سے جزائے معجّل ہوا کرتی ہے۔ تہجد کو پڑھنے کو دل چاہے گا، لمبی دعا کرنے کو دل چاہے گا، لمبا مراقبہ کرنے کو، تلاوت کرنے کو دل چاہے گا۔ یہ عبادت کی جو لذت ہے یہ بھی اللہ کی طرف سے اس عمل کے اوپر نقد انعام ہے، جو نیک لوگوں کو اللہ اس دنیا میں عطا فرما دیتے ہیں۔ اسی لیے شیخ ابن عطاء اسکندری رحمۃ اللہ علیہ الحکم میں یہ بات لکھتے ہیں:

فَرِّغْ قَلْبَكَ مِنَ الْأَغْيَارِ يَمْلَأْهُ بِالْمَعَارِفِ وَالْأَسْرَارِ

”تم اپنے دل کو اغیار سے خالی کر دو اللہ اسے اپنے معارف اور اسرار سے لبریز فرما دے گا“

نماز ...... مومن کے لیے تخلیہ کا مقام:

تو محبّ کو محبوب کے سوا تو چین ہی نہیں آتا، اس کا دل ان لمحات کو تلاش کرتا ہے کہ جن میں وہ اللہ رب العزت کے ساتھ اپنا وقت گزارے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کیا فرماتے تھے؟

اَرِحْنِیْ یَا بِلَال "بلال! میری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاؤ!"

اذان دو اور نماز پڑھنے کا وقت ہو تو میری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچے۔ اس لیے فرمایا کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے کہ وہ محبوب سے ملاقات کا وقت ہے۔ اللہ رب العزت نے مؤمن کو اس دنیا میں اپنے دیدار کا تصور باندھنے کا حکم دیا کہ تم اس دنیا میں Visiolise (تصور) کرو کہ میرا محبوب کیسا ہوگا؟

((اَنْ تَعبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرٰہُ))

اور اس طرح عبادت کرو! جیسے تم دیکھتے ہو

آج جہاں محبت کے تعلقات ہوتے ہیں تو ان لمحوں کو بیٹھ کے سوچتے ہیں جو قربت میں گزرے۔ ماں کا بیٹا دور ہو تو ماں اپنے بیٹے کو تصور میں سامنے لاتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے مؤمن کو دنیا میں یہ پراجیکٹ دیا، تمہیں میرا جو دیدار نصیب ہوگا، اس کا تصور دل میں باندھو کہ وہ کیسا ہوگا؟ اسی کا نام نماز ہے۔ پوری نماز کے اندر انسان اللہ کا دھیان لے کر کھڑا ہوتا ہے۔ تو پھر جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ رب العزت اپنی پنڈلی کی تجلی فرمائیں گے۔

﴿یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ﴾

وجہ کیا؟ کہ جہاں ادب ہوتا ہے وہاں آنکھیں نہیں اٹھتیں۔ تو قیامت کے دن اگر شروع ہی میں اگر چہرے کا دیدار کرواتے تو ادب والے بندے کے لیے مشکل تھا چہرے کی طرف نگاہیں اٹھانا۔ تو قیامت کے میدان میں چونکہ نظر بر قدم ہوتا ہے۔ خوف کی وجہ سے پاؤں پر نظر ہوتی ہے تو پنڈلی قریب ہوتی ہے۔ فرمایا: ہم پنڈلی سے نور دکھائیں گے اور جب انسان اس کو بھی برداشت کر جائے گا پھر فرمایا کہ جب تم جنت میں آؤ گے تو ہم تمہیں اپنے چہرے کا دیدار عطا فرمائیں گے۔ اس کے لیے محنت

اس دنیا میں کرنی پڑتی ہے۔اس لیے فرمایا:

اَلْعَارِفُ لَا یَزُوْلُ اِضْطِرَارُہٗ وَلَا یَکُوْنُ مَعَ غَیْرِ اللّٰہِ قَرَارُہٗ

''مؤمن کو غیر کے ساتھ قرار نہیں ملتا اور مؤمن کا اضطرار ختم نہیں ہوتا''

ایک شوق ہوتا ہے، ایک لگن ہوتی ہے، دل میں لگی ہوئی۔ کبھی نماز میں، کبھی تلاوت میں، کبھی رکوع اور سجود میں، اللہ کے ساتھ انسان مشغول ہوتا ہے۔ اپنا وقت گزار رہا ہوتا ہے۔ تو اللہ رب العزت کی محبت پانے کے لیے انسان کو دنیا سے بے نیاز ہونا پڑتا ہے۔ اس سے کیا مراد؟ نوکری چھوڑنی پڑتی ہے؟ نہیں! کاروبار چھوڑنا پڑتا ہے؟ نہیں! جو لذاتِ دنیا اور خواہشاتِ دنیا ہیں ان کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ وہ اچھے کپڑے بھی پہنتا ہے، اچھے کھانے بھی کھاتا ہے، اچھے گھروں میں رہتا ہے مگر دل کٹا ہوا ہوتا ہے۔ وہ ہر چیز کے اندر رہتے ہوئے ایک اجنبی ہوتا ہے۔ تو ہوسِ دنیا کا دل سے نکل جانا یہ اللہ رب العزت کی محبت حاصل ہونے کی شرط ہے۔

شاہی میں فقیری:

آپ غور کریں کہ دنیا میں کتنے بادشاہ ایسے گذرے ہیں کہ عین بادشاہی میں انہوں نے فقیری کی۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا سکہ مشرق سے مغرب تک چلتا تھا۔ نام سن کر لوگ کانپتے تھے، ایسا انصاف انہوں قائم کیا تھا۔ کافروں کے دل پر ان کا دبدبہ بیٹھا ہوا تھا، اور ان کی ذاتی زندگی کو دیکھو تو آپ کو فقیری نظر آئے گی۔ سادہ کھانا سادہ لباس اور رات کا سونا تو تھا ہی نہیں۔ ساری رات اللہ کی عبادت میں رہتے تھے، فرماتے تھے کہ میں نے اپنا دن مخلوق کی خدمت کے لیے وقف کر دیا اور رات کو اپنے پروردگار کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ عین بادشاہی میں فقیری کی۔

سلطان التمش کی زندگی کو دیکھیں، اورنگ زیب عالمگیر کی زندگی کو دیکھیں کہ

بادشاہ بھی تھے مگر نجی زندگی کو دیکھیں تو فقیری نظر آئے گی۔ اورنگ زیب سادہ لباس پہنتے، سادہ کھانا کھاتے مگر بادشاہ بھی تھے۔ انصاف ایسا کہ لوگ مانتے تھے کہ انصاف کو قائم کر دیا مگر بادشاہی میں فقیری کی۔ تو اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتے کہ تم دنیا سے چلے جاؤ غار کی طرف۔ نہیں! جہاں ہو ادھر ہی رہو مگر تمہارا دل دنیا سے کٹ جائے، اللہ رب العزت سے جڑ جائے۔

معرفت کا صدقہ:

طلبا کے لیے ایک علمی نکتہ، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ﴾

''صدقات فقیروں کا حق ہے''

اور یہ جو اللہ رب العزت بندے کو اپنی معرفت دیتے ہیں، اپنی محبت دیتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صدقہ ہوتا ہے، عطا ہوتی ہے اللہ کی طرف سے۔ تو یہ عطا کس کو ملتی ہے؟ کیا بادشاہوں کو ملتی ہے؟ نہیں! بلکہ فرمایا:

﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ﴾

فقراء کو ملتی ہے۔ تو اللہ کی تلاش میں بندے کو لگنا ہی پڑتا ہے چاہے جو بھی ہو۔ اس لیے فرمایا:

اِنْ اَرَدْتَ وُرُوْدَ الْمَوَاهِبِ عَلَيْكَ صَحِّحِ الْفَقْرَ وَ الْفَاقَةَ لَدَيْكَ

''اگر تم چاہتے ہو تمہارے اوپر میرے معارف اتریں تو تمہیں چاہیے کہ اللہ کے سامنے اپنے فقر اور فاقہ کو درست کر لو۔''

اس لیے کہ

﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ﴾

کہ یہ نعمتیں فقرا کو ملا کرتیں ہیں۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خلوت میں وقت گزارنا:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک زندگی کو دیکھیے۔ اظہارِ نبوت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہائی پسند تھی۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں:

اَوَّلُ مَا بُدِءَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ

کہ وحی کے اترنے سے پہلے نبی علیہ السلام کو چھ مہینے سچے خواب آیا کرتے تھے۔

فَكَانَ لَا يَرٰى رُؤيَا اِلَّا جَائَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ ثُمَّ حُبِّبَ اِلَيْهِ الْخَلَاءُ وَ كَانَ يَخْلُوا بغارِ حِرَاءٍ فَيَتَحَنَّثُ فِيْهِ وَ هُوَ التَّعَبُّدُ

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہائی اچھی لگنے لگی اور نبی علیہ السلام پھر غار حرا جاتے تھے تنہائی کے لیے اور عبادت کیا کرتے تھے۔

وہاں پر جا کر اللہ کی عبادت میں اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جاتے۔ نماز تو تھی نہیں قرآن تو تھا نہیں تو غار حرا میں کیا کرتے تھے؟ اللہ کی یاد تھی، اللہ کی یاد میں لو لگا کر بیٹھتے تھے، اللہ کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھتے تھے۔ تو آج باقی سنتوں پر جو عمل کرتے ہیں تو اس سنت پر عمل نہیں کرنا ہوتا کہ ہماری زندگی میں بھی ایسا وقت ہو کہ ہم ہوں اور ہمارا رب ہو؟ بھلے محل نما گھر کے اندر آپ مصلے پر بیٹھیں اور دل اللہ کی طرف سے جوڑ دیں تو اللہ کو آپ کی وہی تنہائی پسند ہو گی۔

اللہ تعالیٰ کا دو بندوں پر فخر:

اس لیے تو حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دو بندوں پر فخر کرتے ہیں

فرشتوں کے سامنے خوشی کا اظہار فرماتے ہیں۔ایک وہ شخص کہ خوبصورت جوان بیوی موجود ہے اور اس کے باوجود وہ آدمی تہجد کے لیے مصلے پر کھڑا ہو جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرماتے ہیں کہ دیکھو! اگر یہ چاہتا تو اپنی بیوی کے ساتھ وقت گزار سکتا تھا، اس کو میری محبت نے مصلے کے اوپر کھڑے ہونے کے لیے مجبور کر دیا۔تو معلوم ہوا کہ انسان جب اللہ کی محبت میں کچھ کرتا ہے اللہ اس کو پسند فرماتے ہیں۔

اور دوسرا وہ کہ مسافروں کا قافلہ تھا، ساری رات سفر کرتے رہے اور تھکے ہوئے تھے، اور منزل پر پہنچے تو سب سو گئے۔ان میں سے ایک نے وضوء کیا اور مصلے پر کھڑا ہو گیا۔اللہ فرشتوں کو دکھاتے ہیں کہ میرے بندے کو دیکھو! اس کو میری محبت نے کھڑا کر دیا۔تو جب انسان اللہ کی محبت میں کچھ بڑھ کر قدم اٹھاتا ہے، اللہ رب العزت قبولیت فرماتے ہیں۔

اعتکاف......تخلیہ کی ایک مشق:

تو نبوت سے پہلے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ وقت تنہائی میں گزرتا تھا۔پھر نبوت کے بعد کی جو زندگی تھی اس میں بھی اسی طرح۔ رمضان شریف کا اعتکاف فرماتے تھے۔ اعتکاف میں اسی تخلیہ، اسی تنہائی کی مشق کروائی جاتے ہے کہ تم اپنے گھروں سے چلے جاؤ اور رشتہ داروں کو بھی چھوڑ دو اور مسجد میں جا کر رہو۔اور یہ نہیں کہ تم مسجد میں بیٹھ کر گپیں لگاؤ نہیں! مسجد میں بھی تنہائی ہو۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعتکاف کے لیے مسجد میں خیمہ لگایا، مسجد میں خیمے لگانے کا کیا مطلب؟ مقصد یہ کہ ظاہر میں بھی لوگ نظر کے سامنے نہ رہیں، علیحدگی ہو، یکسوئی ہو۔احادیث میں آتا ہے کہ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شب قدر کی تلاش میں دوسرے عشرے میں اعتکاف فرمایا؟

اور جب عشرہ ختم ہوا تو نبی علیہ السلام نے خیمے سے اپنا سر مبارک باہر نکال کے فرمایا کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ اب یہ شبِ قدر تیسرے عشرے میں ہوگی۔ لہٰذا میں نے اپنے اعتکاف کو دس دن کے لیے بڑھا دیا، تم بھی اپنے اعتکاف کو دس دن کے لیے زیادہ کر دو۔ تو مسجد کے اندر خیمے کے اندر رہنے کا کیا مقصد ہے؟ تنہائی اختیار کرنا مقصد ہے۔

خلوت کا محبت سے تعلق:

اس تنہائی کا محبت کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اسی لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بعض اوقات اس قدر اللہ رب العزت کی طرف متوجہ ہوتے تھے کہ ظاہر کی طرف دھیان ہی نہیں ہوتا تھا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام ہمارے ساتھ بیٹھے ہوتے تھے، باتیں کر رہے ہوتے تھے، جیسے ہی کان میں اللہ اکبر کی آواز پڑتی تھی، ایسے کھڑے ہو جاتے تھے نماز کے لیے جیسے کسی کو پہچانتے ہی نہیں۔ اور ایک مرتبہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اس خاص کیفیت میں تھے تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے آئی تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنْ اَنْتَ تم کون ہو؟

یہ بھی نہیں کہا: مَنْ اَنْتِ بلکہ فرمایا: مَنْ اَنْتَ

فرمایا: عَائِشَة

فرمایا: مَنْ عَائِشَةُ ''عائشہ کون ہے؟''

فرمایا: ابوبکرؓ کی بیٹی

فرمایا: مَنْ أَبُوْ بَكْرٍ ابوبکر کون ہے؟

فرماتی ہیں کہ جب نبی علیہ السلام نے یہ بات کہی کہ ابوبکر کون؟ تو میں پہچان گئی کہ اب اس وقت میں کسی کی طرف دھیان نہ رہا۔ اس لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ))

''میرا اللہ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہوتا ہے''

اس وقت میں کوئی نبی مرسل اور ملائک بھی اس کے اندر دخل اندازی نہیں کر سکتے۔تو ہمارا بھی تو اللہ کے ساتھ کچھ وقت ہونا چاہیے نا اس لیے تو فرمایا:

﴿فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَ اِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾

''جب آپ اپنے منصب سے فارغ ہوں تو اللہ کی طرف رغبت اختیار کیجیے''

اللہ کی طرف رجوع کیجیے۔تو علم پڑھانے والے، دعوت وتبلیغ میں کام کرنے والے، جو دین کے کام میں کسی شعبے میں لگے ہوئے ہیں، جب اپنے شعبے کے کام سے کچھ فارغ ہوں تو کیا کرنا پڑے گا؟ ﴿وَ اِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾ اللہ سے لو لگانی پڑے گی۔ یہ وقت تو گزارنا ہی پڑے گا۔اس وقت کو گزارے بغیر انسان کے دل میں اللہ کی محبت جڑ نہیں پکڑ سکتی۔

اعتکاف کا بنیادی مقصد:

چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اعتکاف فرماتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مسجد میں چارپائی بچھائی جاتی تھی بلکہ آج بھی اس جگہ پر ایک ستون ہے اور اس کا نام ہے''استوانۂ سریر'' سریر چارپائی کو کہتے ہیں کہ جہاں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چارپائی ہوتی تھی، خیمہ لگا ہوتا تھا۔اس جگہ پر نشان بنا ہوا ہے۔تو اعتکاف کا بنیادی مقصد اللہ رب العزت کے ساتھ خلوت کی گھڑیاں گزارنا ہے۔مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا ویسے ہی منع ہے، مکروہ ہے۔اور اعتکاف کی حالت میں اور بھی منع کر دیا۔بس تم اپنی عبادات میں لگے رہو، ماسوا سے کٹو! اللہ سے جڑو! اس کی مشق حاصل کرو۔

اکابر کا خلوت کو اختیار کرنا:

ہمارے اکابر کی زندگیوں کو دیکھیں ان میں خلوت اختیار کرنے کا معمول ضرور نظر آئے گا۔ چنانچہ ان کی جگہوں کا اگر آپ مشاہدہ کریں۔

◉ ......بخارا میں خواجہ بہاؤالدین نقشبند بخارا کی خانقاہ ہے ''قصرِ عارفاں''۔ اس میں چھوٹے چھوٹے کمرے ہوتے تھے مصلے کے برابر، بس ایک مصلے کی جگہ ایک بندے کے لیے ہوتی تھی۔ اسی پر عبادت ہوتی تھی اور اسی کے لیٹ جاتے اور سو جاتے تھے، چھوٹی سی جگہ ہوتی تھی۔

◉ ......اکابر علمائے دیوبند کے معلومات ذرا پڑھ کر دیکھ لیجیے۔ چھتہ مسجد چھوٹی سی مسجد ہے، اس کے بھی دائیں اور بائیں دو چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں، ایک حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا، ایک میاں عابد رحمۃ اللہ علیہ کا۔

◉ ......تھانہ بھون میں دیکھیں! حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا چھوٹا سا کمرہ ہے۔ کیوں یہ کمرے بنے ہوئے تھے؟ س لیے کہ خلوت میں اللہ رب العزت کے ساتھ بیٹھ کر وقت گزارا جائے۔ یہ مؤمن کے دل میں اللہ رب العزت کی محبت کو پکڑ لیتا ہے۔

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں خاموشی کی تعلیم:

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں تو آنے والوں کو تو بالکل انقطاع کروا دیا جاتا تھا۔ بلکہ اس کو کہا جاتا تھا چلۂ خاموشی۔ علما آتے تھے خطبا آتے تھے، حضرت فرماتے تھے کہ بھئی! تم نے چالیس دن کسی سے بات ہی نہیں کرنی، صرف السلام وعلیکم کا جواب وعلیکم السلام دے سکتے ہو فقط، اس کے سوا کوئی لفظ نہیں بول

سکتے۔

حضرت مجذوب رحمۃ اللہ علیہ آئے تو وہ تو بڑے شاعر تھے، ان کو بھی فرمایا کہ بھئی! تم اپنا وقت اب ایسے گزارو! اب ہر بندہ ان سے بات کرتا کیونکہ وہ تو پبلک فگر تھے، ہر بندہ ان سے پوچھتا۔ تو انہوں نے ایک بڑے گتے کے اوپر لکھ لیا خاموش! اور اپنے گلے میں ڈال لیا۔ جو بات کرنا چاہتا، اس کی طرف اشارہ کر دیتے تھے، سلام کے سوا کسی لفظ کا جواب نہیں دیتے تھے۔

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک بڑے عالم آئے اور حضرت سے ملے تو حضرت نے شروع میں ہی کہہ دیا کہ تم نے جتنا وقت خانقاہ میں گزارنا ہے کسی سے بات نہیں کرنی۔ ایک مہینہ تک وہ اشاروں سے جواب دیتے رہے، لوگ انہیں گونگا سمجھتے رہے۔ جب ایک مہینہ کے اندر رنگ چڑھ گیا، اب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن فرمایا کہ درس قرآن دو تو جس دن درس قرآن دیا تب لوگوں کو پتہ چلا کہ یہ گونگے نہیں تھے یہ تو فصیح اللسان تھے۔

یہ خاموش رہنے کی دعوت کیوں دی جاتی تھی؟ اس لیے کہ ہماری زندگی ہر وقت غفلت میں ہوتی ہے، الا ماشاء اللہ۔ اب اس غفلت سے نجات پانے کے لیے یہ تخلیہ کی تعلیم دینا ضروری ہے کہ کچھ وقت تخلیہ میں گزارو، کچھ مزہ آئے خلوت کا۔ پھر ایسا لطف آئے گا کہ خلوت در انجمن...... مجلس میں بھی بیٹھ کر بھی تم خلوت کے ہی مزے لو گے۔

حضرۃ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مولانا صاحب کو خلوت کی تعلیم:

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید تھے، بڑے عالم تھے، حکیم تھے، مکہ مکرمہ میں رہتے تھے، حدیث پاک پڑھاتے تھے۔ جب حضرۃ حاجی

صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہجرت فرمائی تو وہ حضرت کی خدمت میں رہتے اور حرم کے اندر وقت گزرتا۔ دو سال انہوں نے شیخ کی خدمت میں حرم میں وقت گزارا۔ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ بھئی! تمہارے اوپر رنگ نہیں چڑھ رہا۔ دیکھو! حرم کے انوارات، شیخ کی صحبت اور دو سال کا وقت اس کے باوجود حضرت فرماتے ہیں کہ تمہارے اوپر رنگ نہیں چڑھ رہا۔ انہوں نے کہا کہ حضرت پھر میں کیا کروں؟ فرمانے لگے کہ تم گنگوہ چلے جاؤ۔ اب عام آدمی بات سنے تو حیران ہی ہو جائے کہ حرم میں وقت گزارنے والا بندہ، وہاں پر درسِ حدیث دینے والا بندہ، اس کو فرماتے ہیں گنگوہ چلے جاؤ۔ لیکن وہ تو ایسے تھے جیسے ''كَالْمَيِّتِ بَيْنَ يَدِ الْغَسَّالِ'' وہ تو ایسے جیسے غسل دینے والے کے ہاتھ میں کوئی مردہ ہوتا ہے۔ انہوں نے کوئی آئیں بائیں شائیں نہیں کی۔ فوراً تیاری کی اور گنگوہ آ گئے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو کہا کہ مجھے حاجی صاحب نے یہ فرمایا ہے کہ تم نے دو سال حرم میں میرے ساتھ گزارے ہیں رنگ نہیں چڑھ رہا، گنگوہ چلے جاؤ۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے سارے حالات معلوم کر کے کہا کہ بس میں آپ کو دو باتیں کہتا ہوں: ایک تو درس حدیث بند کر دو اور دوسرا نسخہ لکھنا بند کر دو۔ اب عام آدمی سنے تو حیران ہی ہو جائے کہ یہ کیسے لوگ ہیں کہ درسِ حدیث بند کرواتے ہیں، مگر اس میں بھی حکمت تھی۔ چنانچہ انہوں نے درسِ حدیث بھی بند کر دیا اور نسخہ لکھنا بھی بند کر دیا۔ ایک مہینہ ہٹ کٹ کر گزارا اس ایک مہینے میں رنگ چڑھ گیا۔ اب حکمت کیا تھی؟ یہ دو باتیں تو حضرت حاجی صاحب ان کو مکہ مکرمہ میں ہی کہہ سکتے تھے مگر

فِعْلُ الْحَكِيمِ لَا يَخْلُوْ عَنِ الْحِكْمَةِ

''دانا کا کام دانائی سے خالی نہیں ہوتا''

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اگر ان کو حدیث کے درس سے منع کرتے تو ان کے ذہن میں اشکال رہ جاتا: ''خود تو حدیث کا درس دیتے نہیں ہمیں بھی منع کر دیا، قدر جو نہیں ہے۔'' شیطان ان کے ذہن میں یہ خدشہ باقی رکھتا ہے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حدیث کا درس بھی دیتے تھے، نسخے بھی لکھتے تھے۔ تو ان کا ان کو منع کرنے سے ان کو یہ وسوسہ نہ گزرتا۔ اب ان کے ذہن یکسوئی ہوگئی کہ جو خود حدیث کا درس دیتے ہیں، جب وہ مجھے منع کر رہے ہیں تو کوئی وجہ ہوگی۔ اسی لیے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو تھانہ بھون بھیجا۔ بس ایک مہینہ انہوں نے ہر طرف سے ہٹ کٹ کر گزارا اور اس کے بعد ان کا دل اللہ کی طرف متوجہ ہو گیا اور وہاں سے وہ مکہ مکرمہ گئے۔ اب شیخ کی چند دن کی صحبت نے ان کے دل کو اللہ کے رنگ میں رنگ دیا۔ تو کچھ نہ کچھ وقت اس طرح گزارنا پڑتا ہے کہ انسان اپنے اللہ رب العزت کے ساتھ تنہائی میں رہے۔

شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مرید کو یکسوئی کی تعلیم:

شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ تشریف فرما تھے تو ایک صاحب بیٹھے ذکر کر رہے تھے۔ حضرت کو اللہ نے بڑا کشف دیا تھا، حضرت نے ایک سالک کو بلایا یہ دو روپے لے جاؤ اور اس ذاکر کو دے دو! وہ لے گیا اور اس نے دو روپے ذاکر کو دے دیے۔ وہ بڑا حیران کہ واقعی خرچے کی تنگی تھی اور ذکر کے دوران مجھے یہ خیال ستا رہا تھا کہ تیرے پاس خرچہ نہیں ہے کیا کرے گا؟ کیسے گھر جائے گا؟ بیوی کو کیسے خرچہ دے گا؟ تو ذکر کے دوران یہ خیال میرے ذکر کے اندر رکاوٹ ڈال رہا تھا تو شیخ نے دو روپے دے دیے کہ بھئی! تم یہ لے لو اور تم یکسوئی سے بیٹھ کر ذکر کرو۔

اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی:

آج ہمارے اندر سب سے بڑی کوتاہی یہی ہے کہ ہم ذکر تو کرتے ہیں لیکن کئی مرتبہ دماغ الجھا ہوا ہوتا ہے، کہیں مدرسہ میں، کہیں مسجد میں، کہیں فلاں بندے کی بات، کہیں فلاں شاگرد کی بات۔ جو دماغ پہلے سے اکو پائیڈ (بھرا ہوا) ہو خالی ہی نہ ہو تو اس میں کیسے اللہ کی طرف سے نور آئے گا؟ اس دماغ کو خالی کرنا پڑے گا ہر طرف سے۔

اس لیے حضرت مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شعر کہا تھا، جس پر حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جیسی محتاط شخصیت نے یہ فرمایا کہ اگر میں صاحبِ استطاعت ہوتا تو میں ایک لاکھ روپیہ انعام دیتا اور وہ شعر تھا:

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

یہ دل میں خلوت پیدا کرنی پڑتی ہے، تب اللہ رب العزت تشریف لاتے ہیں۔ ان کی محبت دل کے اندر بھر آجاتی ہے۔

قلبی خلوت کے لیے ظاہری خلوت کی ضرورت:

اس خلوت کو پیدا کرنے کے لیے ظاہر میں بھی خلوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ آج اگر آپ زندگیوں کو دیکھیں، پوچھا جائے کہ بھئی! معمولات کرتے ہیں۔ حضرت! وقت نہیں ملتا، جس سالک کو معمولات کرنے کا وقت ہی نہ ملے، وہ اللہ رب العزت کی طرف سے معارف اور اسرار کے ملنے کا کیسے حق دار بن سکتا ہے۔

اعتکاف میں خلوت کی تعلیم:

تو اعتکاف میں مسجد میں رہ کر ہٹ کٹ کر زندگی گزارنے کی تعلیم دی گئی۔

ایک مرتبہ کچھ لوگ چھتہ کی مسجد میں اعتکاف میں تھے مگر آپس میں بات چیت بھی چلتی تھی تذکرۂ حالات بھی چلتا تھا۔ انہوں نے خواب دیکھا کہ بہت سارے سانپ اور بچھو ہیں وہ ان جگہوں سے نکل رہے ہیں، جہاں وہ اعتکاف پہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ تو انہوں نے مفتی محمود گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حضرت! اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟ تو اللہ رب العزت نے ان کو خواب کی تعبیر میں خوب ملکہ دیا تھا، ایسے لگتا تھا جیسے ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی بیٹے وہی ہوں۔ تو حضرت نے خواب سن کر کہا کہ ہاں یہ خواب تمہارے حالات کے مطابق ہے کہ تم جو دنیا کی باتیں مسجد میں بیٹھ کر کرتے ہو، آپس کے تذکرے کرتے ہو، یہ خواب تمہیں بتا رہا ہے کہ وہ سانپ اور بچھو ہیں جو تمہاری جگہوں سے نکل نکل کر جا رہے ہیں۔ تو وہ معتکفین کوئی دنیا کی باتیں نہیں کرتے تھے، وہ جانتے تھے کہ دنیا کی باتیں مسجد میں کرنیں منع ہیں۔ وہ حال احوال ہی کرتے تھے تو مسجد کے تخلیہ میں حال احوال سے بھی منع ہیں کہ تم ایک مرتبہ کٹو ہر چیز سے۔ ہم یہ کٹنے کی محنت نہیں کرتے تو جڑنے کی محنت کیسے ہو گی؟ جو جس شغل میں لگا ہوا ہے وہ کہتا کہ جی وقت ہی نہیں ہے میرے پاس، جب تک کٹیں گے نہیں تب تک جڑیں گے نہیں۔ اس لیے تبتل کا لفظ فرمایا کہ تم ہر طرف سے کٹو اللہ سے جڑو۔

دیوانوں کا اللہ کی محبت میں حال:

خانقاہ فضلیہ مسکین پور شریف میں بسا اوقات دو سو سے تین سو تک لوگ ہوا کرتے تھے، جو اللہ اللہ سیکھنے آتے تھے۔ سب اپنے کام میں لگے ہوئے اور پھر ایسا

محبتِ الٰہی کا جذبہ انہیں ملتا تھا کہ مسجد کے برآمدے میں سوئے ہوتے تھے تو ذرا آنکھ لگتی تھی تو ایک سالک کے اوپر جو جذبہ ہوتا تو یہ کہنا شروع کر دیتا: اللہ...... اللہ...... اللہ...... سب کی آنکھ کھل جاتی۔ جب اس کی طبیعت بحال ہوتی، ذرا آرام ہوتا، لوگ پھر سونے لگتے، تو پھر کسی دوسرے پر جذبہ طاری ہو جاتا۔ ساری رات اسی طرح گزر جاتی۔ تو وقت ایسے گزرتا تھا۔

لیکن دل میں اللہ کی محبت بھری تھی۔ حال یہ ہو گیا تھا ان لوگوں کا کہ دو بوڑھے مسجد کے اندر بیٹھے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ الجھ رہے ہیں، ایک بوڑھا دوسرے کا گریبان پکڑ کے کھینچتا ہے وہ اس کا گریبان پکڑ کے کھینچتا تو دیکھنے والے بڑے حیران کہ یہ لوگ نیک لوگ ہیں متقی پرہیزگار ہیں اور مسجد کے اندر بیٹھے ہیں اور ایک دوسرے سے الجھ رہے ہیں تو وہ ذرا قریب ہوا کہ مسئلہ کیا ہے؟ تو پتہ چلا کہ ان دونوں میں کوئی بات ہو رہی تھی۔ دراصل ان میں سے کسی ایک نے کہہ دیا تھا کہ ''اللہ میڈا اے'' اللہ میرا ہے، اب دوسرے کے لیے اس بات کو ڈائجسٹ (ہضم) کرنا مشکل ہو گیا۔ وہ اس کا گریبان پکڑ کر کہتا کہ ''نہیں اللہ میڈا اے'' وہ اس کا گریبان پکڑ کے جھنجوڑتا ہے اور کہتا کہ ''اللہ میڈا ہے'' کیا محبت ان کے دلوں میں ہو گی! اللہ اکبر۔ ایسا وقت گزرے نا کہ جس میں انسان کی آرزوئیں ختم ہو جائیں ایک اللہ کی محبت کا حاصل کرنا، اس کی آرزو بن جائے۔

تیری دعا سے تو قضا بدل نہیں سکتی
مگر اس سے ہے ممکن کہ تو بدل جائے
تیری دعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری
میری دعا ہے کہ تیری آرزو بدل جائے

آج ہماری آرزوئیں دنیا کی ہیں، کاش کہ یہ آرزو ایک ہو کہ مجھے اللہ مل جائے۔

شیطانی حملوں کی ترتیب

چنانچہ انسان جب بھی اس راستے پر چلتا ہے تو شیطان بدبخت اس کو راستے سے ہٹانے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ شیطان کے حملوں کی ترتیب ہے کہ یہ پہلے کون سا گر آزماتا ہے؟ پھر کون سا گر آزماتا ہے؟ پھر تیسرا کون سا آزماتا ہے؟ اللہ ہمارے مشائخ کو جزائے خیر دے کہ جنہوں نے پہلے ہی بتا دیا، کھول کر شیطان کے حملوں کے بارے میں۔

شیطان کا پہلا حملہ...... گناہ کروانا:

چنانچہ شیطان سب سے پہلا حملہ کیا کرواتا ہے کہ بندے سے گناہ کرواتا ہے۔
ایک نکتہ یاد رکھیں کہ گناہ کرنے میں:

نفس کا مقصد لذت حاصل کرنا۔

شیطان کا مقصد انسان کو دین سے ہٹا دینا۔

مقاصد مختلف ہیں نفس کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ لذت لینا، اس کو جائز لذتیں ملیں تو بھی وہ خوش ہے ہاں جائز سے زیادہ چاہے تو ناجائز کی طرف جائے گا، مگر نفس کو لذت سے کام ہے۔ شیطان لذتیں نہیں لیتا وہ لذتیں دلواتا ہے بندے کو دین سے خارج کرنے کے لیے۔

◎ گناہ کروانا اس کو جائز بنا کر:

چنانچہ شیطان گناہ کرواتا ہے اس کو جائز بنا کر، او جی سبھی کرتے ہیں، او جی! اس کے بغیر تو گزارا ہی نہیں۔ تو گناہ بھی کیا لیکن اگر جائز بنا کر کیا تو دین سے نکل گیا۔ اس

لیے گناہ کرنے والا گناہ کو گناہ تو سمجھے۔ اور طلبا کے لیے خاص طور پر یہ بہت بڑا ٹریک ہے کہ شیطان گناہ بھی کروائے گا اور لا جک بھی دلوائے گا کہ یہ جائز ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنا واقعہ لکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں طالب علم تھا تو میں میلہ دیکھنے کے لیے گیا۔ واپس آیا تو مجھے ڈر تھا کہ مجھے استاد ڈانٹ پلائیں گے۔ انہوں نے پوچھا کہ کہاں گئے تھے؟ تو میں نے کہا کہ میلہ دیکھنے گیا تھا۔ کیوں گئے تھے؟ اس لیے کہ اگر کوئی مسئلہ پوچھے گا تو مجھے پتہ ہو کہ میلے میں کیا ہوتا ہے۔ دیکھا! گناہ کروایا جائز بنا کر۔ تو شیطان کا مقصد لذتیں نہیں ہوتیں، وہ لذتوں میں پھنساتا ہے، اس طریقہ سے کہ وہ انہیں جائز سمجھے تاکہ بندہ دین سے ہی محروم ہو جائے۔ اس کا مقصد ایک ہی ہے کہ بندے کو بے دین بنانا، اللہ کی بندگی سے نکالنا، ایمان سے محروم کرنا۔

اور آج کل کے دور میں تو شیطان نے گناہوں کو جائز بنانے کے لیے نام ہی بدلوا دیے یہ اچھا طریقہ ہے تاکہ گناہ کی نفرت ہی نہ رہے دل میں۔

☆..... چنانچہ غیبت کے گناہ کو آج کے دور میں بنا دیا گپ شپ۔ جب منع کریں نا بھئی! غیبت نہ کرو۔ وہ جی ہم تو ویسے ہی گپ شپ لگا رہے تھے۔ اس لیے کہ پتہ ہے کہ غیبت کا نام ہوگا تو پھر دل کے اندر گناہ سے کراہت تو ہوگی۔ جب نام ہی گپ شپ لگا دیا تو کراہت بھی ختم۔

☆..... آج کے دور میں شیطان نے جھوٹ کا نام بہانہ رکھ دیا۔

جھوٹ کے نام سے تو نفرت ہونی تھی بہانے سے وہ نفرت نہیں رہے گی، او جی میں نے بہانہ کر دیا۔ بھئی! بہانہ کا مطلب تو جھوٹ ہے۔

☆..... فسق و فجور کا نام آج کے دور میں روشن خیالی۔

بھئی بدحالی کا نام کوئی روشن خیالی رکھ سکتا ہے؟ ایسے ایسے الفاظ دے دیے کہ جھوٹ کی نفرت نکل جائے۔

☆......سود ہے او جی میں نے نفع کا کھاتا کھولا ہوا ہے۔ منافع کا کھاتا تاکہ جھوٹ سے نفرت ہی ختم ہو جائے۔

☆......رسم و رواج، یہ جی ہماری ثقافت ہے۔

یہ جو خوبصورت نام شیطان نے عام کر دیے ان کا مقصد کیا تھا کہ جو اصل گناہ ہے اس کی نفرت دل سے نکل جائے۔

تو سب سے پہلا وار شیطان گناہ کرواتا ہے جائز بنا کر۔

⊙ گناہ کروانا اسے ہلکا بنا کر:

شیطان گناہ کرواتا ہے، گناہ کو ہلکا بنا کر کہ یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے۔ او جی سبھی ایسے کرتے ہیں۔ آج کل تو کوئی بچ ہی نہیں سکتا یعنی گناہ تو کیا اور اگر جائز نہیں سمجھا تو اس کو ہلکا کروا دیا کہ چھوٹی سی بات ہے۔

☆ کبھی کہے گا کہ بس ایک دفعہ، ہے گناہ کی بات، مگر کروانے کے لیے ذہن میں کیا بات ڈال رہا ہے؟ بس ایک دفعہ، بس آخری دفعہ۔ تاکہ اب تو تم کرو نا پھر تم ایسے پھنسو گے کہ میں ہر دفعہ آخری دفعہ کرواتا رہوں گا۔

☆ اور کبھی ذہن میں آتا ہے کہ کسی کو تو اللہ نے معاف کرنا ہی ہے نا۔ بھئی! اگر کسی کو اللہ نے معاف کرنا ہے تو کسی کو جہنم میں بھی تو ڈالنا ہے۔ یہ کیوں نہیں سوچتے؟

☆ بعض کہتے ہیں: او جی آدم علیہ السلام سے بھی تو بھول ہو گئی تھی۔ بھئی! آدم علیہ السلام سے بھول ہوئی تھی، اللہ رب العزت نے قرآن میں گواہی دی:

﴿ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴾

''ہم نے اُن کے اندر نافرمانی کا ارادہ نہیں پایا تھا''

تو معاملہ نافرمانی کے ارادے سے نہیں ہوا تھا، بھول ہوگئی تھی۔ ہم جو گناہ کررہے ہوتے ہیں ہم تو نافرمانی سمجھنے کے باوجود کررہے ہوتے ہیں۔ یہ تو صورت حال ہی مختلف ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جس گناہ کو انسان معمولی سمجھتا ہے، اللہ کی نظر میں وہی بڑا ہوا کرتا ہے۔اس لیے پھر انسان گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور اسے احساس بھی نہیں ہوتا۔

قلب کی موت کی دو نشانیاں:

یاد رکھیں کہ انسان کے دل کی جب موت ہوتی ہے تو اس کی علامات ہوتی ہیں۔ یہ ڈاکٹر لوگ جو ہیں نا ان کے سامنے کی بندے کی موت واقع ہو تو ان کو Symptoms (علامات) سے پتہ چل جاتا ہے کہ اب یہ Fatal Symptoms (علاماتِ موت) نظر آرہی ہیں، ہے اب یہ بندہ نہیں بچتا۔ پتہ چل جاتا ہے ان علامات کو دیکھ کر ان کو اندازہ ہوجاتا ہے کہ یہ بندہ گیا ہاتھوں سے۔اسی طرح ہمارے اکابر نے قلب کی موت کی بھی نشانیاں بتادیں۔قلب کی موت کی دو بڑی نشانیاں ہیں:

① نیکی سے محرومی پر افسوس نہ ہو:

جب انسان کسی نیکی سے محروم ہو اور افسوس نہ ہو۔تکبیرِ اولیٰ چلی گئی پرواہ نہیں، جماعت کی نماز قضا ہوگئی پرواہ نہیں، صبح کی جماعت چلی گئی، نماز ہی قضا ہوگئی تو پرواہ نہیں، جب انسان نیکی سے محروم ہو اور دل میں افسوس نہ ہو۔

۲ ارتکابِ گناہ پر ندامت نہ ہو:

یا گناہ کا ارتکاب کرے اور دل میں ندامت نہ ہو۔ گل ہی کوئی نہیں، کوئی بات ہی نہیں ہے، پرواہ ہی نہیں کہ گناہ کر رہے ہیں۔ یہ پکی علامتیں ہیں اس کے دل کی روحانی موت واقع ہو چکی ہے۔ اب ہم سوچیں کہ ہمارے اندر کہیں یہ دونوں نشانیاں نظر تو نہیں آتیں۔

شیطان کا دوسرا حملہ......نیکی میں سستی کروانا:

شیطان کا پہلا حملہ گناہ کو جائز بنا کر، ہلکا بنا کر انسان سے کروانا اور اگر انسان اس کی بات نہ مانے گناہ نہ کرے، نیکی پر لگا رہے تو دوسرا حملہ یہ کرتا ہے کہ نیکی تو یہ کر رہا ہے نیکی میں سستی کروانا۔ یعنی جو کر رہا ہے اس میں اس کو سستی میں ڈال دینا۔ ابھی تہجد کے لیے اٹھتا ہوں۔ پہلے ایک گھنٹہ پہلے اٹھتا تھا، اب کبھی دس منٹ، کبھی پندرہ منٹ پہلے اٹھتا ہے۔ کروٹیں بدل رہا ہے، ابھی اٹھتا ہوں، پھر آخری منٹوں پڑھ لے گا اور کبھی قضا بھی کروا دے گا۔ تو سستی کروانا شیطان کا دوسرا وار ہے۔

اور یہ بات آج عام ہے، کسی سالک سے پوچھو معمولات کرتے ہیں؟ جی وقت ہی نہیں ملتا، وقت نہ ملنے کا کیا مطلب ہے؟ سستی۔ تو اس گناہ کے تو مرتکب ہو ہی رہے ہیں، سستی کا ارتکاب کرواتا ہے۔ بھئی! ایک طالب علم چار سال ایک ہی کلاس پڑھتا رہے اس کو پاس کہیں گے یا فیل کہیں گے۔ ایک سالک کئی سال ایک ہی سبق کے اوپر رہے تو اس کو کیا کہیں گے پاس کہیں گے یا فیل کہیں گے؟ پھر آتے ہیں اور مل کر کہتے ہیں کہ حضرت ہم سے تو کچھ ہوتا نہیں آپ کچھ کر دیجیے، ویسے مجھے جلدی گھر بھی جانا ہے۔ ایسے جیسے رنگ کا مٹکا پڑا ہوا ہے، ڈبکی لگوائیں گے اور چلے جائیں گے۔ ہر کام کے لیے وقت درکار ہوتا ہے نا بس حضرت میں آیا تھا، تعویذ بنا دیجیے اور

مجھ سے ذکر اذکار تو ہوتے نہیں، دعا بھی کر دیجیے، یہ آج کل کے سالکین کا یہ رویہ ہوتا ہے۔ اور کئی سالکین تو ماشاء اللہ ایسے بھی تشریف لاتے ہیں کہ بات کرتے کرتے بتاتے ہیں کہ حضرت میں یہ جو بتا رہا ہوں آپ مجھے یہ مشورہ عطا فرما دیجیے۔ خود علاج بتاتے ہیں کہ شیخ کی زبان سے وہ الفاظ سن لیں۔ کیا علاج ہے کہ مریض طبیب کو آ کر کہے کہ جی میں جو کہہ رہا ہوں نا بس آپ مجھے وہ دوائی دیں۔

حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہمارے اس سلسلہ میں سالک کی سستی کے سوا اور کوئی دوسری چیز رکاوٹ نہیں ہے، جو بندہ سستی کو چھوڑ دے ذکر اذکار معمولات کرتا رہے وہ یقیناً اللہ سے واصل ہوتا ہے۔

شیطان کا تیسرا حملہ......ریاکاری کروانا:

تیسری چیز کہ اگر وہ نیکی میں سستی بھی نہیں کر رہا ہے اور دوسرا وار بھی کامیاب نہیں ہوا تو تیسرا وار یہ کرتا ہے کہ نیکی کے دوران ریا کروانا۔ لوگ تعریف کریں، لوگ اچھا سمجھیں۔ اور یہ تو آج کل اتنا زیادہ ہے کہ جو کرتے ہیں وہ بھی دوسروں کو بتاتے ہیں اور جو نہیں کرتے وہ بھی بتاتے ہیں۔ ہمارے اکابر کا یہ حال تھا کہ نیکیاں کرتے تھے چھپاتے تھے، پتہ نہیں چلنے دیتے تھے۔ ہم نیکیوں کا ارادہ کرتے ہیں وہ بھی سنا دیتے ہیں کہ جی! میں نے تہجد کا ارادہ کر لیا، بھئی ابھی پڑھی بھی نہیں اور عادت بھی نہیں بنی اور ارادہ بتا رہے ہیں۔ میں نے جی گھنٹہ مراقبہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ خواب دیکھتے ہیں تو پورا خواب نہیں سناتے جتنا حصہ محسوس کرتے ہیں کہ اچھا ہے وہ سنا دیتے ہیں باقی کو گول کر جاتے ہیں۔ ریا ہے نا طبیعت کے اندر۔ اسی کو تو دکھلاوا کہتے ہیں کہ لوگ تعریف کریں، لوگ اچھا سمجھیں۔ اس کیفیت کے ساتھ عبادت کرنا اسی کا نام ریا ہے۔

ریا کار......سب سے پہلا جہنمی:

آپ بتائیں قیامت کے دن سب سے پہلے جہنم میں کون جائے گا؟ کیا گناہ گار بندہ جائے گا؟ نہیں! سب سے پہلے جہنم میں ڈالا جائے گا ایک عالم کو۔ مدرسے بنائے ہوں گے، علم پھیلایا ہوگا، ہزاروں شاگرد ہوں گے، کہے گا: یا اللہ! میں نے تو ساری زندگی تعلیم و تعلم میں گزار دی۔ اللہ فرمائیں گے کہ نیت یہ تھی کہ تجھے بڑا عالم کہیں۔ قَدْ قِیْلَ "تجھے کہا جا چکا"۔ اس کو جہنم میں اوندھا پھینک دو۔

پھر سخی کو بلایا جائے گا جس نے اللہ کے راستے میں بہت خرچ کیا ہوگا۔ اسے کہا جائے گا تو خرچ کرتا تھا کہ لوگ واہ واہ کریں قَدْ قِیْلَ ہوگئی واہ واہ۔ لے جاؤ جہنم میں۔

مجاہد کو لایا جائے گا، اس نے جان دی ہوگی۔ کہے گا: اللہ! میں نے تو دین کی سر بلندی کے لیے لڑتے لڑتے جان دے دی۔ کہیں گے ہاں تو چاہتا تھا: لوگ تجھے بڑا بہادر کہیں، قَدْ قِیْلَ سو کہہ دیا گیا۔ لے جاؤ جہنم میں!

وہ لوگ بڑے بڑے اعمال لے کر آئیں گے مگر ریا کاری کی وجہ سے سب سے پہلے وہ جہنم میں جائیں گے۔ یہ کبائر کے مرتکب تو نہیں تھے ناظاہراً تو انہوں نے بڑی عبادت کی تھی لیکن ریا نے کیا نتیجہ دکھایا۔ تو یہ ریا اس قدر بری چیز ہے۔

تھوڑی سی عبادت پر بڑی توقع:

اسی لیے آج اگر ہم کچھ تھوڑی عبادت کر بیٹھتے ہیں تو بڑی توقعات لگا بیٹھتے ہیں۔ کہ اب تو ہمیں یہ چیز مل جانی چاہیے۔ ابن عطاء اللہ اسکندری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كَيْفَ تَطْلُبُ الْعِوَضَ عَلٰى عَمَلٍ هُوَ مُتَصَدِّقٌ بِهٖ عَلَيْكَ

"تو اس عمل پر جزا کا حق دار کیسے بن سکتا ہے جو اللہ نے اپنے فضل سے تجھ پر

صدقہ کیا ہے''

صدقے پر بھی کوئی توقع کرتا ہے کہ مجھے اس پر اجر ملے۔

أَمْ كَيْفَ تَطْلُبُ جَزَاءً عَلَى صَدَقَةٍ هُوَ مُهْدِيهِ إِلَيْهِ

تو کیسے اس عمل کا اجر طلب کرتا ہے جو تجھ پر صدقہ اور ہدیہ کیا گیا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ جو عمل کی توفیق دیتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف عطا اور ہدیہ ہوتا ہے اور اس سے ہمیں توفیق ملتی ہے اور اس عمل پر ہم پھر اجر کے مستحق بنتے پھرتے ہیں۔

ریا کی علامت:

ہمارے بزرگوں نے کہا کہ انسان عمل بھی کرے مگر دل میں توقع نہ رکھے، نیکی کر دریا میں ڈال، اور دل میں یہ کیفیت ہو کہ لوگ مجھے اچھا کہیں، نیک سمجھیں، تو یہ پکا ریا ہے، کسی نے کیا عجیب بات کہی ہے:

اِسْتِشْرَافُكَ اَنْ يَّعْلَمَ الْخَلْقُ بِخُصُوْصِيَتِكَ

استشراف کہتے ہیں کہ دل کے اندر ایک شوق کا ہونا خواہش کا ہونا کہ لوگوں کو مجھے میری نیکوکاری کا پتہ چل جائے تو فرماتے ہیں۔

اِسْتِشْرَافُكَ اَنْ يَّعْلَمَ الْخَلْقُ بِخُصُوْصِيَتِكَ

دَلِيْلٌ عَلٰى عَدَمِ صِدْقِكَ فِيْ عُبُوْدِيَتِكَ

''تیرے دل میں اس خواہش کا ہونا کہ لوگ میری نیکی کو معلوم کر لیں، اس بات کی کی دلیل ہے کہ تو اپنی نیکی کے اندر مخلص نہیں ہے۔''

شیطان کا چوتھا حملہ.....خود پسندی میں مبتلا کرنا:

اور شیطان کا چوتھا وار کہ اگر ریا بھی نہ ہو تو اس کو خود پسندی میں مبتلا کرتا ہے۔ تو تو بڑا نیک ہے، تیرے جیسا اور کوئی ہو سکتا ہے۔ اب یہ خود پسندی ہالک ہے بندے

کے لیے۔ ہلاک کر دینے والی ہے۔ حدیث پاک میں فرمایا:

((وَ اِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ))

''بندے کا اپنے نفس کے اوپر عجب ہونا یہ مہلکات میں سے ہے''

اپنی ذات کے ساتھ گمان رکھنا کہ میں بڑا نیک ہوں۔ تو شیطان نیکی کے بعد انسان کے دل کے اندر برتری ڈال دیتا ہے۔ تو نیک ہے نا، باقی تو ایسے ہی ہیں، یہی خود پسندی تو تکبر میں مبتلا کرتی ہے۔ آپ بتائیں! شیطان نے جب سجدے سے انکار کیا تو اس نے نشہ تو نہیں پیا ہوا تھا، کیوں اس نے کہا: أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ اس لیے کہ وہ خود پسندی میں مبتلا تھا۔ اس لیے اس نے کہا کہ میں بہتر ہوں۔

ایک عابد کی خود پسندی کا انجام:

اسی لیے کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام کے ساتھ ایک نیک عابد جا رہا تھا، ان کے پیچھے ایک گناہ گار بندہ بھی چلنے لگ گیا۔ تو اس نیک بندے کو یہ بات بری لگی کہ ہمارے پیچھے پیچھے یہ فاسق اور فاجر آ رہا ہے۔ اس نے دعا کی کہ اللہ! مجھے آخرت میں اس کے ساتھ اکٹھا نہ کرنا۔ نیک بندے نے یہ دعا کی اور ادھر گناہ گار بندے نے دعا کی، اللہ! مجھے جنت عطا کر دینا، اللہ رب العزت نے دونوں کی دعاؤں کو قبول کر لیا اور عیسٰی علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے میرے پیارے عیسی علیہ السلام! میں نے گناہ گار کی دعا کو قبول کر کے اس کو جنت عطا فرما دی اور اس نے دعا مانگی تھی کہ اس کو اکٹھا نہ کرنا اس لیے اس کو میں نے جہنم میں بھیج دیا۔ تو عبادت گزار جہنم میں اور گناہ گار جنت میں۔ یہ خود پسندی اور عجب اللہ رب العزت کے ہاں اس قدر ... والی چیز ہے۔

انسان اللہ کے حلم کا محتاج:

چنانچہ ابن عطاء اللہ اسکندری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب بات کہی ہے، کیا نکتے کی بات کہی ہے: سبحان اللہ فرماتے ہیں:

اَنْتَ اِلٰی حِلْمِہٖ اِذَا اَطَعْتَہٗ أَحْوَجُ مِنْكَ اِلٰی حِلْمِہٖ اِذَا عَصَیْتَہٗ

''جب تو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے جتنا تو اس وقت حلم کا محتاج ہوتا ہے جب تو نیکی کر رہا ہوتا ہے اس سے زیادہ حلم کا اس وقت تو محتاج ہوتا ہے''

وجہ کیا؟ گناہ کرتے ہوئے ندامت بھی ہوتی ہے کہ میں برا کر رہا ہوں، وہ ندامت تیرے بچاؤ کا ذریعہ بن سکتی ہے اور نیکی کرتے ہوئے ندامت تو نہیں ہوتی۔ اس لیے فرمایا کہ گناہ کرتے ہوئے تو اللہ تعالیٰ حلم کا جتنا محتاج ہے، نیکی کرتے ہوئے اللہ کے حلم کا اس سے زیادہ محتاج ہے۔ جب ہم نیکی کر کے بھی اللہ تعالیٰ کے حلم کے محتاج ہیں تو ہم اپنی اوقات کو دیکھیں کہ کیا ہے؟ شیطان تو حملے کرے گا کہ انسان دنیا میں ہی پھنسا رہے، دھنسا رہے اور اس کو تخلیہ میں بیٹھ کر اپنی آخرت اور عاقبت کے بارے میں سوچنے کا موقع ہی نہ ملے۔ یہ میرا کاروبار، یہ میری دکان، یہ میرا گھر، یہ میرا ہسپتال، یہ میرا فلاں، اسی میں عمر گزر جاتی ہے۔ بھئی! آخرت میں بھی تو کچھ میرا ہو۔ اس کی فرصت نہیں ہوتی۔ چنانچہ آج کی اس مجلس میں ہم اس چیز کو اپنے ذہنوں میں بٹھائیں کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں اللہ کی محبت ملے تو ہمیں ماسوا سے دل کو توڑنا پڑے گا تب دل اللہ سے جڑ سکے گا۔ اس لیے فرمایا:

﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا﴾

تین انمول باتیں:

چنانچہ بزرگوں نے تین باتیں کہی ہیں کہ جو انسان لالچ چھوڑ دیتا ہے وہ مخلوق

کے نزدیک محبوب ہو جاتا ہے۔ آپ اس دنیا میں دیکھ سکتے ہیں، جو بے غرض بندہ ہو لالچ نہ ہو، سب محبت کرتے ہیں اس سے۔

جس کا عمل ہو بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے

تو تین باتیں:

جو لالچ کو چھوڑ دیتا ہے وہ مخلوق کا محبوب بن جاتا ہے۔

جو گناہ کو چھوڑ دیتا ہے وہ فرشتوں کا محبوب بن جاتا ہے۔

اور جو لذاتِ دنیا اور ہوسِ دنیا کو چھوڑ دیتا ہے، وہ اللہ کا محبوب بن جاتا ہے۔

اللہ کے ساتھ وقت گزاریں:

اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرے بندے! دنیا کی ہوس اپنے دل سے نکال کر میری طرف قدم بڑھاؤ تو میں تیرا استقبال کرنے کے لیے کافی ہوں۔ میں تیرا استقبال کرنے کے لیے منتظر ہوں۔ اللہ رب العزت ہمیں یکسوئی کے ساتھ اللہ رب العزت کی محبت کو پانے کی توفیق عطا فرمائے۔ عمر گزر جاتی ہے کاروبار میں، دکانوں میں۔ شاعر نے کہا:

انہوں نے دین کہاں سیکھا بھلا جا کے مکتب میں
پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں

زندگی تو اسی طرح یا کالجوں یونیورسٹیوں میں گزر رہی ہے یا پھر دفتروں میں گزر رہی ہے۔ یہ اللہ کی تلاش کب ہوگی، زندگیوں میں یہ کسی کو نظر ہی نہیں آتا؟ کبھی کسی کی صحبت میں چند لمحے اس لیے بیٹھے کہ مجھے اللہ ملے؟ ہاں دعاؤں کے لیے آجاتے ہیں، پریشانیاں جو ہوتی ہیں، اٹکے ہوئے کام جو ہوتے ہیں۔ اس لیے آنا کہ مجھے اللہ ملے یہ الگ چیز ہے۔ تو ہمیں اللہ تعالیٰ اپنا شوق عطا فرمائے، اپنی محبت اللہ تعالیٰ ہمارے

دلوں میں عطا فرمائے اور اپنے روزانہ کے معمولات میں کچھ نہ کچھ وقت اللہ کے ساتھ تنہائی میں گزاریئے، تخلیہ اختیار کیجیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس پابندی کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن

﴿فَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْن﴾

طلبا کو نصیحت

بیان: محبوب العلما والصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 29 جون 2011ء بروز بدھ [illegible] رجب، ۱۴۳۲ھ

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

موقع: اختتامِ سال پر معہد الفقیر کے طلبا سے الوداعی خطاب

اقتباس

اب یہاں آپ لوگ اپنے امتحانوں سے فارغ ہوئے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب آپ بالکل فارغ ہو گئے۔ آپ لوگ گھر جائیں گے گھر والے آپ کو اس نظر سے دیکھیں گے کہ یہ وہاں سے کیا سیکھ کر آیا ہے۔ استادوں نے کیا سکھایا اس نے کیا سیکھا۔ پورے سال اس نے اپنے اندر کون سی اچھی عادات پیدا کیں تو سب کی آپ پر نظر ہو گی۔ ماں ہے، باپ ہے، بھائی ہیں، بہنیں ہیں، دوست ہے، پڑوسی ہیں سب دیکھیں گے۔ اگر آپ ان سے اچھے اخلاق سے ملیں گے، خدمت کریں گے، تواضع سے پیش آئیں گے، تو سب کہیں گے کہ واقعی بھئی یہ ایک اچھا انسان بن کر آیا ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

طلبا کو نصیحت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا﴾
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

دنیا امتحان گاہ ہے:

دنیا کی زندگی انسان کے لئے امتحان کی مانند ہے۔ فرمایا:

اَلدُّنْيَا دَارُ الْمِحَنْ "دنیا امتحان گاہ ہے"

امتحان لینے کے مختلف طریقے ہوتے ہیں۔

تحریری امتحان:

مثلاً ایک طریقہ یہ ہوتا ہے کہ کاغذ پر سوال لکھے ہوئے ملیں اور طالب علم اس کا جواب کاغذ پر لکھ کر دے۔ جیسے آپ لوگوں نے وفاق کا امتحان دیا۔ تو یہ بھی امتحان کا ایک طریقہ ہے کہ سوال لکھے ہوئے مل جائیں اور اس کا جواب آپ لکھ کر دے دیں۔

معروضی امتحان:

اور دوسرا طریقہ یہ ہوتا کہ سوال لکھے ہوتے ہیں اور ان کے آگے کئی جواب لکھے ہوتے ہیں، ان میں صحیح جواب پر نشان لگانے ہوتے ہیں۔ اس طریقۂ امتحان کو کہتے ہیں آبجیکیٹو ٹائپ (معروضی امتحان) چنانچہ ڈاکٹروں اور انجینئروں کے جتنے امتحان ہوتے ہیں وہ عام طور پر اسی طرح کے ہوتے ہیں۔ ان کو کہتے ہیں ''Multiple Choice'' کہ سوال بھی لکھے ہوتے ہیں اور اس کے آگے ملتے جلتے جواب ہوتے ہیں مگر وہ اتنے ملتے جلتے ہوتے ہیں کہ طالب علم کنفیوز ہو جاتا ہے کہ صحیح جواب کونسا ہے۔

خصوصی امتحان:

ایک امتحان کا طریقہ ہم نے یونیورسٹی میں دیکھا حیران ہو گئے کہ پیپر بنانے والے نے ایسا پیپر بنایا کہ اس نے کہا کہ حل کرنے کے لیے کتابیں ساتھ لے کر آئیں۔ یہ ہمارے لیے ایک نیا تجربہ تھا۔ ایک استاد نے کہا کہ کل تمہارا امتحان ہے اپنی کتابیں لے کر آنا، ہم لوگ اپنی کتابیں لے کر گئے، ایسا پرچہ بنایا تھا کہ حل کرنے کے لیے کتاب ہاتھ میں ہے اور جواب نہیں مل رہا۔ صرف جن بچوں نے پوری کتاب کا مطالعہ اچھی طرح کیا تھا وہ اس کا جواب درست لکھ سکے باقی نہیں۔ تو یہ کتنی عجیب بات ہے کہ کتاب بھی ہاتھ میں ہے اور اسی میں اس کا جواب بھی موجود ہے مگر جواب مل نہیں رہا۔ تو پیپر بنانے والے ایسے ایسے پیپر بناتے ہیں کہ کتاب سامنے بھی ہو تو انسان جواب نہیں لکھ سکتا۔ جب تک انسان نے کتاب پوری طرح سمجھ کر پڑھ نہ لی ہو جواب نہیں دے سکتا۔

اورل ٹیسٹ:

ایک امتحان کا طریقہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس میں طالب علم کو سامنے بٹھا لیتے

ہیں اور انٹرویو کرتے ہیں، اسے ''اورل ٹیسٹ'' کہتے ہیں۔اس میں زبانی سوال پوچھتے ہیں زبانی جواب دیتے ہیں۔مدارس میں بھی اس طریقے سے امتحان لیتے ہیں۔

پریکٹیکل امتحان:

ایک امتحان ہوتا ہے جسے پریکٹیکل کہتے ہیں۔چنانچہ کالجوں یونیورسٹیوں میں طالب علموں کو ایک کام دیا جاتا ہے جو وہ کر کے دکھاتا ہے اس پر بھی اس کو نمبر ملتے ہیں۔

اللہ رب العزت کا امتحان:

اور ایک امتحان کا طریقہ اللہ رب العزت نے بنایا ہے جو ہم سب کے سب دے رہے ہیں۔چھوٹے ہوں یا بڑے ہوں مرد ہو یا عورت ہو، مشرق کا رہنے والا ہو یا مغرب کا رہنے والا، ہر بندہ اس وقت امتحان کی حالت میں ہے۔وہ امتحان کیسا ہے کہ اللہ تعالیٰ مختلف حالات بھیجتے ہیں۔کبھی خوشی کا حال کبھی غم کا حال، کہیں جیت ہوتی ہے کہیں ہار ہوتی ہے، کہیں صحت ہوتی ہے کہیں بیماری ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ مختلف حالات میں میرا بندہ کیا ردِعمل دکھاتا ہے، اگر کسی کے اوپر مشکل آئی اور اس نے صبر کیا تو اس صبر میں وہ بندہ اللہ کے ہاں کامیاب ہو گیا۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی امتحان میں کامیابی:

جیسے ایوب علیہ السلام کے اوپر بیماری آئی، امتحان آیا، انہوں نے اس پر صبر کیا۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ﴾ (ص:۴۴)

''ہم نے انہیں صبر کرنے والا پایا، وہ کتنے اچھے بندے تھے، رجوع کرنے والے تھے''

کتنے تعریفی الفاظ کہے، ان الفاظ کو پڑھ کر دل میں ایک حسرت ہوتی ہے۔ کتنی اعلیٰ زندگی تھی کہ جس کو دیکھ رب کریم یہ الفاظ کہے۔ ﴿اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا﴾

حضرت سلیمان علیہ السلام کی کامیابی:

دوسرا موقع دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو تخت و تاج سے بھی نواز اور نبوت سے بھی سرفراز فرمایا۔ تو دین بھی اور دنیا بھی سب نعمتیں ملیں۔ دنیا کے بادشاہوں کی بادشاہی تو صرف انسانوں پر ہوتی ہے، ان کی بادشاہی انسانوں پر بھی تھی، جنوں پر بھی تھی، جانوروں پر بھی تھی، پرندوں پر بھی تھی، خشکی کی مخلوق پر بھی، تری کی مخلوق پر بھی، سب کے اوپر بادشاہی تھی۔ اور پھر اللہ کے نبی بھی تھے، اتنی نعمتوں پر پھر انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا، تو شکر ادا کرنے پر اللہ تعالیٰ اتنے خوش ہوئے کہ ان کے لیے بھی اللہ رب العزت نے نعم العبد کا لفظ استعمال کیا۔ میرا کتنا اچھا بندہ تھا۔

تو جس پر مصیبت آئی اس نے صبر کیا، وہ بھی نعم العبد اور جس پر نعمت آئی اس نے شکر کیا وہ بھی نعم العبد۔ تو معلوم ہوا کہ ہمیں ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق زندگی گزارنی ہے۔

زندگی کا امتحان اور اس کے نگران:

اس زندگی میں انسان پر خوشیاں اور غم آتے رہتے ہیں، دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں کہ جس کو غم نہ ملے۔ ہاں یہ فرق ہوتا ہے کہ دنیا داروں کو دنیا کا غم اور دین والوں کو دین کا غم۔ یہ روتے ہیں دنیا کے پیچھے اور وہ روتے ہیں اللہ کو راضی کرنے کے پیچھے۔ رو سب رہے ہوتے ہیں، امتحان سب کے لیے ہے۔ تو یہ پوری زندگی ایک امتحان کی مانند ہے، اور ہمارا جو رد عمل ہوتا ہے اس کو لکھنے کے لیے:

﴿اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ○ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ○ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ○﴾

''بے شک تمہارے اوپر نگران مقرر ہیں، باعزت لکھنے والے ہیں اور سب جانتے ہیں جو تم کرتے ہو''

جو ہم کرتے ہیں، کہتے ہیں، وہ رپورٹ لکھ رہے ہوتے ہیں۔ جیسے سی آئی ڈی والے حکومت کو دینے کے لیے رپورٹ لکھ رہے ہوتے ہیں نا، یوں سمجھیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سی آئی ڈی کے فرشتے متعین ہیں، بالکل ٹھیک لکھتے ہیں کوئی چیز اس میں کمی نہیں کرتے۔

نتیجہ کا دن:

اور یہی ہمارا نتیجہ قیامت کے دن نکلے گا۔ اس لیے قیامت کے دن کو ''یوم التغابن'' کہا گیا فیصلے کا دن۔

﴿يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ﴾ (تغابن:۹)

''جس دن وہ تمہیں جمع کرے گا جمع ہونے کے دن اور وہ فیصلے کا دن ہوگا''

اے انسان! تیرے لیے یا وہ جیت کا دن ہوگا یا تیرے لیے ہار کا دن ہوگا، یا تو زندگی کی بازی جیت جائے گا یا زندگی کی بازی ہار جائے گا۔ چنانچہ روزِ میزان جب نامۂ اعمال کھولیں گے ایک فرشتہ پکارے گا کہ فلاں بندہ فلاں باپ کا بیٹا یہ سعید نکلا، اسے جنت کی طرف لے جاؤ۔ فلاں باپ کا بیٹا وہ بد بخت شقی نکلا، اسے جہنم کی طرف لے جاؤ۔ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں جب نتیجہ کھولا جاتا ہے تو کتنے بچے خوش ہو رہے ہوتے ہیں، کتنے بچے رو رہے ہوتے ہیں۔ ہو بہو یہی حال قیامت کے دن بھی ہوگا۔

مومن کی زندگی ایک جہدِ مسلسل ہے:

تو مومن کی زندگی ایک جُہدِ مسلسل ہے، پوری زندگی جہد ہے۔ مجھے یاد ہے سیف اللہ بیٹا چھوٹا سا تھا تو ایک دفعہ اس نے میرا وہ جو سال کا سکیجو ایل بنا ہوتا ہے اٹھا لیا اور بیٹھ کر تھوڑی دیر پڑھتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے وہ کہنے لگا: ابو جی! ہر بندے کی

کچھ چھٹیاں ہوتی ہیں، کسی کی جمعے کے دن کسی کی اتوار کے دن تو آپ کی چھٹی کس دن کی ہے؟ میں نے کہا: بیٹا! میری چھٹی بند ہے، ایک ہی دن میری چھٹی ہوگی یہاں سے۔ جو دین کا کام کرنے والے ہوتے ہیں ان کے ہاں چھٹی نہیں ہوتی۔

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایک سفر سے بہت تھکے ہوئے آئے، اس عاجز نے کہا: حضرت! آپ بہت تھک گئے ہیں کچھ دیر آرام کرلیں۔ تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''ایہہ تھکیڑے تے مر کے لہن'' (یہ تھکاوٹ تو مرنے پر ہی اترے گی) یہ تھکاوٹیں اترنے والی نہیں ہیں، مریں گے تو تھکاوٹیں اتریں گی، اس سے پہلے نہیں اترتیں۔ جو دین کا کام کرنے والے ہیں، اللہ کے خوف سے زندگی گزارنے والے لوگ ہیں دنیا میں ان کے لیے کہاں چھٹی ہے؟

اس کی تو مثال ایسے ہے کہ آپ کا آٹھ بجے پرچہ شروع ہوا اور گیارہ بجے تک ہے تو اس دوران آپ کو چھٹی تو نہیں ہوسکتی۔ آٹھ سے لے کر گیارہ بجے تک پورا وقت ہے اور بچے اس میں ایک منٹ بھی ضائع نہیں ہونے دیتے۔ اگر اس دوران آپ کا کوئی ملنے والا آجائے تو کیا آپ اس سے ملیں گے؟ آپ صاف انکار کردیں گے۔ تو جس طرح کی صورتِ حال اس امتحان میں طالب علم کی ہوتی ہے مومن کی صورتِ حال زندگی میں اسی طرح ہوتی ہے۔

دنیا کام کے لیے، قبر آرام کیلیے، جنت عیش کے لیے ہے:

یہ دنیا کی زندگی یہ ضروریات پوری کرنے کے لیے ہے۔ خواہشات پوری کرنے کی جگہ نہیں ہے۔ وہ جگہ جسے اللہ نے خواہشات پوری کرنے کے لیے بنایا اس کا نام جنت ہے۔ وہاں کوئی غم ہی نہیں ہوگا۔ اس لیے جنتی جب جنت میں جائے گا تو کہے گا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنَّا الْحُزْنَ

"سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہماری تمام فکریں پریشانیاں ختم کر دیں"

اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشَ الْاٰخِرَۃ

"کچھ راحت نہیں مگر مرنے کے بعد (آخرت میں)"

بھئی! دنیا کی زندگی کام کے لیے، قبر کی زندگی آرام کے لیے، اور جنت کی زندگی عیش کے لیے اللہ نے بنائی۔ جنت میں ایسی عیش ہوگی کہ کبھی ختم ہی نہیں ہوگی۔ یہاں تو انسان دعوت بھی اگر کھاتا ہے تو ڈیڑھ دو روٹیاں کھا کر پیٹ بھر جاتا ہے، وہاں دعوت کھائے گا پیٹ بھرنے والا مسئلہ ہی نہیں۔ کھا کھا کر پیٹ بھرے گا، ڈکار آئے گی پھر اسی طرح خالی ہو جائے گا، پھر کھائے گا۔ کیا وہ عجیب زندگی ہوگی کہ جو انسان کی چاہت ہوگی وہی پوری ہوگی۔ سمجھنے کے لئے یوں سمجھ لیں کہ جنت میں ہر بندے کو ایک چھوٹی سی خدائی مل جائے گی۔

وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَشْتَھِیْ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَدَّعُوْن

زندگی کا ایک ایک دن قیمتی ہے:

اور ہمیں اپنی زندگی کا یہ بھروسا نہیں کہ کب ختم ہوگی؟ یہ ضروری نہیں کہ ہر بندے نے سفید بالوں کو پہنچ کر پھر مرنا ہے۔ نوجوانوں کی بھی موت آجاتی ہے، بوڑھوں کو بھی آتی ہے، بچوں کو بھی آتی ہے، اس لیے زندگی کے ہر دن کو قیمتی سمجھیں۔

گھر میں طلبا کی ذمہ داری:

اب یہاں آپ لوگ اپنے امتحانوں سے فارغ ہوئے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ

اب آپ بالکل فارغ ہو گئے۔ آپ لوگ گھر جائیں گے گھر والے آپ کو اس نظر سے دیکھیں گے کہ یہ وہاں سے کیا سیکھ کر آیا ہے۔ استادوں نے کیا سکھایا اس نے کیا سیکھا۔ پورے سال اس نے اپنے اندر کون سی اچھی عادات پیدا کیں تو سب کی آپ پر نظر ہوگی۔ ماں ہے، باپ ہے، بھائی ہیں، بہنیں ہیں، دوست ہے، پڑوسی ہیں سب دیکھیں گے۔ اگر آپ ان سے اچھے اخلاق سے ملیں گے، خدمت کریں گے، تواضع سے پیش آئیں گے، تو سب کہیں گے کہ واقعی بھئی یہ ایک اچھا انسان بن کر آیا ہے۔ اور اگر وہاں جا کر آپ کی فجر کی نماز ہی قضا ہو جائے تو لوگ کیا سمجھیں گے؟ ان پڑھ ماں کہہ رہی ہے بیٹا نماز پڑھو اور عالم بننے والا بیٹا کہے گا کہ پڑھ لوں گا تو ماں کیا سمجھے گی؟

تو بھئی ہم اپنی طبیعتوں کو بدلیں۔ کئی ہوتے ہیں جن کی طبیعت میں نیکی ہوتی ہے وہ الحمدللہ دوسروں کے نیکی پر آنے کا ذریعہ بنتے ہیں اور کئی ہوتے ہیں جو دوسروں کے لیے نفرت کا سبب بن جاتے ہیں۔ تو ہم کسی کے لیے نفرت کا سبب نہ بنیں، دین سے دوری کا سبب نہ بنیں، ایسے بھی نوجوان ہیں کہ جو پورے گھر کے ماحول کو بدل دیتے ہیں۔ محبت سے، پیار سے، ماں بھی نمازی، بہن بھی نمازی، والد بھی نمازی، سب نیک بن جاتے ہیں۔ ان کو اچھی اچھی باتیں سنائیں، جو آپ نے یہاں سنیں، کتابوں سے اساتذہ سے سنیں وہ ان کو بتائیں تاکہ وہ بھی نیکی کی طرف آئیں۔ تو ہم نے نیکی پر رہنا ہے اور دوسروں کو نیکی پر لانا ہے۔

مدرسہ کے ماحول اور گھر کے ماحول میں فرق:

گھروں میں جا کر رہیں گے تو آپ کو ایک فرق محسوس ہوگا۔ مسجد کا ماحول اور ہوتا ہے، گھر کا ماحول اور ہوتا ہے۔ مسجد خدا کا گھر ہے، برکتیں رحمتیں اور نور کا ماحول

ہوتا ہے اور گھروں میں چونکہ نیکی بھی ہے اور گناہ بھی ہیں تو شیطان کی آمد و رفت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ تو اس شیطان کی آمد و رفت سے ذرا بچ کر رہیں! وہ کبھی کزن کی شکل میں آتا ہے، کبھی کسی قریبی رشتہ دار عورت کی شکل میں آجاتا ہے، کبھی کسی اور لڑکی کی شکل میں آجاتا ہے، کبھی کسی سکول کالج کے لڑکے کی شکل میں آجاتا ہے۔ پھر سارے کہتے ہیں تو نے کیا دیکھا ہے آؤ تمہیں دنیا دکھائیں۔ یہ دوستی کے رنگ میں دشمنی کرنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ تو ہم نے ان کے پیچھے نہیں جانا ہم نے نیکی پر رہنا ہے۔ دوسروں کو نیکی پر لانا ہے۔

کیچڑ سے ذرا بچ کر......:

بس یہ بات اگر آپ نے سمجھ لی تو آپ کا گھر جانا بھی آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا سبب بن جائے گا۔ تو دعا تو یہی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ لیکن جب انسان دیکھتا ہے نہ کہ فلاں جگہ کیچڑ ہے تو ذرا احتیاط سے گزرتا ہے کہ پھسل نہ جائے۔ آپ یوں سمجھیں کہ ابھی تک تو آپ اللہ کے گھر کی زندگی گزار رہے تھے۔ اب آپ کو کیچڑ میں جانا ہے، وہاں ذرا سنبھل کر قدم رکھنا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ایک بچی نے نصیحت کی جو میں کبھی بھول نہیں سکتا۔ وہ اس طرح کہ بارش ہوئی تھی اور میں گزر رہا تھا، ایک بچی بھی قریب سے گزر رہی تھی۔ تو میں نے اسے کہا کہ بچی ذرا احتیاط کرنا کہیں پھسل نہ جانا۔ جب میں نے کہا تو اس نے جواب دیا حضرت! اگر میں پھسل گئی تو مجھ اکیلی کو نقصان ہوگا آپ احتیاط کرنا آپ پھسل گئے تو امت کا کیا بنے گا۔ تو بھئی! ہم اس بات کو یاد رکھیں اور کوئی پھسلے تو ایک پھسلے گا اور ہم پھسلے تو دین کا کام کرنے والے کا معاملہ ہوگا۔

اس لیے گھروں کی زندگی میں نمازیں پڑھنی ہیں، تہجد پڑھنی ہے، اپنی زندگی کو

اعمال سے مزین کرنا ہے۔ضد بازی، بات نہ ماننا کام نہ کرنا، ماں باپ سے غصے ہونا، طالب علم کو زیب نہیں دیتا۔ گھر آپ جائیں تو پتہ چلے کہ یہ کسی انسان کا پتر آیا ہے۔

نوجوانوں کے سر پر سینگ:

ہم نے دیکھا ہے کہ کچھ نوجوانوں کے سر پر سینگ ہوتے ہیں لیکن نظر نہیں آتے۔ بکری کی طرح ادھر بیٹھے تو اس کو سینگ مارا، ادھر بیٹھے تو اس کو سینگ مارا۔سینگ دیکھنے میں تو نظر نہیں آتے، اس لیے کہ پگڑی باندھی ہوتی ہے،ٹوپی پہنی ہوتی ہے مگر سینگ ہوتے ضرور ہیں۔ وہ جہاں جا کر بیٹھتے ہیں اسی سے پھڈا کر لیتے ہیں۔ایسے نہیں کرنا، اچھی زندگی گزارنی ہے، اچھی طرح وقت گزارنا ہے اور ماں باپ کی دعائیں لے کر واپس آنا ہے۔بس آپ یہ نیت کریں کہ آپ لوگ یہاں سے ماں باپ کی دعائیں لینے کے لیے جا رہے ہیں۔دعائیں لیں گے، پھر واپس آئیں گے۔

دو قسم کے طالب علم

اب دو طرح کے طالب علم ہوتے ہیں۔

① تعلیم مکمل کر کے جانے والے طالب علم:

ایک ہوتے ہیں جنہوں نے اپنی تعلیم مکمل کر لی۔اب دورۂ حدیث کرلیا، تخصص کرلیا، وہ مدرسہ سے فارغ ہو کر جاتے ہیں۔ان کے لیے زیادہ فکرمند ہونے کی بات ہے کہ اب ہم نے جانا ہے اور عام ماحول معاشرے میں زندگی گزارنی ہے۔تو ان کو اپنی ذمہ داری محسوس کرنے کی ضرورت ہے۔

اس زمانے میں دین پہ رہنا مشکل بہت ہے، لیکن اجر بھی بہت زیادہ ہے۔ یہ

ذہن میں رکھنا کہ مشکل ضرور ہے لیکن اجر بھی بہت زیادہ ہے۔ جو کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی کوشش کو رائیگاں نہیں جانے دیں گے، اجر بہت زیادہ عطا کریں گے۔ تو تھوڑی محنت سے زیادہ ثواب ملے گا۔ یہ ہماری امت جو ہے سبحان اللہ ایسے ہی ہے جیسے مزدور آٹھ گھنٹے مزدوری کرتا ہے تو اس کو سنگل تنخواہ ملتی ہے، پھر اسکے بعد جب اوور ٹائم کرتا ہے تو ڈبل تنخواہ ملتی ہے۔ ٹائم تو اس نے بعد میں بھی اتنا ہی لگایا مگر تنخواہ ڈبل ملی۔ تو یہ امت دنیا میں ایسے وقت میں آئی ہے کہ اوور ٹائم کی تنخواہ مل رہی ہے ...... وقت تھوڑا، عمل تھوڑے، اجر بہت زیادہ۔ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا معاملہ ہے، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

﴿۲﴾ چھٹی پر جانے والے طالب علم:

ایک ہوتے ہیں کہ جن کا صرف خروج ہوتا ہے کہ سال پورا ہو گیا، اب چھٹیاں ہیں، مدرسہ بند ہو گیا، لہٰذا اب اپنے گھروں کو جائیں گے، چھٹیوں کے بعد پھر آجائیں گے۔

ہمارے اکابر جب لوٹ کر اپنے گھروں میں جاتے تھے تو ان کی زندگیوں کو دیکھ کر درجنوں کے حساب سے اور ماں باپ اپنے بچوں کو دین پڑھانے کا ذہن بنا لیتے تھے۔ اچھا جی میں بھی بچے کو عالم بناؤں گا، میں بھی بچے کو حافظ بناؤں گا، میں بھی بچے کو مدرسہ بھیجوں گا...... وہ مدرسے کے ایسے نمائندے بن جاتے تھے۔ تو ہم بھی اپنی طرف سے ایسا ہی بننے کی کوشش کریں، اللہ تعالیٰ سب کا حامی و ناصر ہو۔

مسنون دعاؤں کا اہتمام:

چند باتوں کا اور بھی خیال رکھنا ہے۔ ان میں سے ایک ہے مسنون دعاؤں کا اہتمام۔ طلباء مسنون دعائیں یاد تو کر لیتے ہیں، مسنون دعائیں موقع پر پڑھتے نہیں ہیں۔ یہ نہ سمجھیں کہ ہم نہیں پڑھتے بلکہ یہ سوچیں کہ ہمیں توفیق نہیں ملتی اور یہ بہت بڑی

خطرے کی بات ہے۔ بہت خطرے کی بات ہے کہ انسان کو دعائیں یاد بھی ہوں اور موقع پر پڑھنی یاد نہ آئیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے بندے کو توفیق ہی نہیں دی۔ تو اللہ سے توفیق مانگیں اور ان دعاؤں کو آپ پڑھتے رہیں۔

گناہ سے بچنے کا اہتمام:

اور دوسری جس چیز کا بڑا خیال رکھنا ہے وہ یہ کہ آپ کے جسم کے کسی عضو سے گناہ سرزد نہ ہو۔ نہ بدنظری ہو، نہ غیبت ہو، نہ میوزک سنیں نہ اِدھر اُدھر سکرین پہ تماشے دیکھیں، نہ کوئی اور ایسا کام کریں جو شریعت کے خلاف ہو، ان چیزوں سے بہت محتاط ہو کر زندگی گزاریں۔ یہ تو زندگی کا مجاہدہ ہے۔ لیکن آخرت کے مقابلے میں اگر دیکھیں تو یہ مجاہدہ بہت تھوڑا ہے۔ مثال کے طور پر اگر ہماری سو سال کی زندگی ہے تو آخرت کے ایک دن کے مقابلے میں اڑھائی منٹ کے برابر ہے۔ اور آخرت میں لاکھوں سال، نہیں کروڑوں نہیں، اربوں نہیں کھربوں سال نہیں ہے، غیر محدود وقت ہے۔ تو دنیا کی زندگی تو نظر بھی نہیں آئے گی۔ تو تھوڑی سی محنت پر ہمیشہ رہنے والا انعام ہے تو کتنا سستا سودہ ہے؟ تو دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ خیر کا معاملہ کرے

اور یہ جتنی ہماری پریشانیاں، مصیبتیں ہیں یہ اکثر و بیشتر ہمارے گناہوں کے سبب سے آتی ہیں۔ اکثر و بیشتر جو مصیبت بھی پہنچتی ہے انسان کے گناہ کی وجہ سے آتی ہے:

﴿ مَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ ﴾ (الشوریٰ: ۳۰)

''جو تمہیں مصیبت پہنچی تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے''

ترکِ گناہ سے دعاؤں کی قبولیت:

انسان گناہ کرنا چھوڑ دے دنیا میں جنت کے مزے آنے لگ جائیں گے۔ اس

لیے کہ جو بندہ گناہ چھوڑ دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ اللہ اس کے کام سنوارتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہم نے تو یہاں تک دیکھا کہ اللہ والے ایک ایسے مقام پہ پہنچتے ہیں:

لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَ بَرَّهُ

''اگر وہ کوئی بات کر دیتے ہیں اللہ ان کی بات کو پورا کر دیتے ہیں''

ایک مستجاب الدعوات شخصیت:

ہم نے اپنی زندگی میں ایک بزرگ تھے، حضرت بابو جی عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ ان کے ساتھ زندگی کا بہت وقت گزرا۔ وہ جس بندے کے بارے میں دعا کرتے تھے کہ اس کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نصیب ہو جائے، تین راتوں کے اندر اس بندے کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نصیب ہو جاتی تھی۔ یہ ایک دفعہ نہیں، دو دفعہ نہیں، پچاس دفعہ نہیں، سو دفعہ نہیں۔ پتہ نہیں سینکڑوں دفعہ ہم نے آزمایا۔ ایسے ہاتھ اٹھاتے تھے دعا مانگنے میں آدھا منٹ بھی نہیں لگتا تھا، بس اتنا کہتے تھے اس بچے کو میرے آقا اور سردار کی زیارت نصیب فرما۔ تین دن میں زیارت ہو جاتی تھی۔

مجھے یاد ہے ہمارے یہاں شہر میں تبلیغی جماعت کے ایک امیر تھے، امیر دین صاحب۔ ایک دن فجر کی نماز کے وقت وہ میرے گھر دروازے پر...... میں باہر نکلا...... پوچھا کہ امیر صاحب! خیریت ہے، کہنے لگے کہ مجھے زندگی گزر گئی ہے تبلیغ میں وقت لگاتے ہوئے، بڑا جی چاہتا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نصیب ہو مگر ابھی تک ہوئی نہیں ہے۔ میں آپ کے پاس آیا ہوں کہ کوئی وظیفہ ہو تو مجھے بتائیں میں کرنے کو تیار ہوں۔ میں نے کہا کہ امیر صاحب! میں نے کل جانا ہے ایک جگہ وہاں ایک اللہ والے ہوں گے تو آپ میرے ساتھ چلیں، دعا کروالیں، زیارت ہو جائے گی۔ اگلے دن وہ ساتھ چلے گئے، وہاں جا کے بابو جی کو ملے۔ میں نے انہیں عرض کیا

کہ یہ ہمارے شہر کی تبلیغی جماعت کے ذمہ دار ہیں، چاہتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نصیب ہو۔ انہوں نے ایسے ہاتھ اٹھائے، پانچ سیکنڈ لگے ہوں گے، فرمایا: ''اللہ ان کو میرے آقا اور سردار کی زیارت نصیب فرما'' بس واپس آ گئے۔ ابھی دو دن گزرے تھے کہ صبح فجر کے وقت دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں باہر نکلا تو امیر صاحب کھڑے ہیں مگر ہاتھ میں ایک خط پکڑا ہوا ہے، میں نے پوچھا کہ یہ خط کیسا؟ کہنے لگے کہ الحمدللہ آج رات خواب میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دیدار نصیب ہوا۔ میں شکریہ کا خط لکھ کر لایا ہوں مجھے ان کا پتہ دیں، ہم ان کو پوسٹ کر دیتے ہیں۔

دو چار نہیں، سینکڑوں دفعہ ان کو آزمایا، ایسا اللہ نے مقام دیا تھا۔ ایک دفعہ رمضان المبارک میں ان کے ساتھ تھے تو انہوں نے بلا کر بتایا کہ آج شبِ قدر ہے، اللہ سے جو مانگتے ہو مانگو۔ ایسی اللہ نے کشفی نظر دی تھی تو جو اللہ کا بنتا ہے اللہ اس کے بن جاتے ہیں۔

اللہ کی شان ان کے والد صاحب جو تھے، وہ ان سے ناراض ہی رہتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ سٹیشن ماسٹر تھے اور رشوت بھی نہیں لیتے تھے، صرف تنخواہ کے اوپر گزارا تھا۔ والد ان کو کہتے کہ اسٹیشن ماسٹر تو بڑے محلات بنا کر رہتے ہیں، گاڑیاں ہوتی ہیں، اور کیا کچھ ہوتا ہے اور تیرے گھر کھانے کی بھی تنگی ہے...... وہ ساری زندگی والد کی ڈانٹ بھی کھاتے رہے، گالیاں بھی سنتے رہے، والد انہیں لوگوں کے سامنے بے عزت کرتے تھے۔ سب کچھ سہتے رہے، مگر رشوت نہیں لیتے تھے، رزقِ حلال کا اتنا خیال کیا۔ پھر ایسا وقت آیا کہ ان کے والد صاحب کی وفات ہو گئی، تو وفات کے دو دن بعد ان سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے ہمیں بتایا کہ رات میں نے والد صاحب کو جنت میں دیکھا، والد صاحب میری طرف آ رہے تھے اور میں خواب میں ڈر رہا تھا کہ یہ میرے پاس آئیں گے تو یہ پھر مجھے ڈانٹ ڈپٹ کریں گے، جلی کٹی سنائیں گے،

لہذا میں گھبرا رہا تھا۔ لیکن جب والد صاحب آئے تو آ کر انہوں نے خلافِ معمول مجھے سینے سے لگایا، میرے ماتھے پہ بوسہ دیا اور مجھے کہا: عبداللہ! تو نے میرے بیٹے ہونے کا حق ادا کر دیا۔ میرے گناہ تو بڑے زیادہ تھے مگر تیرے سبب اللہ نے مجھے بھی جنت عطا فرما دی۔ ایسے بھی اللہ کے بندے ہوتے ہیں۔ تو انسان جب نیکی کرتا ہے اور اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ ہوتا ہے۔

ایک اللہ والے کا عجیب طریقہ:

ہمارے حضرت! ایک عجیب بات فرماتے تھے۔ ایک بزرگ تھے ان کا یہ طریقہ تھا کہ کوئی ان کی بے عزتی کرتا یا کوئی بات کرتا تو وہ تھپڑ لگا دیتے تھے۔ تو عام لوگ یہ بات سمجھ نہیں پاتے تھے کہ بھئی! اللہ والوں کے اخلاق تو بہت بڑے ہوتے ہیں وہ تو ایسا نہیں کرتے، یہ عجیب ترتیب ہے ان کی! ہیں بھی بڑے اللہ والے اور ذرا سی کوئی بات ہوتی ہے تو تھپڑ بھی لگا دیتے ہیں۔ تو کسی نے پوچھا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اب مجھے اللہ رب العزت کے قرب کا ایسا مقام مل گیا ہے کہ اگر کوئی بندہ مجھے ذرا بھی ایذا پہنچائے گا، اگر میں بدلہ نہیں لوں گا تو اللہ اس سے بدلہ لے گا۔ تو میں ہی ایک تھپڑ لگا دیتا ہوں کہ وہ کم از کم اللہ کی پکڑ سے بچ جائے۔ اللہ اکبر، بندے کا ایک ایسا مقام اللہ کے ہاں ہو جاتا ہے کہ اللہ فرماتے ہیں:

مَنْ عَادَلِیْ وَلِیًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ

"میرے ولی کو تم دکھ دو گے تو میرا تمہارے ساتھ اعلانِ جنگ ہے"

اللہ والوں کے ساتھ اللہ کی مدد:

تو بھئی ہم اللہ کے ولی بنیں دعائیں قبول ہوں گی، اللہ کی مدد ساتھ ہو گی، اللہ ایسی طرف سے رزق دیں گے جہاں سے گمان بھی نہیں ہو گا۔ سبحان اللہ! تو بجائے

دنیا کے پیچھے بھاگنے کے اور دنیا کا کتا بننے کے (وَ طَالِبُوْهَا كِلَابٌ) ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ کے راستے پہ چلیں۔حتیٰ کہ اللہ کے ہاں مقبول ہو جائیں۔ پھر دیکھنا اللہ اس دنیا کی زندگی کو کیسے جنت کا نمونہ بنا دیتے ہیں۔ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جس کو اللہ نے جنت دینی ہوتی ہے اس کو اللہ تعالیٰ ایسا سکون دیتے ہیں کہ جنت کا نمونہ اسی دنیا میں ان کو نظر آتا ہے۔اور جس کو اللہ نے جہنم میں بھیجنا ہوتا ہے دنیا میں اتنا پریشان کرتے ہیں کہ وہ اپنی منہ سے کہتا ہے یار کیا مصیبت میں پڑ گیا۔تو نیکی کے راستے پر اللہ کی مدد ہے اسی راستے پہ کامیابی ہے۔

دعائے رخصت:

آپ خوش نصیب بچے ہیں کہ آپ نیکی کے راستے پہ چلنے والے بچے ہیں۔ہم آپ کو دعاؤں کے ساتھ یہاں سے رخصت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بخیریت اپنے گھروں میں لے جائے۔ وہاں رہ کر آپ لوگوں نے ان کے اندر دین کا جذبہ پیدا کرنا ہے، دین کی محبت پیدا کرنی ہے، حتیٰ کہ اور نوجوانوں کو آپ نے پڑھنے کے لیے اور دیندار بننے کے لیے تیار کرنا ہے اور جب چھٹیاں ختم ہوں تو آپ لوگوں نے اپنے پڑھنے والی جگہ پہ آنا ہے۔ اسلیے کہ مدرسہ سے ایک محبت ہوتی ہے۔ مدرسہ کو کہتے ہیں مادرِ علمی یعنی وہ جگہ جہاں سے انسان علم حاصل کرتا ہے۔مدرسہ کو ماں کہا گیا تو ماں سے ہر بچے کو محبت ہوتی ہے۔ایسے ہی ہر طالب علم کو مدرسے سے محبت ہوتی ہے۔تو اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی اس پورے سال کی محنت کو قبول فرمائے۔آپ حضرات جائیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو خیر، کامیابی، خوشیوں کے ساتھ واپس لوٹائے۔اللہ ایمان کی بھی حفاظت فرمائے اور اللہ گناہوں سے بھی حفاظت فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن